اسلامی شادی

عورتوں کی اصلاحِ اعمال اور اخلاق و عادات
کے موضوع پر ایک جامع کتاب

افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا، ہردوئی روڈ لکھنؤ

اسلامی شادی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

فانکحوا ما طاب لکم من النساء (قرآن)

اسلامی شادی

اضافہ شدہ جدید ایڈیشن بترتیب جدید ۲۰۱۲ء

شادی کے موضوع پر نہایت جامع اور مستند کتاب

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ یوپی

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب : اسلامی شادی

افادات : حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب : محمد زید مظاہری ندوی

صفحات : ۴۸۸

قیمت :

اشاعت پنجم : ۱۴۳۴ھ

ویب سائٹ............WWW.alislahonline.com

ملنے کے پتے

☆ دیوبند سہارنپور کے جملہ کتب خانے

☆ مدرسہ جامعہ خیر العلوم بورگاؤں خرد کھنڈوہ (ایم پی)

☆ ندوی بکڈپو ندوہ لکھنؤ

☆ مکتبۃ الفرقان، نظیر آباد لکھنؤ

☆ مکتبہ اشرفیہ ہردوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

باب (۲) بیوی کی اہمیت کے بیان میں

باب (۳) بیوہ عورت کے بیان میں

باب (۴) کفاءت یعنی نکاح میں (برابری) کا بیان

فصل (۱)

فصل (٤)

فصل (۵)

فصل (٦)

باب (۵) لڑکے اور لڑکی کا انتخاب

فصل (۱)

فصل (۲)

باب (۶) نکاح سے پہلے دعاء واستخارہ اور عملیات

فصل (۳)

باب (۱۲) جہیز کا بیان

باب (۱۶) دستور العمل شادی

فصل (۱)

فصل (۲)

باب (۲۰) نکاح کی مختلف رسمیں

باب (۲۱) رخصتی کے بعد

باب (۲۳) تعدد ازدواج یعنی کئی شادیاں کرنے کا بیان

فصل (۱)

فصل

فصل

تمت

رائے عالی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا (بارک اللہ فی حیاته وفی افادته) جو حضرت حکیم الامت کے افادات وارشادات اور تحقیقات ونظریات کو مختلف عنوانوں او رموضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کررہے ہیں کہ حضرت کے علوم وافادات کا ایک دائرہ المعارف انسائیکلو پیڈیا، تیار ہوتا جارہا ہے۔

ان خصوصیات اورافادیت کی بناپرعزیز گرامی قدرمولوی محمد زید مظاہری ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اورقدردانوں کی طرف سے بھی شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں۔

اور اسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اورنگرانی ہمت افزائی اور قدردانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اور انکے زیراہتمام دانش گاہ اور تربیت میں انجام پارہے ہیں۔ **اطال ا للہ بقائه وعمم نفعه جزاه اللہ خیرا.**

ابوالحسن علی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی
۱۷/ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

دعائیہ کلمات

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحبؒ باندوی

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

حکیم الامت حضرت مولانا مقتدانا الشاہ اشرف علی تھانویؒ کے بارے میں بزمانۂ طالبعلمی اکابر امت نے اس کا اندازہ لگالیا تھا کہ آگے چل کر مسند ارشاد پر متمکن ہوکر مرجع خلائق ہوں گے اور ہر عام وخاص ان کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوں گے۔ چنانچہ حضرت اقدس کے کارہائے نمایاں نے اساطین امت کے اس خیال کی تصدیق کی، کہنے والے نے سچ کہا ہے۔

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

خداوند قدوس نے حضرت والا کو تجدید اور احیاء سنت کے جس اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا اس کی اس دور میں نظیر نہیں۔

آج بھی مخلوق حضرت کی تصنیفات وارشادات عالیہ اور مواعظ حسنہ سے فیضیاب ہورہی ہے۔ حضرت کے علوم ومعارف کے سلسلہ میں مختلف عنوان سے ہندو پاک میں کام ہورہا ہے، لیکن بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے عزیزی مولوی مفتی محمد زید سلمہ، مدرس جامعہ عربیہ ہتورا کو جس نرالے انداز سے کام کی توفیق عطا فرمائی اس جامعیت کے ساتھ ابھی تک کام نہیں ہوا تھا اس سلسلہ کی چار درجن سے زائد ان کی تصانیف ہیں۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس کو قبولیت تامہ عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔ احقر صدیق احمد غفرلہ

خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی)

مبارک سلسلہ اور سلیقے کا کام

رائے عالی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی کو اللہ تعالیٰ نے بزرگوں سے تعلق اور ان کے ملفوظات وہدایات کو ان کی افادیت کے پیش نظر مرتب کرنے اور جمع کرنے سے خصوصی دلچسپی عطاء فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے بزرگوں کے افادات کو مختلف رسالوں اور کتابوں کی صورت میں جمع کیا ہے اور یہ کام اس سلیقہ سے کیا ہے کہ اس میں تحقیقی وعلمی انداز بھی پایا جاتا ہے اور دینی وتربیتی مقصد بھی پورا ہوتا ہے۔

ہم کو مسرت ہے کہ مولانا مفتی محمد زید صاحب جنہوں نے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات اور اصلاح وراشاد کے سلسلے میں مختلف نوعیّتوں کی وضاحت پر مشتمل مضامین کو علیحدہ علیحدہ شائع کرنے کا ایک مبارک سلسلہ میں شروع کیا ہے۔

مولانا زید صاحب نے دینی افادات کا، اصلاح دین کا حامل بہت مفید لٹریچر جمع کر دیا ہے، اصلاح باطن ودرستگی احوال کے لئے یہ انتخاب اور لٹریچر انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

مفتی محمد زید صحاب کے یہ علمی کوششیں قابل ستائش ہیں جو ایک طرف تو ایک اچھا علمی کام ہے اور دوسری طرف اس کی دینی واخلاقی افادیت ہے۔

جدت وقدامت کا سنگم

اظہار خیال

حضرت مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی دامت برکاتہم

وکیل کلیۃ الشریعۃ واصول الدین دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا محمد زید مظاہری ندوی کی جدت وقدامت نے انہیں دوآتشہ بنادیا ہے، یعنی طرز قدیم کے بزرگوں کے ایک ایک ملفوظ کی تحقیق وترتیب جدید میں مصروف ہیں، اور جدید وسائل کتابت وطباعت سے کام لے کر اپنی تصنیفی خدمات کو انہوں نے تحقیقی مقام تک بھی پہونچادیا ہے، اور دیدہ زیب بھی بنادیا ہے۔

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی کا تعارف ہی اہل علم میں حضرت تھانویؒ کی نسبت سے ہے، اس میں شک نہیں کہ تھانویؒ علوم معارف کی نسبت سے وہ کسی ''متخصص''اور''ڈاکٹر'' سے کم نہیں، یقیناً تھانویؒ علوم کی ترتیب وتحقیق پر انہیں پی، ایچ ،ڈی کی ڈگری ملنی چاہئے۔

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کہاں کہاں سے تنکے جمع کرکے ایک آشیانہ تیار کردیا۔

اللہ تعالیٰ اس سعی سعد کو قبولیت سے نوازے، اور مرتب کو علمی موتیوں کی تلاش میں کامیابیوں سے ہمیشہ بہرہ ورفرمائے۔آمین۔

سلمان حسینی ندوی

علمی و تحقیقی کام

واقعہ یہ ہے کہ آپ کی توجہ اس قدر مفید بلکہ نہایت اہم کام کی طرف مبذول ہوئی ہے کہ اس کے لئے خداوندی رہنمائی اور ذکاوت نافعہ کے بغیر آمادگی نہیں ہوسکتی تھی یہ محض اللہ کا فضل ہے، ہوسکتا ہے کہ ناواقف کی نظر میں یہ کام اتنا اہم نہ ہو جتنا فی نفسہ ہے لیکن حقیقۃً کسی بڑے تحقیقی و علمی کام سے کم اہم نہیں۔

(حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی دامت برکاتہم)

مشکل ترین کام، ترتیب نہیں تصنیف

تمہاری کتابوں کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی یہ آسان کام نہیں ہزاروں صفحات کا مطالعہ کرنا، ان کا فن اور موضوع مقرر کرنا، پھر ان کی ترتیب دینا بہت مشکل کام ہے، یہ کتابیں محض تمہاری ترتیب نہیں بلکہ تصنیف ہیں، اللہ کا شکر ادا کرو۔

(حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور)

اہم اور نافع کام

اہم اور نافع کام کی توفیق آپ کو منجانب اللہ ملی، مسرت ہے، بارک اللہ وتقبل اللہ ۔(خود بھی) منتفع ہوا، طلبہ اور اہل علم کو یہ مضامین سنائے گئے۔

(محی السنہ حضرت مولانا الشاہ ابرار الحق صاحب مدظلہٗ العالی)

چشمۂ فیض

مجھے خوشی ہے کہ جناب مولانا زید صاحب مجدہم نے محنت شاقہ برداشت کر کے بکھرے ہوئے مضامین کو موضوع وار عناوین کے تحت جمع کر دیا ہے اللہ تعالیٰ تمام

مسلمانوں کو خاص طور پر طلباء اور اہل مدارس کو اس چشمہ فیض سے سیراب ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دارالعلوم دیوبند)

نعمت عظمیٰ

حکیم الامت نوراللہ مرقدہ کے علوم کا انتخاب واقتباس موصوف نے نہایت احسن طریقہ سے جمع کر کے امت مسلمہ کے لئے نعمت عظمیٰ پیش کیا ہے۔

(مولانا حکیم الامت محمد اختر صاحب پاکستان)

ایک بڑا احسان اور قابل شکر کام

ہمارے دوستوں میں محبی فی اللہ محترم جناب مولانا محمد زید صاحب جو ماشاء اللہ ذہین فاضل ہیں بلند ذوق کے حامل ہیں، میکدہ تھانویؒ کے مشاق ہیں اور ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے بہرہ ور ہیں، اللہ نے ان کو حضرت تھانویؒ کے علوم پر کام کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ انہوں نے حضرت تھانویؒ کے افادات کو مضمون وار مرتب کر کے میکشان بادۂ اشرفی پر ایسا احسان کیا ہے کہ اس کا شکر یہ ادا نہیں کیا جاسکتا۔

موصوف نے ہر ہر موضوع پر حضرت تھانویؒ کی ایسی مفسر آراء یکجا کر دی ہیں کہ حضرت تھانویؒ کے خوشہ چینوں کو بھی اس کی اطلاع نہ رہی ہوگی، واقعہ ہے کہ مفتی محمد زید صاحب پوری علمی برادری کی طرف سے شکر و امتنان کے حقدار ہیں کہ انہوں نے بہت بڑے فرض کفایہ کو سرانجام دیا۔

(حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی)

ماھنامه البلاغ کا تبصره

جلد۲۹ شمارہ ۱۴۱۵ھ مطابق جنوری ۱۹۹۵ء

زیرادارت: حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ، دارالعلوم کراچی پاکستان

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعد دین کے مختلف شعبوں سے متعلق اس قدر مفصل اور جامع تصانیف، مواعظ اور ملفوظات چھوڑے ہیں کہ جس کی مثال پچھلے دور میں کم ہی نظر آتی ہے، اگر کوئی شخص ذرا سی توجہ کے ساتھ ان کا مطالعہ کرے تو دین اسلام کی ساری تفصیلات اس کے سامنے آجاتی ہیں، دین کا کوئی گوشہ نظروں سے اوجھل نہیں رہتا، اور اس کے بعد عصر حاضر کی کوئی گمراہی بفضل خداوندی ایسے شخص پر اثر انداز نہیں ہو پاتی بلکہ وہ بے شمار افراد کو بھی گمراہی سے بآسانی نکال لیتا ہے۔

حضرت تھانوی کے وصال کے بعد سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، مواعظ اور ملفوظات پر مسلسل کام ہورہا ہے، اور اس سلسلہ میں ایک بڑا کتب خانہ بحمد للہ وجود میں آچکا ہے، اور یہ سلسلہ اب دن بدن روز افزوں ہے۔

جو حضرات اس سلسلہ میں کام کر رہے ہیں ان میں علماء، فقہاء، صوفیا، مفکرین، پروفیسر، مؤرخین حتی کہ ماہرین نفسیات تک شامل ہیں مگر ان میں آج کل ''محترم جناب مولانا مفتی محمد زید صاحب استاد جامعہ عربیہ ہتورا باندہ یوپی ''انڈیا'' کا نام سرفہرست ہے، انہوں نے بڑی عرق ریزی اور جامع اور وسیع مطالعہ کے بعد اہم علمی اور دینی موضوعات پر حضرت کے علوم کو حسن ترتیب کے ساتھ مرتب کرنے کی قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ **جزاھم اللہ تعالی خیراً**

ابوحماد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

اس دنیا میں بسنے والے انسان خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم مرد ہو یا عورت ہر ایک کے سامنے بیاہ شادی کا مسئلہ ہوتا ہے اور یہی وہ مسئلہ ہے جس کی وجہ سے آج دنیا بڑی پریشان نظر آتی ہے، غریب ہو یا مالدار، دیندار ہو یا بد دین، بیاہ شادی کے مسئلہ میں ہر ایک متفکر ہے۔ اور انسانی زندگی میں سب سے زیادہ پریشان کن یہی باب سمجھا جاتا ہے۔ غریبوں کا تو پوچھنا ہی کیا، مالداروں کی شادیاں بھی جیسی کچھ ہوتی ہیں اور اس سلسلے میں ان کو جو زحمتیں اٹھانا پڑتی ہیں وہی جانتے ہوں گے۔

اسلام نے بیاہ شادی کو سب سے آسان عمل بتایا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے اسی آسانی وسادگی کے ساتھ عمل کر کے بھی دکھلایا تھا لیکن آج بیاہ شادی ہی سب سے زیادہ مشکل امر بن کر رہ گیا ہے۔ شادی تو ایک خوشی کی چیز ہوتی ہے۔ لیکن اب اس زمانہ میں شادی ایک مصیبت اور غم کا سامان بن کر رہ گئی ہے۔ کتنی نوجوان لڑکیوں نے گلا گھونٹ کر پھانسی لگالی۔ اپنے جسم میں آگ لگا کر اپنے کو ہلاک کر ڈالا۔ اور کتنے ماں باپ ایسے ہیں کہ لڑکی کی پیدائش کی خبر سن کر ہی آگ بگولہ ہو جاتے ہیں اور کتنے ہوں گے کہ انہوں نے صرف اس بنا پر اپنی بیوی کو طلاق دیدی کہ لڑکی کیوں پیدا ہوگئی۔ لڑکی کا پیدا ہونا اس زمانہ میں ایک مصیبت اور آفت بن کر رہ گیا ہے۔ ”وَاِذَا بُشِّـرَ

اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ" (پ:۱۴)(اوران میں جب کسی کو بیٹی کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ بے رونق ہوتا ہے دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے)۔

اسلام سے پہلے جو حالت کفار کی تھی، اسی کے قریب قریب آج کی حالت ہوگئی ہے اور یہ محض اس واسطے کہ لڑکی ہوگی تو اس کی شادی کی فکر ہوگی، آج کل کی شادی تو خانہ بر بادی ہے لڑکی کے واسطے لڑکے کا انتخاب اور اس کا معیار پھر لڑکی کے جہیز کی فکر خاندان کے افراد کی خوشامد اور ان کی دعوت کا اہتمام، رسوم ورواج کی پابندی اور اس میں پانی کی طرح پیسہ بہانا آج کل کی شادی کے لوازم میں سے ہوگیا ہے، غریب آدمی بھلا ان سب باتوں کی سکت کہاں رکھتا ہے، غریب ہی کی کیا تخصیص ہے، امیر و مالدار بھی اس قسم کی پریشانیوں سے محفوظ نہیں رہے۔ الغرض اس مسئلہ میں آج ساری دنیا پریشان نظر آرہی ہے اور وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ شادی سے متعلق اسلام نے جو ہماری رہنمائی کی تھی اور دین وشریعت نے اس کے متعلق جو ہم کو تعلیم دی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وصحابیات ہمارے لئے جو نمونہ چھوڑ کر گئے تھے۔ افسوس کہ ہم ان سب کو بھول گئے، شادی کے موقعہ پر کسی کو خیال نہیں آتا کہ اسلامی طریقہ کے مطابق شادی کرنے کا کیا طریقہ ہے، اور اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور العمل کیا رہا ہے۔ دین وشریعت کی جب تکمیل ہو چکی اور جس دین میں صرف عبادات نہیں بلکہ معاملات ومعاشرت بیاہ شادی سے متعلق بھی رہنمائی موجود ہے۔ ایک مسلمان دیندار کیوں کر ان کو نظر انداز کرسکتا ہے، کیوں کہ دین صرف نماز پڑھنے روزہ رکھنے کا نام نہیں ہے، بلکہ بیاہ شادی بھی عبادت اور دینی امر ہے۔ اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی تقلید لازمی ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

آج اسی اسوۂ حسنہ کو ترک کرنے کی بناء پر ساری دنیا پریشان ہے اور خودساختہ

طریقے رسوم ورواج کو دین وشریعت کی جگہ دیدی گئی ہے جس کی وجہ سے دین تو ہمارا برباد ہوا ہی تھا دنیا بھی برباد ہوگئی اور پریشانی علیحدہ رہی۔

بیاہ شادی سے متعلق علماء نے مختلف کتابیں لکھی ہیں۔ اس مجموعہ ''اسلامی شادی'' میں بیاہ شادی سے متعلق ہر ہر گوشہ پر عقل ونقل کی روشنی میں تفصیل کی گئی ہے۔ بیاہ شادی کے فوائد، اسلامی احکام حسب ونسب اور لڑکی یا لڑکے کا انتخاب اور اس کا معیار، بارات، جہیز، مہر، رسوم ورواج، ولیمہ وغیرہ تقریبا ہر ہر موضوع پر آپ کو تفصیلی کلام اس مجموعہ میں ملے گا۔ اور یہ مجموعہ دراصل حضرت تھانویؒ کے جملہ ملفوظات و مواعظ اور تصنیفات وتالیفات کا منتخب مجموعہ ہے جس کو احقر نے بڑی کوشش کے ساتھ ترتیب دیا ہے، خدا کی ذات سے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ مجموعہ اس موضوع سے متعلق انتہائی جامع اور مفید ثابت ہوگا اور جو شخص بھی اس دستور العمل کے مطابق بیاہ شادی کرے گا، انشاء اللہ دنیا میں بھی چین وسکون سے زندگی بسر کرے گا اور آخرت میں ثواب حاصل کریگا۔

غیر مسلم حضرات بھی اگر اس سے استفادہ کریں تو وہ بھی دنیا میں سکون حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کتاب کو گھر گھر اور ہر فرد تک پہونچایا جائے، اور چونکہ عموما لوگ اردو کم جانتے ہیں اس لئے اگر دوسری زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہوجائے تو انشاء اللہ بہت مفید ہوگا، اللہ پاک اس مجموعہ کو قبول فرمائے اور امت کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنائے۔

محمد زید مظاہری ندوی

۱۴۱۲ھ

پیش لفظ طبع جدید

''اسلامی شادی'' آج سے تقریباً اکیس سال قبل شائع ہوئی تھی اس کے بعد سے برابر ہندو پاک میں اس کے دسیوں ایڈیشن شائع ہوئے۔

الحمد للہ امید سے زائد عوام وخواص میں اس کی مقبولیت ہوئی، بعض دوسرے ملکوں میں بھی فارسی وغیرہ میں اس کے ترجمے شائع ہوئے، اور ہاتھوں ہاتھ کئی ایڈیشن نکل گئے۔

احقر نے اس میں تقریباً سواسو صفحات کا بعد میں اضافہ بھی کیا تھا، پاکستان کے بعض ناشرین نے اپنے طور پر اس کی جدید کتابت وکمپوز کرا کر اس کو شائع کیا جس کا عکس لے کر انڈیا کے ناشرین نے بھی شائع کیا، لیکن اس بات سے بہت رنج ہوا کہ ان ناشرین نے تصحیح کتابت کا قطعاً اہتمام نہیں کیا، اور اضافہ شدہ ایڈیشن کے بجائے پہلا ہی ایڈیشن شائع کر دیا۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

الحمد للہ اب مزید اضافے اور جدید ترتیب کے ساتھ کمپوز کرا کر شائع کرنے کی توفیق ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائے اور امت کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

محمد زید مظاہری، ندوی
استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۸ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

خُطبۂ نِکاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُه' وَنَسْتَعِيْنُه' وَنَسْتَغْفِرُه' وَنَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَه' وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَهَادِىَ لَه' وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُه' وَرَسُوْلُه' يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْااللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلاَ تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْارَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَارِجَالاً كَثِيْرًاوَّنِسَآءً ط وَاتَّقُوْا اللّٰهِ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْدًا ○ يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَمَنْ يُّطِعَ اللّٰه وَرَسُوْلَه' فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً ○

قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِىْ وَقَالَ مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِىْ فَلَيْسَ مِنِّىْ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ اَعْلَنُوْاَلنِّكَاحُ وَاجْعَلُوْاهُ فِىْ الْمَسَاجِدْ ○ (خطبات الاحکام)

اسلامی شادی

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہریؔ ندویؔ

استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب (۱) نکاح کا بیان

نکاح اور ازدواجی زندگی سے متعلق حق تعالیٰ کے ارشادات

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

(۱) وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْکُنُوْا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً۔ (سورہ روم پ:۲۱)

ترجمہ: اور حق تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے، اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔[۱]

(۲) وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّصِھْرًا۔ (سورہ فرقان پ:۱۹)

ترجمہ: اور وہ ذات (یعنی اللہ تعالیٰ) ایسا ہے جس نے پانی (یعنی نطفہ) سے آدمی کو پیدا کیا، پھر اس کو خاندان اور سسرال والا بنایا۔

(۳) وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔ (سورہ فرقان پ:۱۹، رکوع:۴)

ترجمہ: رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو یہ دعاء کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیبیوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی راحت عطا فرما، اور ہم کو متقیوں کا افسر بنادے۔

۱؎ بیان القرآن۔

فائدہ: اصل مقصود افسری مانگنا نہیں ہے، بلکہ اصل مقصود اپنے خاندان کے متقی ہونے کی درخواست ہے[۱]

(۴) فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ (سورہ نساء پ۴، رکوع:۱۲)

ترجمہ: عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کرلو، دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے۔ پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر اس (ایک) ہی بی بی پر بس کرو۔

(۵) وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (سورہ نساء پ:۴)

ترجمہ: اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کیا کرو (یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، اچھا برتاؤ رکھو) اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم اسی شیٔ کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔

(۶) وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ، وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (سورہ نور پ:۱۸)

ترجمہ: اور تم میں (یعنی آزاد عورتوں میں) جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو، اور اسی طرح تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہوں اس کا بھی۔ اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ اگر چاہے گا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے، خوب جاننے والا ہے۔

اور ایسے لوگوں کو جن کو نکاح کا مقدور (یعنی استطاعت) نہیں ان کو چاہئے کہ اپنے نفس کو ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے[۲]

[۱] و [۲] بیان القرآن۔

نکاح کی اہمیت سے متعلق چند احادیث

(۱) ابونجیح سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص نکاح کرنے کی وسعت رکھتا ہو پھر نکاح نہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں [1]

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ نکاح کر لیتا ہے تو آدھا دین کامل کر لیتا ہے اب اس کو چاہئے کہ نصف دین میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے [2]

(۳) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے جوانوں کی جماعت! تم میں جو شخص خانہ داری (نان ونفقہ) کا بار اٹھانے کی قدرت رکھتا ہو اس کو نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ نکاح کو نگاہ کے پست ہونے اور شرمگاہ کے محفوظ رہنے میں خاص دخل ہے۔ اور جو شخص قدرت نہ رکھتا ہو اس کو روزہ رکھنا اختیار کرنا چاہئے کیونکہ وہ روزہ اس کے لئے گویا رگیں مل دینا ہے [3]

نکاح کے دنیوی واخروی فوائد

(۴) ابن ابی نجیح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محتاج ہے، محتاج ہے وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو، لوگوں نے عرض کیا اگر چہ وہ بہت مال والا ہو تب بھی وہ محتاج ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگر چہ بہت مال والا ہو پھر فرمایا: محتاج ہے محتاج ہے وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو لوگوں نے عرض کیا اگر چہ بہت مالدار ہو تب بھی وہ محتاج ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر چہ بہت مال مالی ہو [4]

کیونکہ مال کا جو مقصود ہے یعنی راحت اور بے فکری نہ اس مرد کو نصیب ہوتی ہے جس کی بیوی نہ ہو اور نہ اس عورت کو نصیب ہوتی ہے جس کے خاوند نہ ہو۔ چنانچہ دیکھا

[1و2] الترغیب والترہیب۔ [3] مشکوٰۃ، امداد الفتاویٰ ج:۲، ص:۲۵۸۔ [4] رزین۔

بھی جاتا ہے اور نکاح میں بڑے بڑے فائدے ہیں، دین کے بھی اور دنیا کے بھی [1]

نکاح اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

نکاح بھی اللہ تعالی کی بڑی نعمت ہے دنیا اور دین دونوں کے کام اس سے درست ہوجاتے ہیں اور اس میں بہت سے فائدے اور بے انتہا مصلحتیں ہیں، آدمی گناہ سے بچتا ہے، دل ٹھکانے ہوجاتا ہے، نیت خراب اور ڈانواں ڈول نہیں ہونے پاتی، اور بڑی بات یہ ہے کہ فائدہ اور ثواب کا ثواب، کیونکہ میاں بیوی کا پاس بیٹھ کر محبت پیار کی باتیں کرنا، ہنسی دل لگی میں بہلانا نفل نمازوں سے بھی بہتر ہے [2]

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں سے نکاح کرو، وہ تمہارے لئے مال لائیں گی [3]

فائدہ: مال لانے کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں سمجھدار اور ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں، سو ایسی حالت میں مرد تو یہ سمجھ کر کہ میرے ذمہ خرچ بڑھ گیا ہے کمانے میں زیادہ کوشش کرے گا، اور عورت ایسا انتظام کرے گی جو مرد نہیں کرسکتا، اور اس حالت میں راحت اور بے فکری لازم ہے اور مال کا فائدہ یہی (بے فکری اور راحت) ہوتا ہے۔ یہ مطلب ہوا مال لانے کا۔

(۶) حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسی عورت سے نکاح کرو جو بچہ جننے والی ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت (زیادتی) سے اور (دوسری) امتوں پر فخر کروں گا کہ میری امت اتنی زیادہ ہے [4]

---

[1] حیوٰۃ المسلمین ص: ۱۸۷۔ [2] بہشتی زیور: حصہ ۴۔ [3] بزار۔ [4] ابوداؤد، نسائی حیوٰۃ المسلمین ص: ۱۸۹۔

نکاح نہ کرنے پر تہدید

ضرورت ووسعت کے باوجود نکاح نہ کرنے والا شیطان کا بھائی ہے

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف (نامی صحابی) سے فرمایا: اے عکاف! کیا تیری بیوی ہے؟ انہوں نے عرض کیا، نہیں۔ آپ نے فرمایا: اور تو مال والا اور وسعت والا ہے؟ عرض کیا، ہاں! میں مال اور وسعت والا ہوں، آپ نے فرمایا: تو اس حالت میں تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے۔ اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو ان کا راہب ہوتا۔

بلاشبہ نکاح کرنا ہمارا طریقہ ہے تم میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو بے نکاح ہیں اور مرنے والوں میں سب سے بدتر وہ ہیں جو بے نکاح ہیں کیا تم شیطان سے لگاؤ رکھتے ہو؟ شیطان کے پاس عورتوں سے زیادہ کوئی ہتھیار نہیں۔ جو صالحین (دینداروں) میں کارگر ہو (یعنی شیطان عورتوں کے ذریعہ فتنہ میں مبتلا کرتا ہے) مگر جو لوگ نکاح کئے ہوئے ہیں یہ لوگ بالکل مطہر (پاکیزہ) اور فحش سے بری ہیں، اور فرمایا: اے عکاف! تیرا برا ہو، نکاح کر لے ورنہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگا[1]

نکاح ایک عبادت اور دینی امر ہے

جس کام کا شریعت میں تاکیدی یعنی وجوبی یا ترغیبی یعنی استحبابی حکم کیا گیا ہو اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو وہ دین کا کام ہے۔ اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ دنیا کا کام ہے اس معیار پر منطبق کر کے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ دین کا کام ہے کیونکہ

[1] رواہ احمد جمع الفوائد، امداد الفتاویٰ ج:۲، ص:۲۵۹

شریعت میں بعض حالات میں اس کا تاکیدی اور بعض میں ترغیبی حکم ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ بھی ہے۔ اور اس کے ترک کی مذمت اور شناعت بھی فرمائی گئی ہے۔

یہ صاف دلیل ہے اس کے دین ہونے کی اسی لئے فقہاء نے جو نکاح کے اقسام اور ان کے احکام لکھے ہیں ان میں کوئی درجہ مباح کا نہیں، ہاں عارض کے سبب مکروہ تو ہو جاتا ہے مگر فی نفسہ طاعت ہی ہے اور فقہاء نے اس کو اس درجہ طاعت فرمایا ہے کہ اس کو اشتغال بالتعلم والتعلیم والتخلی للنوافل (یعنی نفل عبادت وغیرہ) سے افضل کہا ہے کذا فی الشامی۔[1]

دفع دخل مقدر

نکاح ایک معاملہ ہے لیکن اس کی وجہ سے دنیوی امر نہ ہوگا

روزہ جس کا جزء دین ہونا بلا اختلاف مسلم ہے لیکن بعض حالات میں اس میں وصف عقوبت (سزا) کا بھی آجاتا ہے جیسے اصولیین نے صوم کفارہ (کفارہ کے روزہ کے بارے) میں اس کی تصریح کی ہے مگر اس کے باوجود اس کو کوئی امر دنیوی نہیں کہتا اسی طرح اگر نکاح میں دوسرا وصف معاملہ ہونے کا بھی ہو تو اس سے اس کا امر دنیوی ہونا کیسے ثابت ہو گیا۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ کے مقابلہ میں عقوبت (سزا) کو عبادت سے زیادہ بُعد (دوری) ہے تو جب عبادت کے ساتھ عقوبت مل کر بھی اس عبادت کو امر دنیوی نہ بنا سکا۔ تو عبادت کے ساتھ معاملہ کا وصف اس عبادت کو امر دنیوی کیسے بنا سکتا ہے؟[2]

نکاح کے مقاصد وفوائد

خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں: ''خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا

[1] امداد الفتاویٰ ص:۲۷۰، ج:۲۔ [2] امداد الفتاویٰ ج:۲، ص:۲۶۸۔

لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً" (ترجمہ) یعنی خداتعالی نے تمہارے لئے تم میں سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان سے آرام پکڑو اور تم میں دوستی ونرمی رکھ دی۔

اورفرمایا: نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ یعنی تمہاری عورتیں تمہاری اولاد پیدا کرنے کے لئے بمنزلہ کھیتی کے ہیں۔

(۱) بیوی آرام وسکون کے لئے بنائی گئی ہے، غمگسار اور ہزاروں افکار میں آرام کا ذریعہ ہے انسان میں طبعی طور پر دوستی اور محبت کرنا فطری امر ہے اور دوستی اور محبت کے لئے بیوی عجیب غریب چیز ہے۔

عورت ضعیف الخلقۃ (پیدائشی کمزور) اور بچوں کو جننے اور گھر کا انتظام رکھنے میں ذمہ دار اور ایک عظیم الشان بازو ہے۔ پس اس کے متعلق رحم سے کام لو۔ عورت ننگ وناموس اور مال واولاد کی محافظ اور مہتمم ہے، تمہاری عدم موجودگی میں تمہارے مال وعزت ودین کی حفاظت کرنے والی ہے۔

(۲) آدمیوں میں قدرتی طور پر شہوت کا مادہ ہے قدرت نے اس کا محل بیوی کو بنایا ہے، خداتعالی فرماتا ہے کہ عورت کھیتی ہے اور بیج بونے کے قابل ہے جس طرح کھیت کا علاج معالجہ ضروری ہوا کرتا ہے اور اس میں خاص غرض ہوا کرتی ہے اسی طرح عورت میں بھی خاص خاص اغراض ہیں جن سے متمتع ہونا چاہئے (یعنی فائدہ اٹھانا چاہئے)۔

(۳) جوخواہش مرد کے دل میں عورت کی طرف یا عورت کے دل میں مرد کی طرف سے ہے وہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور اس خواہش کو نکاح کے ذریعہ سے پورا کرنا انسان کے دل میں سچی محبت اور پاکیزگی کے خیالات کو پیدا کرتا ہے اور اس کا ناجائز تعلقات سے پورا کرنا انسان کو ناپاکی کی طرف لے جاتا ہے اور اس کے دل میں بدخیالات پیدا کردیتا ہے، پس نکاح انسان کو پاکیزگی کی طرف لے جانے اور اسے ناپاکی سے دور رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ (المصالح العقلیہ ص:۱۹۲)

نکاح کس نیت سے کرنا چاہئے

(۴) قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی عفت و پرہیز گاری اور صحت ونسل کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے......الغرض نکاح کا بڑا مقصد وہی ہے جس کو اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے کہ پرہیز گاری ہی کی غرض سے نکاح کرو۔ اور اولاد صالح طلب کرنے کے لئے دعاء کرو۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ''مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ ''یعنی چاہیے کہ تمہارا نکاح اس نیت سے ہو کہ تم تقوی اور پرہیز گاری کے قلعہ میں ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ حیوانات کی طرح محض نطفہ نکالنا (خواہش پورا کرنا ہی) تمہارا مقصد ہو۔

(۵) اور فرمایا: ''اِبْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ''یعنی بیوی کی قربت سے اولاد کا قصد کرو جس کو اللہ تعالی نے تمہارے لئے مقدر فرمایا ہے۔

(۶) نیز نکاح کرنے سے انسان پابند ہو جاتا ہے، مستعدی کے ساتھ کمانے کی فکر کرتا ہے۔ اور بیجا کام کرنے سے ڈرتا رہتا ہے، اس میں محبت، حیا اور فرماں برداری پائی جاتی ہے، وہ نہایت کفایت کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اور بے شمار امراض سے بچا رہتا ہے۔

(۷) یہ امر مفیدِ صحت، اطمینان بخش، راحت رساں، سرور افزا، کفایت آمیز اور دونوں جہاں میں ترقئ زندگی کا سبب ہے۔

(۸) تمدن کے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں، حب الوطن کی یہی جڑ ہے اور ملک وقوم کے لئے اعلی ترین خدمات میں سے ہے، بیماریوں سے بچانے اور صدہا امراض سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ ایک حکیمی نسخہ ہے، اگر یہ قانون الٰہی بنی آدم میں نافذ نہ ہوتا تو آج دنیا سنسان ہوتی نہ کوئی مکان نہ کوئی باغ نہ کسی قوم کا نشان باقی رہتا[1]

---

[1] المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ ص: ۱۹۴۔

نکاح کی مصلحت

نفس میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں اگر ان کے پورا ہونے کے لئے ایک محل بھی تجویز نہ کیا جائے تو پھر انسان تقاضے کو ہر جگہ پورا کرے گا اور اس طرح اس کی بے حیائی کا عیب نمایاں ہو جائے گا اسی لئے شریعت نے نکاح تجویز کیا ہے۔ جس میں نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک محل کی تعیین کی ہے اور اس تجویز میں شریعت کا عقل سے زیادہ خیر خواہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر عقل سے استفتاء کیا جائے تو عقل نکاح کو تجویز نہیں کر سکتی کیونکہ ایک اجنبی مرد کے سامنے ایک اجنبی عورت کا اس طرح بے حجاب ہونا عقل کے نزدیک بالکل قبیح ہے مگر عقل کی اس تجویز پر اگر عمل کیا جاتا تو زیادہ فتنہ برپا ہوتا کہ ابھی تو ایک ہی اجنبی مرد و عورت بے حجاب ہو رہے تھے پھر نہ معلوم کتنے مرد اجنبی عورتوں کے ساتھ بے حجاب ہوتے اور کتنی عورتیں اجنبی مردوں کے سامنے بے حجاب ہوتیں کیونکہ آخر مرد و عورت ایک دوسرے سے کہاں تک صبر کرتے۔ ان عواقب (انجام) پر نظر کر کے شریعت سماویہ نے نکاح کو تجویز کیا تاکہ اس تقاضے کے پورا ہونے کا محل محدود و متعین ہو کر فتنہ نہ بڑھے۔ اور یہی علامت ہے اس مذہب کے سماوی (آسمانی) ہونے کی کہ اس کی نگاہ عواقب پر (انجام کو) محیط ہوتی ہے اور جو قوانین محض عقل سے بنائے جاتے ہیں ان کی نظر عواقب پر محیط نہیں ہوتی۔[1]

عقل تو مطلقا حیا کو مطلوب سمجھتی ہے اور نکاح کو خلاف حیا بتلاتی ہے مگر شارع نے نکاح کا قانون حیا ہی کی حفاظت کے لئے مقرر کیا ہے کیونکہ اگر ایک جگہ بھی حیا کو ترک نہ کیا جائے گا تو پھر انسان پورا بے حیا ہو جائے گا۔[2]

---

۱ حقوق الزوجین ص:۱۵۴، رفع الالتباس۔ ۲ حقوق الزوجین ص:۱۵۶۔

اسلامی حکم

حدیث میں بیان کیا گیا ہے ’’مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَاءَ ةَ فَلْیَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ ‘‘(مشکوٰۃ شریف) یعنی جس کو اسباب نکاح میسر ہوں اسے شادی کر لینا چاہئے، کیونکہ نکاح نگاہ کو بہت نیچا کر دیتا ہے اور عفت کو بہت محفوظ کر دیتا ہے یعنی اس سے بصر (نگاہ) وعفت آسانی سے محفوظ ہو جاتی ہے۔

عادت غالبہ یہی ہے کہ نکاح سے طبیعت سلیمہ کو عفت (پاکدامنی) بآسانی حاصل ہو جاتی ہے، باقی جو خبیث الطبع ہو جسے ایک نکاح یا دو نکاح یا چار نکاحوں سے بھی عفت حاصل نہ ہو بلکہ متعہ یا زنا وغیرہ سے پھر بھی گوہ کھاتا پھرے اس کا یہاں ذکر نہیں کیونکہ یہاں آدمیوں کا ذکر ہے جانوروں اور بندروں کا ذکر نہیں [1]

نکاح کی غرض وغایت

’’وَمِنْ اٰیَاتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْکُنُوْا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً‘‘ (اور اسی کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ امر ہے کہ اس نے تمہارے فائدہ کے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں اور وہ فائدہ یہ ہے کہ تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی [2]

حاصل یہ کہ عورتیں اس واسطے بنائی گئی ہیں کہ ان سے تمہارے قلب کو سکون ہو، قرار ہو، جی بہلے، تو عورتیں جی بہلانے کے واسطے ہیں، میں کہا کرتا ہوں کہ مودۃ یعنی محبت کا زمانہ تو جوانی کا ہے اس وقت جانبین میں جوش ہوتا ہے اور ہمدردی کا زمانہ ضعیفی کا ہے دونوں کا اور دیکھا بھی گیا ہے کہ ضعیفی کی حالت میں سوائے بیوی کے کوئی دوسرا کام نہیں آ سکتا [3]

[1] ایضاً ص:۱۵۷۔ [2] بیان القرآن۔ [3] (نصرۃ النساء، حقوق الزوجین ص:۵۵۱۔

نکاح کی فاسد غرض

بیوقوفوں کو یہ خبر نہیں کہ نکاح کا مقصد آیا کھانا پینا ہے یا مصالح زوجیت؟ اگر کھانا پینا مقصد ہوتا تو چاہئے تھا کہ جو لوگ کھانے پینے کی وسعت رکھتے ہیں یا خود وہ عورت مالدار ہے تو ایسی عورت کا نکاح ہی نہ کیا جاتا حالانکہ مشاہدہ ہے کہ بادشاہوں کی بیٹیاں تک اس سے مستغنی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح سے مقصود دوسرے ہی مصالح ہیں[۱]

نکاح کی سب سے بڑی غرض

توالد (یعنی اولاد پیدا کرنا) غرضِ اعظم ہے نکاح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تَزَوَّجُوْا الوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ'' یعنی ایسی عورت سے نکاح کرو جو زیادہ بچے جننے والی ہو اور زیادہ محبت کرنے والی ہو کیونکہ قیامت کے دن میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا[۲]

نکاح کے عقلی وعرفی فوائد، نکاح عزت کا ذریعہ ہے

جس طرح لباس زینت ہے اسی طرح شوہر بیوی کی زینت ہے اور بیوی اپنے مرد کی زینت ہے عورت سے تو مرد کی زینت یہ ہے کہ بیوی بچوں والا آدمی لوگوں کی نظر میں معزز ہوتا ہے اگر کسی سے قرض مانگے تو اس کو قرض بھی مل جاتا ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اس کی اکیلی جان نہیں ہے بلکہ آگے پیچھے اور بھی آدمی ہیں یہ کہاں جا سکتا ہے اور اکیلے آدمی کو ادھار قرض نہیں ملتا اس کی عزت دنیا والوں کی نظر میں کم ہوتی ہے۔

دوسرے لوگ بیوی والے کو سانڈ نہیں سمجھتے اپنی بیوی بچوں پر اس کی نفسانی

[۱] اصلاح انقلاب ج:۲،ص:۲۴ [۲] ایضاً ج:۲،ص:۳۷۔

خواہش کا خوف نہیں کرتے اور بے نکاح آدمی کو مثل سانڈ کے سمجھتے ہیں اس کی طرف سے ہر شخص کو اپنی بیوی بچیوں پر خطرہ ہوتا ہے۔

اور مرد سے عورت کی عزت یہ ہے کہ لوگ اس کے اوپر کسی قسم کا شبہ نہیں کرتے میاں چاہے پاس رہے یا پردیس میں رہے جتنے بال بچے ہوں گے سب اسی کے نامۂ اعمال میں درج ہوتے رہیں گے، اور نکاح سے پہلے عورت کی عزت و آبرو ہر وقت خطرہ میں رہتی ہے [1]

بے نکاح رہنے کے نقصانات

جب نکاح بمنزلہ لباس کے ہے تو بے نکاح رہنا عریانی ہے پس اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عورت مرد کے لئے بے نکاح رہنا عیب کی بات ہے جب کہ استطاعت ہو [2]

جب حالت نکاح کی ضرورت کی ہے تو ترک نکاح بہت سے فتنوں کا سبب ہو جائے گا چنانچہ وساوس وخطرات کا ہجوم ہوگا جو عبادات میں حلاوت وطمانینت (لذت اور اطمینان) کو بالکل ہی برباد کردیگا۔ اور بعض لوگوں سے ان وساوس وخطرات سے متأثر ہوکر ان کے مقتضاء پر عمل بھی سرزد ہوجاتا ہے چنانچہ بعض لوگ تو عورتوں سے مبتلا ہوجاتے ہیں اور بعض لوگ اپنے ظاہری تقدس کی حفاظت کے لئے عورتوں سے بچتے ہیں کیونکہ اس میں آدمی بدنام ہوجاتا ہے نوعمر لڑکوں سے مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اور یہ اس سے بڑھ کر فتنہ (اور گناہ) ہے کیونکہ عورت کسی حالت میں تو حلت کا محل ہے بخلاف اس کے کہ قطعی حرام ہے۔

بعض لوگ اصل فعل سے بچے رہتے ہیں مگر اس کے مقدمات مثل قبلہ ولمس (چوما چاٹی) وغیرہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں جس میں دوسرے بدگمان نہ ہوں حتیٰ کہ خود وہ

[1] رفع الالتباس ص:۱۶۵۔ [2] حقوق الزوجین ص:۱۶۶۔

اس کو بزرگانہ شفقت پر محمول کرے گا۔ **نعوذ باللہ من الفتن ماظھر ومابطن۔**

بعض لوگ باوجود ضرورت کے اور باوجود وسعت کے نکاح نہیں کرتے بعض تو شروع ہی سے نہیں کرتے اور بعض لوگ بیوی کے مرجانے یا طلاق دے دینے کے بعد پھر نہیں کرتے، جب ضرورت اور وسعت دونوں ہوں نکاح واجب یا فرض ہوگا۔[1]

بوڑھاپے میں ۹۰ برس کی عمر میں شادی

شاہجہاں پور میں ایک صاحب نے بڑھاپے میں نوے برس کی عمر میں شادی کی تھی لڑکوں نے اعتراض کیا لڑکیاں بہوئیں سب لوگ خلاف تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم لوگ خدمت کے لئے موجود ہیں، اس عمر میں آپ کو نکاح کی کیا ضرورت ہے خدمت کے لئے آپ کی اولاد بہت ہے۔

بڑے میاں نے کہا: تم میری مصلحت کو کیا سمجھ سکتے ہو، تم نہیں جانتے بیوی کے برابر مجھے کوئی راحت نہیں دے سکتا۔

اتفاق سے بڑے میاں بیمار ہوگئے اور بیماری بھی دستوں کی اور ان دستوں میں بے حد بدبو کہ مکان تک سڑا جاتا تھا لڑکے لڑکیوں وغیرہ میں سے کوئی پاس نہ آیا سب نفرت کرتے تھے، لڑکے، بہو بیٹیاں چھوڑ کر الگ ہوگئے اور بدبو کی وجہ سے کوئی بھی پاس نہ آتا تھا مگر بیوی اس وقت بھی خدمت گذار تھی۔ اس بیچاری بیوی نے خدمت کی اور ذرا بھی نفرت نہیں کی، باوجود اس کے کہ نئی شادی ہوکر آئی تھی اور عمر بھی تھوڑی تھی بے چاری ہر وقت سہارا لگا کر بٹھلاتی ان کو پیروں پر بٹھلا کر پاخانہ کراتی اور استنجاء کرا کے کپڑوں کو پاک وصاف کرتی، دن میں بیس پچیس دست بھی آجاتے تو وہ ہر دفعہ اس کو پاک وصاف کر کے لٹاتی تھی۔ کپڑوں کو دھوتی صاف کرتی تھی اس وقت بڑے میاں نے کہا کہ میں نے اس دن کے واسطے نکاح کیا تھا، پھر وہ بیماری سے شفاء یاب ہوئے تو لڑکوں کو بلایا اور

[1] ایضاً، ص: ۳۹-۴۰-۴۱۔

کہا: تم نے اپنی خدمت کا حال دیکھ لیا، اسی کے بھروسے پر مجھ سے کہتے تھے کہ تمہیں شادی کی کیا ضرورت ہے؟ اب تم نے ضرورت دیکھ لی؟ اگر اس وقت میری بیوی نہ ہوتی تو تم چھوڑ کر الگ ہو گئے تھے میں اکیلا پڑا سڑتا رہتا۔ حقیقت میں بیماری میں بہو بیٹیاں ہرگز وہ کام نہیں دے سکتیں جو بیوی دے سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ راحت اسی تعلق میں رکھی ہے۔ یہ تو بیوی سے دنیا کی راحت ہے[1]

ایک اور واقعہ

ایک صاحب بڑے آدمی تھے انہوں نے نکاح کیا مگر ان کو ضعف تھا کشتوں وغیرہ سے کام چل جاتا تھا ایک طبیب نے نہایت گرم کشتہ دے دیا جس سے ان کو جذام کا مرض ہو گیا تمام بدن پھوٹ نکلا کوئی پاس جانا بھی گوارہ نہ کرتا تھا مگر بیوی نے ایسی حالت میں بھی نفرت نہ کی اور کسی خدمت سے عذر نہ کیا کیا ٹھکانہ ہے اس تعلق وایثار کا کوئی دوسرا نہیں کر سکتا ایسا تعلق ہوتا ہے بیوی کو خاوند سے جس کی خاوند صاحب کو قدر بھی نہیں ہوتی[2]

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا حال

۱۰۰ برس کی عمر میں شادی

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی بیوی کے انتقال پر اخیر عمر میں پھر شادی کی تھی حالانکہ اس وقت مولانا کی عمر سو برس سے اوپر تھی محض اس وجہ سے کہ حضرت کو ناسور کا مرض ہو گیا تھا اس کی دیکھ بھال سوائے بیوی کے ہو نہیں سکتی تھی وہ بیچاری برابر اپنے ہاتھ سے شب و روز میں کئی مرتبہ دھوتی تھیں اور صاف کرتی تھیں

[1] التبلیغ، ج:۱۴، ص:۱۴۶۔ [2] حقوق الزوجین، ص:۱۶۱، ۵۵۲، الافاضات الیومیہ، ص:۲۰۶۔

نہایت خوشی کے ساتھ کوئی گرانی یا نفرت ان کو نہ ہوتی تھی دنیا میں کوئی اس تعلق کی نظیر نہیں پیش کرسکتا۔[1]

حضرت حاجی صاحبؒ کا حال

بڑھاپے میں دوسری شادی

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آخر عمر میں نکاح کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت پیرانی صاحبہ نابینا ہوگئی تھیں۔ حضرت نے محض خدمت کی غرض سے نکاح کیا تھا یہ بی بی حضرت کی بھی خدمت کرتیں اور پیرانی صاحبہ کی بھی۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ عورت محض شہوت ہی کے لئے تھوڑا ہی ہوتی ہے اور بھی مصالح اور حکمتیں ہیں۔[2]

نکاح نہ کرنے پر وعید

حدیث میں ہے: ''مَنْ تَبَتَّلَ فَلَيْسَ مِنَّا''۔ یعنی جو شخص باوجود تقاضائے نفس وقدرت کے نکاح نہ کرے وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے کیونکہ یہ طریقہ نصاریٰ کا ہے کہ وہ نفس نکاح کو وصول الی اللہ سے مانع سمجھ کر اس کے ترک کو (یعنی نکاح نہ کرنے کو) عبادت سمجھتے ہیں۔[3]

بعض لوگ تو نکاح نہ کرنے کو عبادت وقربت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اعتقاد رہبانیت اور دین میں بدعت ہے، اصل عمل جس کا شریعت نے حکم دیا ہے نکاح ہی ہے تو اس کا ترک کرنا عبادت نہیں ہوسکتا۔[4]

---

[1] حقوق الزوجین، ص:۵۵۳، التبلیغ ۴/۱۴۷۔ [2] نصرۃ النساء، ص:۵۵۳۔
[3] ملفوظات اشرفیہ، ص:۳۸۵۔ [4] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۴۰۔

وعید کی وجہ

جب (انسان کی حالت نکاح کی) ضرورت کی ہو تو ترک نکاح سبب ہو جائے گا بہت سے فتنوں کا۔

(کیونکہ) تقاضے کی دو قسمیں ہیں ایک شدید تقاضا ایک مطلق تقاضا، پس مطلق تقاضا تو کسی طرح بھی زائل نہیں ہونا چاہئے، کوئی کیسا ہی مجاہدہ کرے اور کیسی ہی سرد دوا استعمال کرے (مگر پھر بھی مطلق تقاضا باقی رہتا ہے) ہم نے ایک ستر برس کے بڈھے کو دیکھا ہے جسے ایک لڑکے سے محبت تھی حالانکہ وہ خود کسی مصرف کے نہ تھے مگر اس کی طرف دیکھنے کا تقاضا تھا اور تقاضا شہوت کے ساتھ تھا جو یقیناً حرام تھا۔

غرض مجاہدہ سے یہ نہیں ہوتا کہ تقاضا بالکل زائل ہو جائے۔ بل کہ یہ تو نہ بڑھاپے سے (زائل ہوتا ہے) نہ کسی دوا سے نہ تقلیل غذا سے بس مجاہدہ کا نفع یہ ہے کہ تقاضا خفیف ہو جاتا ہے کہ پہلے مقاومت دشوار تھی اب آسان ہو گئی۔ اگر تقاضا بالکل زائل ہو جائے تو ثواب کیوں کر ہوگا ثواب تو اسی واسطے ملتا ہے کہ آدمی تقاضہ کا مقابلہ کر کے نیک کاموں پر جما رہتا ہے۔[1]

ترک نکاح کے اعذار

اگر کسی کو عذر ہو (اور اس عذر کی وجہ سے وہ نکاح نہ کر سکتا ہو تو وہ حدیث مذکور کی وعید سے) مستثنٰی ہے، عذر بدنی ہو یا مالی یا دینی دنیوی عذر تو ظاہر ہے۔

دینی عذر یہ کہ نکاح کے بعد ضعفِ ہمت کی وجہ سے دین کی حفاظت نہ کر سکے گا (یا دینی اشتغال کی وجہ سے بیوی کے حقوق ادا نہ کر سکے گا)۔[2]

(خلاصہ یہ کہ) اگر اندیشہ ہے کہ بیوی کے حق ادا نہ کر سکے گا خواہ حق نفس ہو خواہ

[1] حقوق الزوجین، ص:۱۵۸۔ [2] ملفوظات اشرفیہ، ص:۳۸۶۔

حق مال تو ایسے شخص کے لئے نکاح کرنا ممنوع ہے۔[1]

عذر نکاح سے متعلق چند احادیث

ابن مسعود وابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کی ہلاکت اس کی بیوی اور ماں باپ اور اولاد کے ہاتھوں ہوگی کہ یہ لوگ اس شخص کو (غربت اور) ناداری سے عار دلائیں گے اور ایسی باتوں کی فرمائش کریں گے جس کو یہ برداشت نہیں کر سکے گا سو یہ ایسے کاموں کا ارتکاب کرے گا جس میں اس کا دین جاتا رہے گا پھر یہ برباد ہو جائے گا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا اور عرض کیا کہ یہ میری بیٹی نکاح کرنے سے انکار کرتی ہے آپ نے اس لڑکی سے (نکاح کے بارے میں) فرمایا کہ اپنے باپ کا کہنا مان لے اس نے عرض کیا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو سچا دین دے کر بھیجا میں نکاح نہ کرونگی جب تک کہ آپ مجھے یہ نہ بتلا دیں کہ خاوند کا بیوی کے ذمہ کیا حق ہے آپ نے (حقوق کا) ذکر فرمایا اس نے عرض کیا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو سچا دین دے کر بھیجا، میں کبھی نہ کروں گی۔ آپ نے فرمایا: عورتوں کا نکاح (جب شرعاً وہ بااختیار ہوں) ان کی اجازت کے بغیر مت کرو۔ پہلی حدیث میں مردوں کے عذر کا ذکر ہے اور وہ عذر ظاہر ہے (یعنی جب دین کے ضرر کا قوی اندیشہ ہو)۔

اور دوسری حدیث میں عورتوں کے لئے عذر ہے، اس کا عذر یہ تھا کہ اس کو امید نہ تھی کہ خاوند کا حق ادا کرسکوں گی (اس لئے) آپ نے اس کو مجبور نہیں فرمایا (اسی طرح) جب (کسی بیوہ) عورت کو یہ اندیشہ ہو کہ دوسرا نکاح کرنے سے اس کے بچے برباد ہو جائیں گے تو (ایک) حدیث میں یہ بھی عذر ہے۔[2]

---

[1] اصلاح انقلاب، ص: ۴۰۔ [2] حیوٰۃ المسلمین، ص: ۱۹۲۔

فصل

نکاح کرنے کا فقہی حکم

واجب نکاح: جب ضرورت یعنی نفس میں تقاضہ ہو اور وسعت بھی ہو گو اس قدر ہو کہ روز کے روز کماؤں گا اور کھلاؤں گا تو نکاح کرنا اس صورت میں واجب ہے اور اس کے ترک سے گنہ گار ہوگا۔

فرض نکاح : اور اگر وسعت کے ساتھ بہت زیادہ تقاضا ہے کہ بغیر نکاح کئے ہوئے حرام فعل میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے تو نکاح کرنا فرض ہوگا۔ **ومن الفعل الحرام النظر المحرم والاستمناء بالکف** (ترجمہ) حرام فعل میں حرام نظر اور جلق بازی مشت زنی (یعنی اپنے ہاتھ کے ذریعہ مادہ کو خارج کر کے خواہش کو پوری کرنا یہ) بھی شامل ہے۔

مسنون نکاح :اور اگر ضرورت کا درجہ نہیں لیکن زوجہ کے حق کی ادائیگی کی قدرت ہے تب نکاح کرنا سنت ہے۔

ممنوع صورت :البتہ اگر اندیشہ ہے کہ بیوی کے حق ادا نہ کر سکے گا خواہ حق نفس ہو، خواہ حق مال۔ تو ایسے شخص کے لئے نکاح کر لینا یقیناً ممنوع ہے۔

مختلف فیہ صورت:اور اگر ضرورت ہو اور وسعت نہ ہو تو اس میں اقوال مختلف ہیں احقر وجوب کے قول کو راجح سمجھتا ہے اور وسعت کا تدارک، محنت مزدوری یا قرض سے کرلے جس کی ادائیگی کی پکی نیت رکھے اور ادا کی کوشش بھی کرے اور اگر اس پر بھی ادا نہ ہو سکا تو امید ہے کہ حق تعالیٰ اس کے قرض خواہ کو راضی فرما دیں

گے کیونکہ اس نے دین کی حفاظت کے لئے نکاح کیا تھا اس میں مقروض ہو گیا تھا مگر فضولیات کے لئے یہ قرض جائز نہیں، بلکہ صرف نان ونفقہ کے لئے یا مہر کے لئے جہاں مہر فوراً لیا جاتا ہے۔[1]

جس کو نکاح کرنے کی حیثیت نہ ہو وہ کیا کرے

ایک شخص میرے پاس آیا اس پر خواہش نفسانی کا غلبہ تھا مگر غریب نادار تھا اتنی قدرت نہ تھی کہ وہ نکاح کر سکے۔ اس نے آ کر مجھ سے اپنی حالت بیان کی اور علاج کا طالب ہوا ابھی میں اس کو جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ میرے بولنے سے قبل اس کی گفتگو سنتے ہی آپ (غیر مقلد صاحب) بولے کہ روزے رکھا کرو کیونکہ حدیث میں آیا ہے ''وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ'' یعنی جو شخص نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو اس کو روزے رکھنا چاہئے اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے روزے بھی رکھے تھے مگر اس سے بھی میری خواہش کم نہیں ہوئی اس کا یہ جواب سن کر ان (غیر مقلد) صاحب کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

میں نے ان صاحب کو سنا کر اس شخص سے دریافت کیا کہ تم نے کتنے روزے رکھے تھے۔ اس نے کہا دو روزے رکھے میں نے کہا: یہی وجہ ہے کہ تم کو کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ تم کو کثرت سے روزے رکھنے چاہئے تھے اور یہ شرط خود اس حدیث پاک سے ثابت ہے اور وہ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ'' لفظ ''عَلٰی'' لزوم کے لئے آتا ہے اور لزوم کی دو قسمیں ہیں ایک لزوم اعتقادی، دوسرے عملی مگر دلائل سے یہاں لزوم اعتقادی تو مراد ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ صوم (روزہ رکھنا) فرض نہیں محض علاج ہے، پس لزوم عملی مراد ہوگا اور لزوم عملی ہوتا ہے تکرار و کثرت سے چنانچہ جب کوئی شخص کسی کام کو بار بار اور کثرت سے کرتا ہو تو سمجھا جاتا

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۳۹، ۴۰۔

ہے کہ یہ کام اس نے اپنے اوپر عملی طور پر لازم کرلیا ہے پس مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ کثرت سے روزے رکھو۔

اور مشاہدہ ہے کہ قوت بہیمیہ (شہوانی قوت) کے انکسار (توڑنے) کے لئے جو کہ علاج کا حاصل ہے تھوڑے روزے کافی نہیں بلکہ کثرت صوم پر یہ اثر مرتب ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شروع رمضان میں ضعف نہیں ہوتا اور آخر رمضان میں ضعف ہوجاتا ہے۔

اور یہ تجربہ ہے کہ شروع رمضان میں تو قوت بہیمیہ شکستہ نہیں ہوتی بلکہ رطوبات فضلیہ کے سوخت ہوجانے کی وجہ سے اس قوت میں اور انتعاش (جوش) ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ ضعف بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں پورا ضعف ہوجاتا ہے جس سے قوت بہیمیہ شکست ہوجاتی ہے کیونکہ اس وقت روزہ کی کثرت متحقق ہوجاتی ہے۔

وہ سائل تو چلا گیا مگر مجتہد صاحب پھر کچھ نہیں بولے، میرے پاس ان کا خط آیا تھا کہ میں تمہارا امتحان لینے آتا ہوں ان ہی غریب کا امتحان ہوگیا۔[1]

لڑکے اور لڑکی کی شادی کرنا باپ کے ذمہ واجب ہے یا نہیں؟ تاخیر کرنے سے کتنا گناہ ہوگا

سوال: لڑکیوں کی شادی کرنے کا کوئی تاکیدی حکم خاص طور سے ہے یا نہیں؟ اور تاخیر کی صورت میں کوئی گناہ لازم آتا ہے یا نہیں؟ اگر لازم آتا ہے تو کس قدر؟ نص قرآنی وحدیث سے علیحدہ علیحدہ جواب دیں۔

الجواب: شادی کا تاکیدی حکم قرآن میں بھی ہے اور حدیث میں بھی عام طور سے ہے جو کہ لڑکا لڑکی دونوں کو شامل ہے اور لڑکیوں کے لئے خصوصیت سے بھی۔

"قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ" الآیہ۔

[1] الافاضات الیومیہ، ج:۱۰، ص:۲۲۱۔

یہ امر کا صیغہ ہے جس کا مدلول وجوب ہے اور ''اَیَــامـیٰ'' جمع ایم کی ہے شراح حدیث نے تشریح کی ہے الایـم مـن لازوج لھـا بـکرا کانت او ثیبا ویسمی الرجل الذی لازوجة له ایما ایضا ۔

(ترجمہ) قرآن پاک کی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ تم لوگ ایامی کا نکاح کردیا کرو اور ایامی ایم کی جمع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی لڑکی جس کا شوہر نہ ہو خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ یعنی کنواری ہو یا بیاہی اسی طرح ایم اس مرد کو بھی کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو۔

اب رہ گئی حدیث تو مشکوۃ شریف باب تعجیل الصلوۃ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

''اِنَّ النَّبِیَّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَلِیُّ! ثَلاثٌ لَاتُوَخِّرْھَا الصَّلٰوۃُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَۃُ اِذَا حَضَرَتْ وَالاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَھَا کُفُوًا'' [۱]

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علیؓ! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو، ایک تو نماز جب اس کا وقت آجائے، دوسرے جنازہ میں جب وہ تیار ہو جائے، تیسرے بے نکاح لڑکے اور لڑکی کی شادی میں جب کہ جوڑ مل جائے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْد رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ''مَنْ وُلِدَ لَہُ وَلَدًا فَلْیُحْسِنِ اسْمَہُ وَاَدَّبَہُ، فَاِذَا بَلَغَ فَلْیُزَوِّجْہُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ یُزَوِّجْہُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُہُ عَلٰی اَبِیْہِ'' [۲]

(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے ہاں اولاد (لڑکا یا لڑکی) پیدا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے، اس کی تعلیم و تربیت کرے، جب بالغ ہو جائے تو نکاح کر دے بالغ ہونے کے بعد اگر نکاح نہیں کیا اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔

---

[۱] رواہ الترمذی۔ [۲] مشکوۃ باب الولی فی النکاح.

(۳)عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: "فِیْ التَّوْرَاۃِ مَکْتُوْبٌ مَنْ بَلَغَتِ ابْنَتُہُ اثْنَتٰی عَشَرَۃَ سَنَۃً وَلَمْ یُزَوِّجْھَا فَاَصَابَتِ اِثْمًا فَاِثْمُ ذٰلِکَ عَلَیْہِ"۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ توراۃ میں لکھا ہوا تھا کہ جس کی لڑکی بارہ سال کی ہوگئی اور اس نے نکاح نہیں کیا پھر وہ کسی گناہ میں پھنس گئی تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا۔

ان روایات سے اس حکم کا مؤکد ہونا معلوم ہوا اور مؤکد (ضروری) کا ترک کرنا موجب مؤاخذہ (عذاب کا باعث) ہوتا ہے۔

اور اخیر کی حدیثوں سے گناہ کی مقدار بھی معلوم ہوگئی کہ تاخیر کی صورت میں جس گناہ میں یہ اولاد مبتلا ہوگی خواہ نگاہ کا گناہ یا کان کا گناہ یا زبان کا یا دل کا اتنا ہی گناہ اس صاحب اولاد یعنی باپ کو ہوگا واللہ اعلم [۱]

---

[۱] امداد الفتاویٰ، ص:۵۳۴۔

باب (۲)

بیوی کے بیان میں

بیوی کے فضائل، منافع وفوائد

خدا تعالی نے یہ تعلق ہی ایسا بنایا ہے کہ بیوی سے زیادہ کوئی بھی انسان کو راحت نہیں دے سکتا بیماری میں بعض دفعہ سارے عزیز الگ ہو کر ناک منہ چڑھانے لگتے ہیں۔

خصوصاً اگر کسی کو دستوں کی بیماری ہو جائے تو کوئی قریب نہیں آتا مگر بیوی سے یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ شوہر کو اس حال میں چھوڑ دے، وہ بیماری میں سب سے زیادہ راحت پہونچاتی ہے۔[1]

بیوی سب سے گہری دوست ہے

بیوی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوست نہیں ہو سکتا تجربہ ہے کہ زمانۂ افلاس ومصیبت میں سب احباب الگ ہو جاتے ہیں اور ماں باپ تک انسان کو چھوڑ بیٹھتے ہیں مگر بیوی ہر حال میں مرد کا ساتھ دیتی ہے۔ اسی طرح بیماری میں جیسی راحت بیوی سے پہنچتی ہے کسی دوست سے بلکہ ماں باپ سے بھی نہیں پہنچتی اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیوی کے برابر دنیا میں مرد کا کوئی دوست نہیں۔

---

[1] التبلیغ، ج:۱۴، ص:۱۴۶۔ [2] حقوق البیت، ص:۲۲۔

عورتوں کی اہمیت اور ان کی خدمت کی قدر

فرمایا کہ عورتوں کی خدمت کا میرے اوپر خاص اثر ہوتا ہے لونڈیوں کی طرح خدمت کرتی ہیں۔ ہر وقت کام کرتی پھرتی ہیں اگر یہ اپنی شان جاننے کے بعد خدمت کرتیں تو بڑی دور پہنچتیں۔

ان کی خدمت پر میں کہا کرتا ہوں کہ ان کو اپنا محتاج الیہ ہونا (یعنی یہ کہ مرد عورتوں کے محتاج ہیں) معلوم نہیں ورنہ مردوں کو حقیقت نظر آجاتی۔

حدیث میں جو آیا ہے: ''حُبِّبَ اِلَیَّ ثَلٰثٌ اَلنِّسَآءُ وَالطِّیبُ وَالسِّوَاکِ'' الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو تین چیزیں محبوب ہیں عورت، خوشبو، مسواک۔

ان کے حرکات وسکنات و ملکات قابل توجہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو پسند کیا جس کی وجہ شہوت نہیں ہے۔[1]

بیوی بڑی محسن ہے

عورتوں کا ایک حق تو اس واسطے ہے کہ وہ بے کس بے بس ہیں۔ دوسرے اس واسطے بھی حق ہے کہ وہ تمہاری دوست ہیں اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ دوستی کی وجہ سے حق بڑھ جاتا ہے، پھر وہ تمہارے دین کی بھی محافظ ہیں۔

غرض بیوی اس لحاظ سے بھی قابل قدر ہے کہ اس سے دین کی حفاظت اور خیالات فاسدہ کی روک ہوتی ہے اس درجہ میں وہ بڑی محسن ہے جو لوگ دیندار ہیں وہ اس احسان کی قدر کرتے ہیں۔ اس لئے بیوی کی قدر کرنا چاہئے، کیونکہ وہ دین و دنیا دونوں کی معین ہے اور اس کے حقوق کی رعایت بہت ضروری ہے کیونکہ اس میں چند در چند خصوصیات ہیں جن میں سے ہر ایک صفت کے بہت سے حقوق ہیں۔[2]

---

[1] ملفوظات جدید ملفوظات، ص:۴۸۔ [2] التبلیغ، ص:۱۴۱، ۱۴۹۔

بیوی کی قربانی اور سب سے بڑا کمال

بیوی کیسی بھی ہو، پھوہڑ ہو یا بدتمیز اس نے تمہارے واسطے اپنی ماں کو چھوڑا، اپنے باپ کو چھوڑا، سارے کنبہ کو چھوڑا۔ اب اس کی نظر صرف تمہارے ہی اوپر ہے جو کچھ ہے اس کے لئے ایک شوہر کا دم ہے۔ لہٰذا انسانیت کی بات یہی ہے کہ ایسے وفادار کو کسی قسم کی تکلیف نہ دو۔[1]

بیوی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ کے خاطر اس نے اپنے سب تعلقات کو چھوڑ دیا۔

چنانچہ اگر اس کے ماں باپ یا اور کسی عزیز کے ساتھ شوہر کی ان بن ہو جائے تو عورت عموماً شوہر کا ساتھ دیتی ہے ماں باپ کا ساتھ نہیں دیتی مگر اس پر بھی بعض مرد ان پر بہت زیادتی کرتے ہیں باوجودیکہ وہ ان پر ایسی فدا ہیں مگر بعض لوگ ان کے ساتھ جوتے ہی سے بات کرتے ہیں باندی اور غلام سے بھی بدتر رکھتے ہیں اور بعض لوگ کھانے کپڑے کی بھی خبر نہیں رکھتے۔[2]

عورت کے احسانات

میں کہتا ہوں کہ اگر بیوی کچھ بھی گھر کا کام نہ کرے صرف انتظام اور دیکھ بھال ہی کرے تو یہی اتنا بڑا کام ہے جس کی دنیا میں بڑی بڑی تنخواہیں ہیں اور منتظم (انتظام کرنے والے) کی بڑی عزت وقدر کی جاتی ہے۔ دیکھئے ویسرائے ظاہر میں کچھ کام نہیں کرتا کیونکہ اس کے تحت میں اتنا بڑا عملہ کام کرنے والا ہوتا ہے کہ اس کو خود کسی کام میں ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر اس کی جو اتنی بڑی تنخواہ اور عزت ہے محض ذمہ داری اور انتظام کی وجہ سے۔ پس بیویوں کا یہی کام اتنا بڑا ہے جس کا عوض نان ونفقہ

[1] ایضاً، ج:۷، ص:۵۷۔ [2] مجالس حکیم الامت، ص:۱۱۲، التبلیغ، ج:۱۴، ص:۱۴۰۔

نہیں ہوسکتا مگر ہم تو شریف زادیوں کو دیکھتے ہیں وہ خود بھی اپنے ہاتھ سے گھر کا بہت کام کرتی ہیں۔ خصوصا بچوں کی بڑی محنت سے پرورش کرتی ہیں یہ وہ کام ہے کہ تنخواہ دار ماما کبھی بیوی کی برابری نہیں کرسکتیں۔[1]

ایک مولوی صاحب کہتے تھے کہ عورتوں کے ذمہ کھانا پکانا واجب ہے میری رائے ہے کہ ان کے ذمہ واجب نہیں میں نے عدم وجوب پر اس آیت سے استدلال کیا ہے: ''وَمِنْ اٰیَاتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْکُنُوْا اِلَیْهَا''۔ حاصل یہ ہے کہ عورتیں اس واسطے بنائی گئی ہیں کہ ان سے تمہارے قلب کو سکون ہو، جی بہلے، تو عورتیں جی بہلانے کے واسطے ہیں نہ کہ روٹیاں پکانے کے واسطے۔[2]

بغیر بیوی کے گھر کا نظام وانتظام درست نہیں رہ سکتا

تجربہ ہے کہ بغیر بیوی کے گھر کا انتظام درست نہیں ہوسکتا۔ بس مرد کا کام تو اتنا ہے کہ یہ مادہ جمع کردیتا ہے پھر ہیئت عورتوں ہی سے بنتی ہے میں نے بعض رؤساء کو دیکھا ہے کہ مال و دولت ان کے پاس بہت کچھ تھا مگر بیوی نہ تھی تو ان کے گھر کا کچھ بھی ڈھنگ نہ تھا لاکھ باورچی رکھو نوکر رکھو وہ راحت کہاں جو بیوی سے ہوتی ہے باورچی تو تنخواہ کا ملازم ہے، ذرا ایک دن تم نے کوئی سخت بات اس سے کہہ دی اور وہ ہاتھ جھاڑ کر الگ ہوا پھر مصیبت کا سامنا ہے۔ روٹی اپنے ہاتھ سے پکاؤ چولھا جھونکو، برتن دھوؤ اور بیوی سے یہ کب ہوسکتا ہے کہ مرد کو اپنے ہاتھ سے پکانے دے۔

پھر تجربہ ہے کہ اگر بیوی کے سامنے بھی نوکروں سے کام لیا جائے اور بغیر بیوی کے بھی ان سے کام لیا جائے تو دونوں صورتوں میں آسمان و زمین کا فرق ہوگا، گھر کی مالک کے سامنے مامائیں اور نوکرانیاں زیادہ چوری نہیں کرسکتیں اور اس کے بغیر تو گھر کا پٹرہ ہو جاتا ہے۔

[1] حقوق الزوجین، ص:۱۴۹۔ [2] ایضاً، ص:۵۵۱۔

البتہ اگر کوئی مرد گھر کا کام خود بھی جانتا ہو تو اس سے تو نوکر ذرا دبتے ہیں گو عورت جیسا انتظام پھر بھی نہیں ہوتا۔[1]

میں کہتا ہوں کہ تمہارے کھانے کپڑے (نان ونفقہ) کے عوض میں بیبیاں تمہاری اس قدر خدمت کرتی ہیں کہ اتنی تنخواہ میں کوئی نوکر یا ماما ہرگز نہیں کرسکتیں جس کو شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے بغیر بیوی کے گھر کا انتظام ہو ہی نہیں سکتا چاہے تم لاکھ خادم رکھو۔ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے جن کی معقول تنخواہ تھی مگر بیوی نہ تھی نوکروں کے ہاتھوں خرچ تھا تو ان کے گھر کا خرچ اس قدر بڑھا ہوا تھا جس کی کچھ حد نہیں، نکاح ہی کے بعد گھر کا انتظام ہوا۔[2]

---

[1] التبلیغ ص:۱۴۸، ج:۱۴۔ [2] حقوق الزوجین، ص:۱۴۹۔

فصل (۲)

دنیا سے ناواقف دیہاتی عورتوں کی خوبی

فرمایا: قصبات کی عورتیں کج اخلاق کج فہم (ناسمجھ) اور بے سلیقہ ہوتی ہیں لیکن ان میں یہ کمال ہے کہ چالاک اور دغاباز نہیں ہوتیں اور عفیف (پاک دامن) نہایت درجہ کی ہوتی ہیں۔[۱]

(قرآن پاک میں) عورتوں کے فضائل میں آیا ہے ''اَلْغٰفِلٰتُ الْمُؤْمِنٰتُ'' اس سے معلوم ہوا کہ خارجیات (یعنی غیر ضروری خارجی امور) سے بے خبری عورتوں کی اصل وضع میں (فطرت) ہے۔ گویا یہاں آیت میں غفلت عن الفواحش مراد ہوسکتی ہے۔ مطلق بے خبری نہیں لیکن غفلت عن الفواحش تو مردوں میں بھی مقصود ہے لیکن اس کے باوجود عورتوں کی مدح میں اس کو لائے مردوں کے لئے یہ نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ مطلق بے خبری بھی عورتوں کے لئے زیادہ مناسب ہے، اب نالائق کہتے ہیں کہ پردہ توڑ کر بے پردہ ہوجاؤ، اور ترقی کرو عجیب گوبر دماغوں میں بھرا ہے۔[۲]

اور اگر سب ہنر ہوں لیکن حیا نہ ہو تو وہ سب کچھ ہے مگر عورت نہیں۔

اور نکاح کے مصالح (اور اس کے فوائد) کے لئے چاہئے عورت، نکاح میں مصالح نکاح کی رعایت سب سے مقدم ہے جو عورت کی بے حیائی ہوتے ہوئے سب گرد (بیکار) ہے۔[۳]

---

[۱] ملفوظات خبرت، ص: ۳۵، ج: ۳۔ [۲] الافاضات الیومیہ، ص: ۳۵، ج: ۱۔
[۳] اصلاح انقلاب، ص: ۴۷۔

واقعی ہندوستان کی عورتیں اکثر ایسی ہیں کہ ان کو اپنے کونے کے سوا دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی بس ان کی وہ شان ہے جو حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے: ''اَلْمُحْصَنَاتُ الْغَافِلاَتُ الْمُؤْمِنَاتُ''، یعنی پاک دامن ہیں اور بھولی ہیں چالاک نہیں ہیں۔

جب حق تعالیٰ عورتوں کے بھولے پن اور بے خبری کی تعریف فرماتے ہیں تو سمجھ لو اسی میں خیر ہے، اور اس خبرداری میں خیر نہیں جس کو تم تجویز کرتے ہو تجربہ خود بتلا دے گا۔

قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ عورتوں کے لئے غافل و بے خبر ہونا ہی اچھا ہے یہ صفت ہندوستان کی عورتوں میں بے نظیر ہے۔[1]

بداخلاق، بدسلیقہ، اور پھوہڑ عورتوں کی خوبی

ایک صاحب نے عرض کیا کہ بعض عورتیں پھوہڑ (بدسلیقہ) ہوتی ہیں اس وجہ سے بعض اوقات خاوند کو اس کی حرکات سے بددلی ہوجاتی ہے۔

فرمایا: عورت کا پھوہڑ ہونا تو اپنے ایک خاص اثر کے سبب ایسے کمال کی صفت ہے جو نہایت ہی محبوب اور قدر کی چیز ہے اور وہ خاص اثر عفیف ہونا ہے، پھوہڑ عورتیں اکثر عفیف ہوتی ہیں۔ بخلاف غیر عفیف عورتوں کے کہ وہ ہر وقت بناؤ سنگار اور تصنع اور ظاہری تہذیب وصفائی میں رہتی ہیں۔

اسی طرح بعض عورتیں بدمزاج بدخلق ہوتی ہیں مگر مجھ کو ایسی عورتوں کی عفت میں شبہ نہیں ہوتا۔ اور غیر عفیف بس چکنی چپڑی رہتی ہیں اور پھر ظاہری اخلاق بھی شائستہ ہوتے ہیں۔ یہ خطرناک ہوتی ہیں، اپنی چالاکیوں سے اپنی شرارتوں کو بلّی کے گوہ کی طرح چھپاتی ہیں اور مرد کو (بےوقوف اور) گرویدہ بنائے رکھتی ہیں ایسی عورتوں پر مجھے اطمینان نہیں ہوتا، اور پھوہڑ پن گو طبعاً ناگوار ہوتا ہے وہ اس لئے کہ بھنگن سی بنی ہوئی ہے نہ بات میں مزہ نہ اٹھنے بیٹھنے کی تمیز نہ کھانا پکانے کا سلیقہ نہ بچوں کی خبر گیری اور

[1] حقوق البیت، ص: ۴۴۔

خدمت مگر ایک صفت عفت کی وجہ سے اس کی تمام برائیاں اور بدتمیزیاں مبدل بکمال ہوجاتی ہیں کہ وہ عفیف ہوتی ہیں مجھ کو ایسی عورتوں پر بے حد اطمینان ہے۔ عفیف ہونے کی وجہ سے وہ بناوٹی باتوں سے مستغنی ہیں۔ اس بناء پر یہ عورت کا ایک بہت بڑا جوہر ہے اس کی قدر کرنا چاہئے۔[1]

میرا تجربہ ہے کہ جو عورتیں انتظام میں پھوہڑ (بدنظم و بدسلیقہ) ہوتی ہیں ان میں جوہرِ عفت پورا ہوتا ہے اگر کوئی شخص اس میں مبتلا ہوتو اس کو چاہئے کہ اس کی عفت و پاکدامنی کے اعلیٰ وصف کا استحضار کیا کرے تا کہ دل کی کدورت دور ہو جائے قرآن کی یہی تعلیم ہے۔

''عَسٰی اَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ فِیْھِنَّ خَیْرًا کَثِیْرًا''، یعنی کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں ہی خیر کثیر اور بڑی بھلائی عطا فرماویں۔[2]

بوڑھی بیوی کی قدر

آج کل تو بعض لوگ بوڑھی بیوی سے نفرت کرنے لگتے ہیں حالانکہ تم نے ہی تو اس کو بوڑھا کیا ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے فرمایا: پرانی بیوی اماں ہوجاتی ہے اس طرح کہ اول اول (شروع شروع) میں تو اس میں لذت ہوتی ہے مگر فوائد اخیر میں بڑھتے ہیں کہ مونس (ہمدرد وغمخوار) ہوتی ہے۔ خدمت گذار ہوتی ہے۔ عقلاء کے نزدیک زیادہ نظر کے قابل فوائد ہوتے ہیں نہ کہ لذت۔

میں کہا کرتا ہوں کہ محبت کا زمانہ تو جوانی کا ہوتا ہے اس وقت جانبین میں جوش ہوتا ہے اور ہمدردی کا زمانہ ضعیفی کا ہے دونوں کا، اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ ضعیفی کی حالت میں سوائے بیوی کے کوئی دوسرا کام نہیں آسکتا۔

---

[1] نصرۃ النساء، ص:۵۵۴۔ [2] مجالس حکیم الامت، ص:۱۱۱۔

مولانا محمد مظہر صاحبؒ مدرس مدرسہ مظاہر علوم کی یہ حالت تھی کہ ان کی بیوی بوڑھی ہوگئی تھیں مگر مولانا کو ان سے ایسا تعلق تھا کہ جب وہ ذرا بیمار ہوتیں تو مولانا فوراً مدرسہ سے رخصت لے کر خود اپنے ہاتھ سے ان کی خدمت کرتے تھے نوکر اور ماماؤں پر اپنی بیوی کی خدمت کو نہ ٹالتے تھے بلکہ مدرسہ سے رخصت لے کر خود خدمت کرتے تھے۔[1]

ایک حکایت

ضعیفی اور ہمدردی پر ایک حکایت یاد آئی ایک ولایتی رئیس تھے گورنمنٹ میں ان کا بڑا اعزاز اور بڑی قدر تھی ان کی بیوی کا انتقال ہوگیا کلکٹر صاحب تعزیت کے لئے گئے کلکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہم کو بڑا رنج ہوا، اس پر ولایتی صاحب اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں فرمانے لگے، کلکٹر صاحب! وہ ہمارا بیوی نہ تھا ہمارا اماں تھا ہم کو گرم گرم روٹی کھلاتا تھا، پنکھا جھلتا تھا، ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پلاتا تھا یہ کہتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔

خیر یہ تو ولایتی تھے کچھ ایسے پڑھے لکھے نہ تھے اپنی سادگی سے ایسا کہہ دیا مگر ایک ہندو لیڈر نے اپنے لکچر میں یہ بھی کہا کہ یہ میری بیوی نہیں اماں ہے یہ میں نے خود اخبار میں دیکھا ہے یہ تو تعلیم یافتہ ہے۔ اس کو کیا سوجھی یہ بھی کوئی فخر کی بات تھی تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ضعیفی میں سوائے بیوی کے کوئی کام نہیں آتا۔[2]

---

[1] التبلیغ ص:۱۴۲، ج:۱۴، حقوق الزوجین، ص:۳۵۵، ۵۵۰۔

[2] نصرۃ النساء ملفوظات حکیم الامت، ص:۵۵۲۔

فصل (۳)

ہندوستانی عورتوں کے فضائل

شوہروں سے عشق

میں کہا کرتا ہوں کہ ہندوستان کی عورتیں حوریں ہیں حسن و جمال میں نہیں بلکہ اخلاق میں ہندوستان کی عورتوں میں بہت سے فضائل ہیں۔[1]

یہ ہندوستان کی عورتیں خصوصا ہمارے اطراف کی عورتیں تو واقعی جنت کی حوریں ہیں جن کی شان میں ''عُرُبًا'' یعنی عاشقات الازواج (اپنے شوہروں کی عاشق) آیا ہے، چنانچہ مردوں پر فدا ہیں کہ مردوں کی ایذاء کو ہر طرح سہتی ہیں اور صبر کرتی ہیں ورنہ بعض مقامات میں تو روزانہ خلع وطلاق ہوا کرتا ہے اور عرب میں تو وہاں سے بھی زیادہ، وہاں ہم نے ایک اکیس سالہ لڑکی کو دیکھا اس کے ساتواں خاوند تھا۔ وہاں تو حالت یہ ہے کہ جہاں عورت مرد میں نااتفاقی ہوئی اور عورت نے قاضی کے یہاں دعویٰ کیا اور انوثت کا خاصہ ہے کہ حاکم عورت ہی کو مظلوم سمجھتا ہے اس لئے عموماً انہی کو ڈگریاں ملتی ہیں اور فوراً مرد کو خلع یا طلاق پر مجبور کیا جاتا ہے۔

ہندوستان میں یہ حالت ہے کہ اول تو کوئی عورت خلع وطلاق کو گوارہ نہیں کرتی اور جو سخت مصیبت میں خلع کی درخواست کرتی بھی ہے تو یہ حال ہوتا ہے کہ کانپور میں (ایک قضیہ میں) قاضی صاحب کے کہنے سے مرد خلع پر راضی ہو گیا پھر جب اس نے عورت کو طلاق دی ہے تو حالانکہ خود اسی کی درخواست پر دی تھی لیکن طلاق دیتے ہی وہ دہاڑیں مار کر روتی تھی کہ ہائے میں برباد ہو گئی، ہائے میں تباہ ہو گئی۔

[1] التبلیغ، ص:۵۱۔

میں تجربہ سے بقسم کہتا ہوں کہ یہاں کی عورتوں کی رگ رگ میں خاوند کی محبت گھسی ہوتی ہے۔[1]

عفت و پاک دامنی

ایک بڑی صفت عفت (پاکدامنی) کی تو ان میں ایسی ہے کہ اس کے دیکھتے ہوئے یہ آیت ان پر صادق آتی ہے۔

''فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ'' حق تعالیٰ نے حوروں کی تعریف میں بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو شوہر ہی پر منحصر کرنے والی ہوں گی کسی غیر پر نظر نہ ڈالیں گی، واقعی ہندوستان کی عورتیں اس صفت میں تمام مما لک کی عورتوں سے ممتاز ہیں، ہم نے دیکھا ہے کہ بعض مرد بدصورت بھی ہوتے ہیں مگر ان کی بیویاں بجز شوہر کے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتیں، واقعی ہندوستان کی عورتیں تو اس صفت میں حوریں ہیں اپنے شوہروں کی عاشق ہوتی ہیں گو شوہر کیسا ہی ہو۔

گھروں میں بیٹھنے والیاں تو ہیں ہی، یہاں کی باہر پھرنے والیاں بھی اکثر پاک وصاف ہیں جب گھر سے نکلتی ہیں تو نگاہیں نیچے کئے ہوئے، گھونگھٹ نکالے ہوئے، راستہ میں کسی کو سلام تک نہیں کرتیں، ان کو مردوں سے شرم ہوتی ہی ہے، غیر عورتوں سے اور بڑی عمر والی عورتوں سے بھی شرم آتی ہے۔ اگر کوئی مرد ان سے بات پوچھے تو اکثر جواب نہیں دیتیں یا دیتی ہیں تو صرف اشارہ سے۔

باہر پھرنے والیوں کی عفت کا بھی یہی حال ہے کہ اپنے مرد کے سوا دوسری طرف کبھی تمام عمر بھی ان کا خیال نہ گیا ہوگا، یوں سو پچاس میں سے کوئی ایک بدذات ہو جائے تو قابل شمار نہیں، اور اگر عورتوں کو کسی میں یہ عیب معلوم ہو جائے تو اس کو برادری

[1] حقوق الزوجین، ص: ۱۵۰۔

سے خارج کر دیتی ہیں، میں تو کہتا ہوں کہ مردنی صد ایک نکلے گا جونظر یا خیال سے محفوظ ہو اور عورتوں میں شاید فیصدی ایک نکلے جونا پاک ہو۔[1]

ہندوستان کی عورتوں کو اپنے شوہروں کے سواء کسی کی طرف میلان نہیں ہوتا، بعض عورتوں کو عمر بھر غیر مرد کا وسوسہ بھی نہیں آتا اور اگر ان کو کسی غیر کا میلان اپنی طرف معلوم ہو جائے، تو اس سے سخت نفرت ہو جاتی ہے، یہاں کی یہی تہذیب ہے، مگر یورپ کی یہ تہذیب ہے کہ اگر وہاں کی عورتیں کسی کو اپنی طرف مائل دیکھتی ہیں تو اس کی خوب خاطر مدارات کرتی ہیں۔

اور ہندوستان کی عورتوں کو جو اپنے مردوں کے ساتھ اس قدر تعلق ہے یہ زمین ہند کا خاصہ ہے اور ستی کی رسم کا منشاء بھی یہی تعلق ہے گو یہ غلو (اور غلط) ہے۔

تو ہندوستان کا مذاق ''مَیْلانُ النِّسَآءِ اِلَی الرِّجَالِ'' (یعنی عورتوں کا مردوں کی طرف میلان) ہے اور عرب کا مذاق ''مَیْلَانُ الرِّجَالِ اِلَی النِّسَآءِ'' (یعنی مردوں کا عورتوں کی طرف میلان) ہے، اور سب سے گندا مذاق فارس کا ہے یعنی: مَیْلَانُ الرِّجَالِ اِلَی الرِّجَالِ (یعنی مردوں کا مردوں کی طرف میلان)۔[2]

صبر وتحمل

یہ بے چاری عموماً ایسی بے کس و بے بس ہوتی ہیں کہ کسی سے کچھ شکایت کر ہی نہیں سکتیں، اور اگر کسی کے ماں باپ زندہ بھی ہوں جب بھی شریف عورتیں اپنے خاوند کی شکایت کسی سے نہیں کرتیں۔[3]

عرب اور بھوپال میں سنا ہے کہ آئے دن عورتیں قاضی کے یہاں کھڑی رہتی ہیں ذرا ان کے آرام میں کمی ہوئی عدالت میں پہنچیں، یہاں کی طرح نہیں کہ عورتیں

[1] التبلیغ، ج:۷، ص:۵۲ و ج:۱۴، ص:۱۳۹۔ [2] حقوق الزوجین، ص:۱۵۱۔
[3] التبلیغ، ج:۱۴، ص:۱۳۹۔

عدالت کے نام سے بھی کانپتی ہیں چاہے مرجائیں مگر عدالت میں نہیں جاسکتیں، یوں آپس میں عزیزوں میں ہزار باتیں ہزار شکایتیں کرلیں گی یہ تو ان کا مشغلہ ہی ہے، مگر جب کچہری کا نام آوے گا تو کانوں پر ہاتھ رکھ لیں گی کہ خدا نہ کرے جو حاکم کے یہاں ہم جائیں، میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے اطراف میں کوئی عورت بھی ایسی نہیں جو عدالت میں نہ جاتی ہو ہزاروں میں ایک دو ایسی بھی نکلیں گی، مگر غالب حالت عورتوں کی اس علاقہ میں یہی ہے کہ عدالت جانے سے گھبراتی ہیں[1]

کسر نفسی وحق وضع

عرب یا بعض ہندوستانی ریاستیں کہ وہاں عورت فوراً قاضی کے یہاں جا کر نالش کر دیتی ہے، اب یا تو قاضی کی تجویز کے موافق نان ونفقہ دینا پڑتا ہے، ورنہ جبراً طلاق دلوائی جاتی ہے جس کے بعد فوراً عورت کی طرف سے مہر کی نالش ہو جاتی ہے۔

اور بعض ممالک میں نکاح کے وقت ہی مہر پیشگی دھروا لیتے ہیں یہ بے چاری ہندوستان ہی کی عورتیں ہیں کہ جو مہر بھی معاف کر دیتی ہیں، اور عمر بھر نان ونفقہ کی تکلیف بھی سہتی ہیں[2]

عرب میں مہر کے متعلق یہ رسم ہے کہ عورتیں مردوں کی چھاتی پر چڑھ کر مہر وصول کرتی ہیں اور ہندوستان میں اس کو بڑا عیب سمجھا جاتا ہے، ہندوستان کی عورتیں مہر کو زبان پر بھی نہیں لاتیں، اور خاوند کے مرتے وقت اکثر بخش ہی دیتی ہیں (یعنی معاف کر دیتی ہیں)[3]

ایثار اور جاں نثاری کا جذبہ، اور شوہر کی عزت کا خیال

غرض عورتوں میں خصوصاً ہندوستان کی عورتوں میں عیب ہی عیب نہیں بہت سے

---

[1] التبلیغ، ج:۷، ۵۶۔ [2] ایضاً، ج:۱۴، ص:۱۴۱۔ [3] ایضاً، ج:۷، ص:۵۱۔

فضائل بھی ہیں، مردوں کی جاں نثار اس قدر ہیں کہ خاوند سے لڑیں گی، روئیں گی جھیکیں گی مگر کب تک جب تک بے فکری اور فرصت ہو، اور جہاں خاوند کا ذرا کان گرم ہوا اسی وقت لڑائی جھگڑا سب بھول گئیں اب یہ حالت ہے نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پینے کا ہوش ہے، رات رات بھر کھڑے گزر گئی کسی وقت پنکھا ہاتھ سے نہیں گرتا، کوئی دیکھنے والا نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی ہیں جو ایک وقت میں لڑ رہی تھیں بس اس وقت اپنے آپ کو فنا کر دیتی ہیں۔

اسی طرح عورتوں میں ایثار اس قدر ہے کہ روزمرہ کھانا اس وقت کھاتی ہیں جب مردوں کو پہلے کھلا لیتی ہیں اور اچھے سے اچھا کھانا اوپر کا تار مردوں کے لیے نکالتی ہیں، نیچے کا تلچھٹ اور بچا کھچا اپنے واسطے۔

اگر کسی وقت مہمان بے وقت آ گیا تو خاوند کی بات کو اور عزت کو ہرگز نیچا نہ کریں گی بلکہ جو کچھ گھر میں ہے فوراً مہمان کو کھلا دیں گی خود فاقہ کر دیں گی، یہ اخلاق ایسے پاکیزہ ہیں کہ ان سے بڑے درجے حاصل ہو سکتے ہیں، اکثر مردوں کو یہ اخلاق حاصل ہی نہیں۔[1]

ہندوستانی عورتوں کی وفاداری

واقعی ہندوستان کی عورتیں تمام ممالک کی عورتوں سے ممتاز ہیں یہ (عورتیں) تو نکاح کر کے شوہر کے ساتھ ایسی وابستہ ہو جاتی ہیں کہ اپنے ماں باپ کو اکثر دفعہ چھوڑ دیتی ہیں، چنانچہ اگر اس کے باپ یا ماں یا اور کسی عزیز (رشتہ دار) کے ساتھ کبھی شوہر کی ان بن ہو جائے تو عورت عموماً شوہر کا ساتھ دیتی ہے ماں باپ کا ساتھ نہیں دیتی۔

یہ بے چاری ہندوستان کی عورتیں ہیں جو مہر بھی معاف کر دیتی ہیں اور عمر بھر نان ونفقہ کی تکلیف بھی سہتی ہیں، خیر کسی کے پاس ہو ہی نہیں تو اس کی شکایت نہیں اس صورت میں تو عورتیں خود محنت مزدوری کر کے شوہر کو بھی کھلاتی ہیں۔[2]

---

[1] التبلیغ، ج:۷، ص:۵۴ [2] التبلیغ، ج:۷، ص:۵۴۔

اگر خاوند بے توجہی سے یا اور کسی وجہ سے لڑ بھڑ کر یا ناداری کی وجہ سے یا قید ہو کر گھر سے چلا جائے، اور پچاس برس تک باہر رہے، اپنی خبر تک بھی نہ دے کہ مر گیا ہوں یا زندہ ہوں اور بیوی کی کوئی معاش بھی نہ ہو، اس پر بھی وہ جس وقت آئے گا بیوی کو اس کونے میں بیٹھا دیکھ لے گا جس میں چھوڑ کر گیا تھا، آنکھوں سے دیکھ لے گا، نامراد مر رہی ہے، سڑ رہی ہے، مردوں سے بدتر حالت ہے، مگر یہ نہ ہوا ہوگا کہ امانت میں خیانت کی ہو یا کسی اور پر نگاہ ڈالی ہو، یہ صفت ایسی ہے کہ اس کے واسطے سب ناز گوارا کئے جا سکتے ہیں، اس صفت کے سامنے کسی عیب پر بھی نظر نہیں پڑنا چاہئے [1]

کانپور میں دیکھا گیا ہے کہ بعض عورتوں نے خاوند کے ظلم اور مار پٹائی سے تنگ آ کر قاضی جی کے یہاں جا کر طلاق لینے کی درخواست کی، قاضی جی نے کوشش کر کے طلاق دلوادی، ساری عمر کی مصیبتوں اور پٹائی کی وجہ سے طلاق لے تو لی، مگر طلاق کے وقت زار وقطار روتی تھیں، اور یہ حالت تھی کہ مر جائیں گی، یا زمین پھٹ جائے تو اس میں سما جائیں گی۔

عورتوں کی یہ بات بہت قابل قدر ہے کہ ان کو خاوند سے عشق ہوتا ہے۔ ہماری عورتوں میں محبت کا مادہ اس قدر ہے کہ سچ مچ عشق کا مرتبہ ہے، پھر کیا اس کی یہی قدر ہے کہ ان کو تکلیف دی جائے یا ذرا ذرا سی ناگواری پر ان کو الگ الگ کر دیا جائے [2]

---

[1] التبلیغ کساء النساء، ج:۷، ص:۵۹۔ [2] ایضاً، ج:۷، ص:۱۲۷۔

باب (۳)

بیوہ عورت کے بیان میں

بیوہ عورت کا نکاح

جہالت کی کثرت کے سبب سے اکثر لوگ بیوہ کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں بعض جگہ تو یہاں تک غضب سنا ہے کہ منگنی ہونے کے بعد اگر لڑکا مر گیا تو پھر لڑکی کو تمام عمر بٹھلائے رکھا، اور یہ تو بکثرت ہے کہ شادی کے بعد بچپن یا جوانی میں بیوہ ہوگئی بس اب اس کی شادی کرنا گویا بڑا گناہ سمجھا جاتا ہے۔

بعض لوگ اگر چہ علم دین اور وعظ کے چرچوں کے سبب سے اب اس درجہ کا عیب نہیں سمجھتے مگر تاہم جس طرح اس لڑکی کی پہلی شادی کی فکر تھی دوسری شادی کی فکر اس سے آدھی بھی نہیں یعنی اہتمام نہیں۔[1]

بیوہ کا نکاح نہ کرنا زمانۂ جاہلیت کی رسم ہے

عرب میں بھی یہ رسم تھی کہ جب کوئی شخص ماں چھوڑ کر مر جاتا تو اس کی بیوی کو نکاح نہ کرنے دیتے، تاکہ اس کی ماں اس کے پاس رہے، اور یہ رسم ہندوستان میں بھی ہے کہ بیوہ کا نکاح نہیں کرنے دیتے اکثر اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس کی جائیداد علیحدہ کرنی پڑے گی۔

---

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۳۲۔

صاحبو! اس کی اصلاح کرنی ضروری ہے خدا کے لیے اپنی حالت پر توجہ کرو اور اس رسم جاہلیت کو مٹانے کی کوشش کرو۔[۱]

بعض صورتوں میں بیوہ کا نکاح فرض ہے

بعض صورتوں میں نکاح ثانی بھی نکاح اول کی طرح فرض ہے، مثلاً عورت جوان ہے قرائن سے طبیعت میں تقاضا معلوم ہوتا ہے تجرد (شادی نہ کرنے) میں فساد کا اندیشہ ہے، یا نان ونفقہ کی تنگی ہے، اور افلاس میں آبرو اور دین کے ضائع ہونے کا احتمال ہے تو بیشک ایسی عورت کا نکاح ثانی کرنا فرض ہوگا۔[۲]

کنواری کے مقابلے میں بیوہ کا نکاح زیادہ ضروری ہے

اگر غورِ صحیح سے کام لیا جائے تو بہ نسبت پہلے نکاح کے (جب کہ وہ کنواری تھی) دوسرا نکاح اس بیوہ کا اہم ہے، کیونکہ پہلے تو وہ خالی الذہن تھی، مصالح زوجیت کا یا تو علم ہی نہ تھا یا تھا علم الیقین تھا (یعنی صرف علم تھا) اور اب اس کو عین الیقین (یعنی مشاہدہ) ہوگیا ہے، اس حالت میں وساوس وحسرات کا ہجوم زیادہ ہوتا ہے، جس سے کبھی صحت کبھی آبرو، کبھی دین کبھی سب برباد ہوجاتے ہیں۔[۲]

کنواری کے مقابلہ میں بیاہی عورت کی نگرانی وحفاظت کی زیادہ ضرورت ہے

عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کنواری کی حفاظت زیادہ ضروری ہے بیاہی ہوئی کی نگہبانی کی ضرورت نہیں اور یہ خیال ہندوؤں سے ماخوذ ہے، اس کا منشاء یہ ہے کہ اگر

---

[۱] عضل الجاہلیہ، حقوق الزوجین، ص: ۳۸۴۔ [۲] اصلاح الرسوم، ص: ۱۰۴۔
[۳] اصلاح انقلاب، ص: ۳۲۔

کنواری سے کوئی بات ہو جاتی ہے تو اس میں بدنامی اور رسوائی ہوتی ہے، اور بیاہی سے کوئی بات ہو جاتی ہے تو بدنامی اور رسوائی نہیں ہوتی ۔ کیونکہ اس کا شوہر ہے اس کی طرف نسبت کی جائے گی مگر یہ خیال محض جہالت پر مبنی ہے۔

جب انسان دین چھوڑتا ہے تو عقل بھی رخصت ہو جاتی ہے اگر عقل سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کنواری کی حفاظت کی اتنی ضرورت نہیں جتنی بیاہی ہوئی کے لیے ضروری ہے، اور راز اس میں یہ ہے کہ کنواری میں قدرتی طور پر شرم و حجاب بہت ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک طبعی مانع موجود ہے، اور بیاہی ہوئی کی طبیعت کھل جاتی ہے مانع طبعی اس کے ساتھ موجود نہیں رہتا، اس لیے اس کی عصمت و عفت محفوظ رکھنے کے لیے بہت بڑی نگہبانی کی ضرورت ہے، نیز کنواری کو رسوائی کا خوف بھی زیادہ ہوتا ہے، اور بیاہی کو اتنا خوف نہیں ہوتا، اس لیے بیاہی ہوئی کی طبیعت برے کاموں پر کنواری سے زیادہ مائل ہو سکتی ہے، اس کی حفاظت کنواری سے زیادہ ہونی چاہئے، مگر لوگوں نے اس کا الٹا کر رکھا ہے، کیونکہ آج کل اس کی پرواہ نہیں کی جاتی کہ عصمت و عفت محفوظ رہے صرف اپنی بدنامی اور رسوائی کی پرواہ کی جاتی ہے[1]

بیوہ عورت کا نکاح نہ کرنے کی خرابی

بہت سی قوموں میں اب تک یہ جہالت موجود ہے کہ بیوہ بیٹھی رہتی ہے بعض اوقات یہ غریب کھانے پینے سے محتاج ہو جاتی ہے اگر شرافت عرفیہ (رسمی شرافت) لئے ہوئے ہے، تو کسی کی مزدوری نہیں کر سکتی اور اگر دوسرے گھر کی مزدوری گوارہ کی تو بعض اوقات (اسی گھر میں) رہنا پڑتا ہے چونکہ اس کا کوئی سر پرست نہیں ہوتا بدنفس (برے خیالات کے لوگ) اس بے چاری کے درپے ہوتے ہیں اور کبھی ترغیب (لالچ) سے اور کبھی ترہیب (ڈرا دھمکا کر) کسی حیلہ بہانہ سے خاص کر جب کہ اس میں بھی نفسانی

[1] عضل الجاہلیہ ملحقہ حقوق الزوجین، ص: ۳۶۸۔

خواہش ہو، اس کی آبرو اور دین خراب کر دیتے ہیں۔[۱]

بیوہ انکار کرے تب بھی شفقت اور خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا نکاح کر دیا جائے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا تھا وہ راضی نہیں ہوتی مجھ کو اس میں بھی کلام ہے کہ جو طریقہ پوچھنے کا ہوتا ہے کیا اسی طرح پوچھا تھا؟ یا چلتی ہوئی بات کہہ کر الزام اتار دیا؟ پوچھنے پر جو بیوہ انکار کرتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتی ہے کہ اگر میں ایک دم سے راضی ہو جاؤں گی تو خاندان کے لوگ یہی کہیں گے کہ یہ منتظر ہی بیٹھی تھی، خاوند کو ترس رہی تھی اس میں بدنامی ہوگی اس خوف سے وہ ظاہراً (دکھلانے کے لیے) انکار کر دیتی ہے۔

ہونا یہ چاہئے کہ اس کو اچھی طرح مصلحتیں بتلاؤ، اس کے وسوسے رفع کرو، شفقت اور اہتمام سے گفتگو کرو، (اس کو سمجھاؤ) نکاح کے فوائد اور نہ ہونے کے نقصانات بتلاؤ اگر اس پر بھی وہ راضی نہ ہو تو تم معذور ہو۔[۲]

عمر رسیدہ بچوں والی بیوہ نکاح نہ کرے تو کوئی حرج نہیں

غرض حتی الامکان بیوہ کا نکاح ہی کر دینا مناسب ہے البتہ اگر کوئی بیوہ بچہ والی ہو اور عمر بھی ڈھل گئی اور کھانے پینے کی بھی گنجائش ہو اور وہ انکار کرتی ہو، اور قرائن سے شوہر سے اس کا استغناء (بے نیاز ہونا) معلوم ہو تو اس کے لیے اہتمام ضروری نہیں۔[۳]

بیوہ عورت پر اسکے سسرال والوں کی طرف سے ظلم

بعض مسلمان قوموں میں یہ بات ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد عورت میں شوہر (کے گھر) والے اپنا حق سمجھتے ہیں، یعنی ماں باپ اس کے مالک نہیں رہتے، بلکہ

[۱] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۳۲۔ [۲] اصلاح انقلاب، ص:۳۲۔ [۳] اصلاح انقلاب ۳۲/۲۔

دیور، خسر مالک ہو جاتے ہیں، بلکہ وہ عورت خود بھی اپنی مالک نہیں رہتی نہ وہ خود اپنا نکاح کر سکے نہ ماں باپ کر سکیں، بلکہ جہاں جیٹھ وغیرہ کرنا چاہیں، وہاں ہوگا مثلاً خسر چاہے کہ اپنے چھوٹے بیٹے سے نکاح کر دوں اور باپ چاہے کہ دوسری جگہ کرے تو باپ کا کچھ زور نہ چلے گا، اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ بہو گھر سے باہر نہ جائے۔

کانپور میں ایک دیور سے زبردستی لڑکی کا نکاح کر دیا گیا عورت اس لیے مجبور ہوتی ہے کہ اگر سسرے کا کہنا نہ مانوں تو روٹی نہ ملے گی۔

میرے پاس ایک شخص آیا کہ میرے بھاوج پر میرا حق ہے اور وہ دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے ایسا کوئی تعویذ دو کہ وہ مجھ سے نکاح کر لے۔

ایک اور عورت نے اپنی بہو کا نکاح ایک بچہ سے کر دیا، افسوس یہ ہے کہ عورت کی عقل پر تو پردہ پڑا ہی تھا، مردوں کی عقل بھی ماری گئی، ان کو بھی اس کا کچھ خیال نہیں ہوتا اور اس کو اپنے نزدیک ہلکی بات سمجھتے ہیں۔

نانوتہ میں ایک بیوہ کا نکاح ہوا اور رخصتی ہوئی وہ راضی نہ ہوتی تھی اس کو جبراً برات کیساتھ کر دیا گیا اور یہ کہہ دیا گیا کہ وہاں لے جا کر اس کو راضی کر لینا۔

اور یہاں ایک نکاح عدت میں ہوا جب میں نے پوچھا تو کہنے لگے کہ نکاح کی نیت سے نہیں کیا ذرا باڑھ لگا دی تا کہ کسی اور سے نکاح نہ کر سکے مگر اس کمبخت نے عدت کے بعد پھر بھی نکاح نہ کیا اس پر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ وباء آ گئی، جب لوگ اس طرح حلال کے پردہ میں حرام کاری کریں تو طاعون کیوں نہ آئے[1]

ظلم در ظلم

غرض عورتوں پر اس طرح ظلم ہو رہا ہے کہ ہر طرح ان پر اپنا حق سمجھتے ہیں اور اس کا اتنا عام اثر ہے کہ عورت بھی اپنے آپ کو ان کی مملوک سمجھتی ہے اور اس کو یہ بھی خبر نہیں

[1] عضل الجاہلیہ، ص: ۴۷-۴۸۔

کہ مجھ پر ظلم ہو رہا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہوتا ہے کہ کبھی یہ مظلومیت ظالمیت ہوتی ہے جیسے کسی نے کہا ہے ۔

ع اس قدر سمٹی پریشانی کہ جمعیت ہوئی

مثلاً شوہر مر گیا اور کچھ ترکہ چھوڑا نہیں صرف بیوی چھوڑی اور ساس سسرے بہو سے تنگ ہیں، مگر بہو ہے کہ جاتی نہیں کہ میرا تو یہی گھر ہے، جہاں ڈولا آیا وہیں سے کھٹولا نکلے گا، چونکہ اس ظلم سے یہ اپنے کو مملوک سمجھنے لگی تو اس کے نزدیک بھی اپنے ماں باپ سے کوئی تعلق نہیں رہا، اب وہ ساس سسر پر اپنا حق سمجھنے لگی اور اس سے اس پر ظلم ہونے لگا، بہت اچھا ہوا، تمہاری سزا یہی ہے، غرض یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ مالک تو مالک مملوک بھی ظلم کرنے لگا۔[1]

شریعت کی مخالفت اور جاہلانہ رسم

غرض جاہلوں کو الگ خبط ہے کہ بہو کو اپنی ملک سمجھتے ہیں سسرال والے لڑکی کے ماں باپ کی بات چلنے نہیں دیتے اپنا حق سمجھتے ہیں یہ پہلا گناہ ہے۔ ماں باپ کے حق کو روکتے ہیں یہ دوسرا گناہ ہے۔

تیسرے جوان عورت کو اختیار ہے جہاں چاہے اپنا نکاح کرے یہ لوگ اس کو باطل کرتے ہیں تو شریعت کی کتنی مخالفت کی، عورت کی آزادی کھوئی، ماں باپ کا حق غارت کیا اور اپنا حق قائم کیا، افسوس تو یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے کو اچھا بھی سمجھتے ہیں کہ ہم نے بیوہ کا نکاح کر دیا، حالانکہ انہوں نے نکاح کی کوئی مصلحت ملحوظ نہیں رکھی۔

عرب میں بھی اس قسم کے ظلم ہوتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر اس کو مٹایا آپ نے فرمایا کہ چھ شخصوں پر میں اور حق تعالیٰ اور فرشتے لعنت کرتے ہیں ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو رسم جاہلیت کو تازہ کرتا ہے تو اس بارے میں تم لوگ

[1] عضل الجاہلیہ، ص:۳۸۳۔

شریعت کا مقابلہ کر رہے ہو، خدا کے لیے ان رسومِ کفّار کو چھوڑ و، اس رسم جاہلیت کو مٹانے کی کوشش کرو۔[1]

زبردستی کا نکاح

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کی (بیوہ کی) زبان سے اذن کہلوایا تھا (یعنی اجازت لے لی تھی) تو یہ زبان سے کہلوانا بھی محض نام کرنے کو ہے تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ بے پوچھے نکاح کر دیا، کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ بیوہ کا نکاح بغیر زبان سے کہے جائز نہیں ہو تا، طیب خاطر (دلی رضامندی) کا اس میں بالکل خیال نہیں کیا جاتا، اور بعض مرتبہ تو بے پوچھے ہی نکاح کر دیتے ہیں، اور بعض لوگ زبان سے گو کہلواتے ہیں، مگر پھر بھی تو اس پر ظلم ہوا کیونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو مالک سمجھ کر کہلواتے ہیں، دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ ماں باپ کو مالک نہیں سمجھتے۔[2]

عورت کے بیوہ ہوجانے کے بعد سسرال والوں کو کیا کرنا چاہئے؟

(شوہر کے مرجانے اور عورت کے بیوہ ہوجانے کے بعد) اس کو (میراث کا) حصہ دے کر (عدت کے بعد) اس کے ماں باپ کے سپرد کردو، اپنے گھر میں نہ رکھو کیونکہ جب تک اپنے گھر میں رکھوگے یہ خیال دل سے نہ نکلے گا، تو واجب ہے کہ حصہ دے کر ماں باپ کے سپرد کردو خواہ اسکو بٹھلادیں یا کہیں نکاح کر دیں۔[3]

---

[1] عضل الجاہلیہ، ص:۳۸۴۔ [2] ایضاً ص:۳۷۴۔
[3] عضل الجاہلیہ، ملحقہ حقوق الزوجین، ص:۳۸۴۔

باب (۴)

کفاءت (برابری) کا بیان

نکاح میں کفاءت یعنی برابری کا لحاظ کرنے کی ضرورت واہمیت

فرمایا: ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں کفاءت کے متعلق صاف طور پر لکھا ہے اور شاید کسی نے اس عنوان سے نہ لکھا ہوگا، شاہ صاحب ایک حدیث ''اِذَا خَطَبَ اَحَدُکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَہٗ۔ الخ''، نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو مت دیکھو کہ بہت حسین بھی ہے یا نہیں، زیادہ مال بھی ہے یا نہیں، یہ نہیں کہ کفاءت (برابری) بھی کوئی چیز نہیں یہ تو فطری بات ہے، شریعت کبھی ایسی چیز کو مہمل نہیں چھوڑ سکتی، اس میں ردّ وقدح (قیل وقال جو فتنہ کا ذریعہ بنے) قتل سے بھی زیادہ اشد ہے اور سب آدمی اپنے اپنے درجات پر ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عورتوں کو منع کروں گا کہ وہ غیر کفوء میں نکاح کریں۔

یہ مضمون ''اَلْخِطْبَۃُ وَمَا یَتَعَلَّقُ بِھَا'' کے تحت مذکور ہے اور اَقُوْلُ لَیْسَ فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ سے شروع ہو کر سبباً لصلاح الدین پر ختم ہوا[1]

اور اس عنوان کے متصل ذکر العورات کے وقت کفاءت کے اعتبار نہ کرنے کو خلاف سنت راشدہ فرمایا ہے، اور فقہاء نے بھی دلائل نقلیہ کے بعد کفاءت کا اعتبار کرنے کی حکمت میں اس کی تصریح کی ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے ''اِنْتَظَامُ الْمَصَالِحِ

[1] حجۃ اللہ البالغہ ۲/۱۲۴-۱۲۵۔

لِاَنَّ الشَّرِیْفَةَ تَابٰی اَنْ تَکُوْنَ مُسْتَفْرَشَةِ لِلْخَسِیْسِ ''خصوصاً کفاءت فی النسب میں اس کی تصریح ہے۔ لِاَنَّہٗ یَقَعُ بِہِ التَّفَاخُرُ[۱]

نکاح میں کفاءت کی رعایت ضرور کرنا چاہئے

نکاح میں کفاءت (برابری) کی رعایت ضرور کرنا چاہئے، نکاح میں لطف ہونے سے بے لطفی کے علاوہ عرفاً ذلت وعار بھی ہوتی ہے۔

بعض لوگ اس کو لاشئ محض بتلاتے ہیں (کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں) قنوج میں ایک مولوی صاحب آئے وہ سید تھے اور وہ منیہاروں میں آکر ٹھہرے اور انہوں نے ان کی دلجوئی اور اپنی آمدنی کے لیے یہ کہنا شروع کیا کہ نسب کی شرافت کوئی چیز نہیں، اولاد آدم سب برابر ہیں، وہاں کے شیوخ کو یہ گراں ہوا، اور انہوں نے یہ شہرت دینی شروع کی کہ یہ مولوی صاحب اپنی لڑکی منیہاروں کو دیں گے اور ایک چالاک شخص نے مولوی صاحب سے پوچھا بھی کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ اپنی لڑکی منیہاروں میں دیں گے ....مولوی صاحب غصہ ہوگئے اور طیش میں آکر کہتے ہیں کہ کون حرام زادہ کہتا ہے، لوگوں نے کہا کہ حضرت مولانا! برا ماننے کی بات کون سی ہے، سیادت وشرافت تو کوئی چیز نہیں، اس روز ان مولوی صاحب کی آنکھیں کھلیں۔

غرض نسب کے بارے میں افراط وتفریط دونوں برے ہیں، نہ تو شیخ، سید اور جولاہے ایسے برابر ہیں کہ آپس میں ان کا نکاح جاری ہو اور نہ ایسا فرق ہے کہ اس کی بناء پر نسب پر فخر کرنے لگیں، اور دوسری قوموں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے لگیں۔ البتہ جو شئ عرفاً ذلت کا سبب ہے اس سے بچیں لیکن تواضع کو بھی اختیار کریں[۲]

---

[۱] الافاضات الیومیہ: ۲۵۶/۷۔ [۲] وعظ الخضوع ملحقہ حقیقت عبادت، ص: ۳۲۵۔

دوسرے خاندان میں شادی نہ کرنے میں مصلحت

فرمایا: لڑکی کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے بڑے بڑے عالی دماغ اور آزاد لوگ بھی اس معاملہ میں مغلوب ہوجاتے ہیں، لڑکی کی وجہ سے بعض وقت بڑی ذلت گوارا کرنی پڑتی ہے، یہ ایسا نازک تعلق ہے کہ کچھ بنائے نہیں بنتا، پہلے بزرگ جو غیر خاندان میں تعلق نہیں کرتے تھے، اس کا منشاء تکبر نہ تھا بلکہ واقعات کی بناء پر ایسا کرتے تھے۔

اس میں بڑی مصلحت تھی کہ غیروں کا حال زیادہ نہیں معلوم ہوتا، اب تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بالکل صحیح رائے تھی۔[1]

کفاءت کی اہمیت اور کفوٗ میں شادی نہ کرنے کی خرابی

شریعت نے کفاءت (برابری) میں چند اوصاف کا اعتبار کیا ہے اور بہتر یہی ہے کہ منکوحہ (لڑکی) اپنے ہی کفوٗ کی لائے، کیونکہ غیر کفوٗ کے اخلاق و عادات اکثر اپنے موافق نہیں ہوتے جس کی وجہ سے ہمیشہ آپس میں ناچاقی رہتی ہے نیز وہ منکوحہ مرد کے خاندان میں بے قدر رہتی ہے، تو ایک مسلمان عورت کو بلاوجہ عمر بھر کے لیے بے قدر کرنا کیا ضروری ہے۔

نیز عرفاً اس کی اولاد کی شادی میں دشواریاں پیش آتی ہیں اس لیے بلاضرورت ان کلفتوں میں کیوں پڑے۔

اگر اولاد غیر کفوء سے ہوئی تو اہل برادری اس کو عرف میں اپنے برابر کا نہیں سمجھیں گے اور اس کی شادی وغیرہ کرنے میں تنگی ہوگی۔

الغرض غیر کفو میں نکاح غیرت و مصلحت کے بھی خلاف ہے، شریفہ کو دنی (یعنی کم مرتبہ والے) کا فراش بتایا جاتا ہے، نیز اکثر ایسے موقع پر عورت کی نظر میں خاوند کی

[1] ملفوظات حکیم الامت، جلد:۲، قسط:۱۔

وقعت بھی نہیں ہوتی جس سے نکاح کی تمام مصلحتیں فوت ہو جاتی ہیں [۱]

کفاءت کا اعتبار کرنے کی وجہ اور اس کا دار و مدار

وجہ اس کی یہ ہے کہ کفاءت کا اعتبار عار دفع کرنے کے لیے ہے (یعنی) اصل مدار عار و عدم عار ہے اور عار کا مدار عرف پر ہے [۲]

کفاءت میں اعتبار مرد کی جانب سے ہے نہ کہ عورت کی جانب سے (یعنی مرد عورت سے کم درجہ کا نہ ہونا چاہئے البتہ اگر عورت کم درجہ کی ہو تو گوارہ کیا جا سکتا ہے)۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کم ذات کی خواہ لڑکی دے دے مگر کم ذات کی لڑکی لے نہیں کیونکہ اگر کم ذات کی لڑکی آتی ہے اور اس سے اولاد ہوتی ہے تو اپنے خاندان کی نسل بگڑتی ہے اور اگر کم ذات کے گھر لڑکی چلی گئی تو اس کی نسل سنورتی ہے (حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس نظریہ میں) شریعت کے ساتھ مزاحمت ہے، فقہ کا مسئلہ ہے۔

اَلْکَفَائَۃُ مُعْتَبَرَۃٌ مِنْ جَانِبِہٖ اَیْ الرَّجُلِ لِاَنَّ الشَّرِیْفَۃَ تَابٰی اَنْ تَکُوْنَ فِرَاشاً لِلدَّنِیِّ وَلَا تُعْتَبَرُ مِنْ جَانِبِھَا لِاَنَّ الزَّوْجَ مُسْتَفْرِشٌ فَلَا تَغِیْضُہٗ الخ۔

ترجمہ : کفاءت مرد کی جانب سے معتبر ہے کیونکہ شریف (اونچے خاندان کی عورت) کم درجہ کے مرد کی فراش بننے سے انکار کرتی ہے، اور کفاءت عورت کی طرف سے معتبر نہیں کیونکہ خاوند صاحب فراش ہے تو وہ فراش کے استعمال میں کراہت نہیں کرتا اور یہ مسئلہ سب کے نزدیک صحیح ہے [۳]

غیر کفوٗ میں نکاح منعقد ہونے نہ ہونے کی تحقیق و تفصیل

غیر کفوٗ میں نکاح ہونے کی کئی صورتیں ہیں بعض میں نکاح بالکل باطل ہو جاتا ہے اور بعض میں صحیح اور لازم ہو جاتا ہے یعنی فسخ کا اختیار بھی نہیں رہتا۔ اور بعض میں صحیح

[۱] اصلاح انقلاب، ۲/۲۵ و ۱۱۲۔ [۲] ایضاً، ۲/۱۱۱۔ [۳] اصلاح انقلاب، ص: ۱۱۲۔

تو ہوتا مگر لازم نہیں ہوتا بلکہ فسخ کا اختیار رہتا ہے۔

پہلی صورت: بالغہ عورت عصبہ ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفوٗ میں نکاح کرے اس صورت میں فتویٰ اس پر ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوتا بلکہ بالکل باطل ہے حتیٰ کہ اگر نکاح کے بعد ولی عصبہ جائز بھی رکھے تب بھی صحیح نہیں ہوتا کیونکہ نکاح سے قبل اجازت کا ہونا شرط ہے لہذا عورت کو لازم ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرے اگر کرے گی تو نکاح کالعدم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ معصیت میں مبتلا رہے گی۔ (کذا فی الدر المختار)

دوسری صورت: یہ ہے کہ باپ دادا نے بدرستیٔ ہوش وحواس نابالغ کا نکاح غیر کفوٗ میں کیا ہو اور وہ باپ دادا معروف بسوء الاختیار (یعنی بدخواہی میں معروف) نہ ہوں اس صورت میں نکاح لازم ہو جاتا ہے اور اس نکاح کو فسخ کرانے کا بھی اختیار نہیں ہے۔

تیسری صورت: یہ کہ باپ دادا کے سواء کسی دوسرے ولی نے نابالغ کا نکاح غیر کفوٗ میں کر دیا ہو، یا باپ دادا نے کیا ہو مگر وہ معروف بسوء الاختیار (یعنی بدخواہی میں مشہور) ہوں یا نشہ کی حالت میں نکاح کیا ہو اس صورت میں نکاح بھی باطل ہے۔

چوتھی صورت: یہ کہ بالغہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت سے غیر کفوٗ میں ہوا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ نکاح صحیح اور لازم ہو جاتا ہے اور کسی کو فسخ کا اختیار نہیں رہتا[1]

[1] الحیلۃ الناجزۃ، ص: ۱۰۵، ۱۰۶۔

فصل (۲)

حسب ونسب کا بیان

حسب ونسب کی تعریف

شریعت نے کفاءت (برابری) میں جن اوصاف کا اعتبار کیا ہے، ان میں ایک نسب بھی ہے۔[۱]

''نَسَبِ'' نسبت الی الآباء ہے (یعنی آباء واجداد کی طرف نسبت کرنے کو کہتے ہیں) اور ''حسب'' لغۃً عام ہے کمافی القاموس لیکن عرف میں خاص ہے، شرف نفس (ذاتی شرافت) کے ساتھ خواہ دینی ہو یا دینوی اور کفاءت میں نسب کی طرح یہ بھی معتبر ہے چنانچہ فقہاء کا دیانۃً ومالاً وحرفۃً کہنا اس کی صریح دلیل ہے، اوراس کا مدار بھی عرف پر ہے۔[۲]

نسب اور خاندانی اختلاف کی حکمت

''یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا'' (سورۂ حجرات پ:۲٦) یعنی ہم نے تم سب کو ایک مرد ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنائے تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کرسکو جس میں یہ بھی داخل ہے کہ کون ہمارا عصبہ (قریبی اور دور کا رشتہ دار ہے) تا کہ ان کے حقوق ادا کرسکو۔

---

[۱] امداد الفتاویٰ: ج۲،ص۳٦۹۔ [۲] امداد الفتاویٰ،۲/۳٦۹۔

یہاں حق تعالیٰ نے مختلف خاندانوں اور مختلف قوموں کے بنانے میں یہ حکمت بتلائی ہے کہ اس سے تعارف اور شناخت ہو جاتا ہے کہ یہ قریشی ہے، یہ انصاری ہے، یہ صدیقی ہے، یہ فاروقی ہے اگر یہ تفاوت نہ ہوتا تو امتیاز کرنا سخت دشوار ہو جاتا کیونکہ ناموں میں اکثر توارد ہوتا ہے (یعنی ایک جیسے ہوتے ہیں) ایک ہی نام کے بہت سے آدمی ہوتے ہیں، اور کسی قدر امتیاز سکونت کی جگہ سے ہو جاتا ہے کہ ایک دہلوی ہے ایک لکھنوی پھر ایک شہر میں بھی ایک نام کے بہت سے ہوتے ہیں تو محلوں کے نام سے امتیاز ہو جاتا ہے اور محلّہ میں بھی ایک نام کے دو تین ہوتے ہیں، تو قبائل کی طرف نسبت سے امتیاز حاصل ہو جاتا ہے یہ حکمت ہے قبائل کے مختلف ہونے کی۔

مگر آج کل بھائیوں نے اسی کو مدار فخر بنالیا ہے، اب یہاں دو قسم کے لوگ ہو گئے: بعض نے تو نسب و شرف کی جڑ ہی اکھاڑ دی، ان کو اس سے شبہ ہے کہ اس آیت میں اختلافِ قبائل کی حکمت صرف تعارف بتلائی گئی ہے..................اس پر نظر کر کے بعض لوگوں نے شرافت نسب کا انکار کر دیا کہ اس سے کچھ شرف نہیں ہوتا بلکہ جس طرح دہلوی لکھنوی، ہندوستانی، بنگالی یہ سب نسبتیں تعارف کے لیے ہیں اور ان سے کچھ شرف حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح قریشی، انصاری، سیدی، فاروقی اور عثمانی وغیرہ یہ نسبتیں بھی شناخت کے لیے ہیں ان سے بھی کچھ شرف حاصل نہیں ہوتا۔ اور استدلال کیا ہے ''لِتَعَارَفُوْا'' سے کہ نسب کا فائدہ محض تعارف ہے اس سے کوئی شرف حاصل نہیں ہوتا، مگر اس کے ساتھ ساتھ قرآن کی دوسری آیتوں اور احادیث کو بھی دیکھنا چاہیے[1]

نسب کی بناء پر شرافت ایک واقعی حقیقت ہے

(۱) حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرَاهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ

[1] التبلیغ، الاکرمیہ، ۱۸/۲۱۷۔

ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ''۔ (سورۂ حدید پ:۲۷)

ترجمہ: اور ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو بھیجا اور نبوت و کتاب کو ان کی ذریت میں کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے بعد سے ان کی ذریت میں نبوت اور کتاب منحصر کی گئی۔۔۔تو اولاد ابرہیم کو باقی خاندان والوں پر یہ شرف حاصل ہے کہ ابرہیم علیہ السلام کے وقت سے قیامت تک نبوت اور کتاب اسی خاندان میں منحصر ہوگئی۔

(۲) احادیث کو بھی ملانا چاہیے، ایک حدیث میں ہے:

''اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، خِيَارُهُمْ فِيْ الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِيْ الْاِسْلَامِ اِذَا فَقُهُوْا'' کہ جیسے چاندی سونے کی کانیں ہیں اسی طرح آدمیوں کی بھی مختلف کانیں ہیں.........پھر آپ فرماتے ہیں کہ جو خاندان جاہلیت میں اچھے شمار ہوتے تھے وہی اسلام کے بعد بھی اچھے ہیں جب کہ علم بھی حاصل کرلیں۔

بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ اس میں قید ''اِذَا فَقُهُوْا'' اہل انساب کے واسطے مضر ہے مگر کچھ بھی مضر نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فقہ کے بعد ''خِيَارٌ فِيْ الْجَاهِلِيَّةِ'' کو ''خِيَارٌ فِي الْاِسْلَامِ'' فرمارہے ہیں تو فقہ کے بعد مساوات نہ رہی، بلکہ حاصل یہ ہوا کہ فقیہ غیر صاحب نسب فقیہ صاحبِ نسب کے برابر نہیں بلکہ فقیہ صاحب نسب افضل ہوگا تو کوئی بات تو ہے جس کی وجہ سے وہ خیار افضل ہوتے ہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ صاحب نسب جاہل سے غیر صاحب نسب عالم افضل ہے اس کا ہم کو انکار نہیں، مگر حدیث سے اتنی بات معلوم ہوگئی کہ شرف نسب بھی کوئی چیز ضرور ہے جس کے ساتھ علم وفقہ مل جائے تو صاحب نسب غیر صاحب نسب سے بہتر ہوگا۔

(۳) نیز حدیث میں ہے ''اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ'' کوئی تو وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے امامت کو قریش کیساتھ مخصوص فرمایا (یعنی) امامت کبری میں قریشیت کو شرط ٹھیرایا اور امامت صغریٰ میں خاندانی شرافت کو مرجحات میں سے کہا ہے اس سے معلوم ہو اکہ اہل انساب میں شانِ متبوعیت (سرداری کی شان) دوسروں سے زیادہ ہے[۱]

اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ: ایک انتظامی مصلحت ہے قدرتی طور سے اللہ تعالیٰ نے قریش کو فضیلت دی ہے تو جب ائمہ وامراء ان میں سے ہوں گے تو اوروں کو ان کی اتباع سے عار نہ ہوگا اور ان کو دوسرے کی اتباع سے عار ہوتا اور جنگ وجدال کی صورت قائم ہوتی۔

نیز یہ قاعدہ ہے کہ آدمی اپنے خاندانی شیٔ کی بہت حفاظت کرتا ہے تو اگر قریشی امام ہوگا تو دین کی حفاظت دو وجہ سے کرے گا: ایک اس وجہ سے کہ دین ان کے گھر کا ہے، دوسرے مذہبی تعلق سے، پس معلوم ہوا کہ نسب میں مصالح تمدنیہ ودیعت ہیں اس لیے وہ بیکار نہیں ....جوفرق اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا ہے اس کو کون مٹا سکتا ہے[۲]

(۴) نیز ایک حدیث میں بطور رجز کے حضور صلی اللہ علیہ السلام کا یہ قول ثابت ہے ''اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبٌ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ '' جب جنگ حنین میں حضرات صحابہ کرام کے پیرا کھڑ گئے تو آپ نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا اور ارشاد فرمایا کہ میں نبی ہوں یہ جھوٹ بات نہیں ہے، اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں یعنی میں خاندانی اور صاحب نسب ہوں، میں ہرگز پسپا نہ ہوں گا۔

تو اس میں حضورؐ نے اپنے صاحب نسب ہونے پر فخر کیا ہے، اور دشمن کو ڈرایا ہے کہ تم اپنے مقابل کو کم نہ سمجھنا وہ بڑا خاندانی ہے جس کی بہادری سب کو معلوم ہے، اگر شرفِ نسب کوئی چیز نہیں تو آپ نے ''اَنَا ابنُ عبدِ الْمُطَّلِب'' کیوں فرمایا۔

(۵) نیز ایک حدیث میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کا انتخاب فرمایا اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو

[۱] اصلاح انقلاب، ص:۱۰۹، التبلیغ، ۱۸/۲۲۰۔ [۲] حقوق الزوجین وعظ اصلاح النساء، ص:۱۹۳۔

منتخب کیا ہے اور کنانہ میں سے قریش کو منتخب کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو منتخب کیا۔

(۶) اور ایک حدیث کے یہ الفاظ ہیں: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِھِمْ ثُمَّ جَعَلَھُمْ فِرْقَتَیْنِ فَجَعَلَنِیْ فِی خَیْرِھِمْ فِرْقَةً" (اَیِ الْعَرَبِ) ثُمَّ جَعَلَھُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ فِی خَیْرِھِمْ قَبِیْلَةً (اَیّ قُرَیْشٍ) ثُمَّ جَعَلَھُمْ بُیُوْتًا فَجَعَلَنِیْ فِی خَیْرِھِمْ بَیْتًا (اَیْ بَنِیْ ھَاشِمٍ) فَاَخِیْرُھُمْ نَفْسًا وَخَیْرَھُمْ بَیْتًا"

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہتر لوگوں میں کر دیا پھر ان کی دو جماعتیں بنائیں اور مجھ کو بہتر جماعت میں کر دیا، پھر ان کے قبیلے بنائے، اور مجھ کو بہتر قبیلہ یعنی قریش میں کر دیا، پھر ان کے خاندان کر دیئے، اور مجھ کو بہتر خاندان میں یعنی بنو ہاشم میں کر دیا، سو میں سب سے بہتر ہوں ذات کے اعتبار سے بھی اور خاندان کے اعتبار سے بھی)۔ (مترجم)

ان نصوص سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نسب مطلق کرم سے خالی نہیں، گو اکرم ہونے کو مستلزم نہ ہو کیونکہ اکرمیۃ کا مدار تو تقویٰ ہے۔

"اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ"۔ (حجرات)

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ تقویٰ والا ہو[1]

حسب نسب کی شرافت بڑی نعمت ہے لیکن اس کی بناء پر فخر اور تکبر کرنا جائز نہیں

فرمایا: شرفِ نسب غیر اختیاری امر ہونے کی وجہ سے فخر کا سبب نہیں مگر اس کے

[1] التبلیغ وعظ الاکرمیۃ، ۲۲۲/۱۸۔

نعمت ہونے میں شبہ نہیں فخر عقلاً ان چیزوں پر ہوسکتا ہے جو اختیاری ہوں اور وہ علم وعمل ہے گو شرعاً اس پر بھی فخر نہ کرنا چاہئے[۱]

نسب کی بناء پر فخر کرنا تکبر کرنا ہر حالت میں حرام ہے اور آج کل کے شرفاء میں تو نسب کی بناء پر تکبر ہے ہی مگر غیر شرفاء میں دوسرے طور پر تکبر پایا جاتا ہے کہ اپنے کو شرفاء کے برابر سمجھتے ہیں اور اپنے اور ان میں کچھ فرق نہیں سمجھتے یہ بھی زیادتی ہے[۲]

عقلی دلیل

نسب پر فخر نہ کرنا چاہئے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شرف نسب کوئی چیز ہی نہیں، دیکھو آدمی کا حسین جمیل ہونا بدصورت یا اندھا نہ ہونا اگرچہ غیر اختیاری ہیں اور اس پر فخر نہ کرنا چاہئے مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حسن صورت ہونا نعمت بھی نہیں؟ یقیناً اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے، اسی طرح یہاں سمجھو کہ شرف نسب غیر اختیاری امر ہونے کی وجہ سے فخر کا سبب نہیں، مگر اس کے نعمت ہونے میں شبہ نہیں[۳]

کفاءت نسب میں ماں کا اعتبار نہیں باپ کا اعتبار ہے

ایک بڑی کوتاہی یہ ہے کہ نسب میں ماں کا بھی اعتبار کرتے ہیں یعنی اگر کسی کی ماں شریف نہ ہو تو اس کو شریف نہیں سمجھتے، اور اس لیے اس کو اپنا ہمسر نہیں جانتے حالانکہ شریعت نے کفاءتِ نسب کے باب میں ماں کا کچھ اعتبار نہیں کیا، اسی طرح دوسرے احکامِ نسبیہ میں بھی ماں کا اعتبار نہیں، مثلاً ایک شخص کی ماں صرف بنی ہاشم سے ہے اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے، پس صرف نجیب الاب (شریف باپ والا) ہمسر (برابر) ہے نجیب الطرفین کا یعنی جس کے ماں باپ دونوں شریف ہوں۔

---

[۱] ملفوظات اشرفیہ، ص:۰۷۔ [۲] حقوق الزوجین، ص:۱۹۳۔

[۳] وعظ الاکرمیۃ ملحقہ التبلیغ الاکرمیۃ، ۲۱۸۲/۸۔ [۴] اصلاح انقلاب، ۱۰۸/۲۔

شرعی دلیل

اہل عرب (بھی) نسب میں عورتوں کی وجہ سے نقص نہیں نکالتے، (کیونکہ) خدا تعالیٰ نے ماں کا نسب میں اعتبار کرنے کی ایسی جڑ اکھاڑی ہے کہ ان کو سر اٹھانے کا موقع نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیبیاں تھیں ایک حضرت سارہ وہ تو ان کے خاندان کی تھیں، دوسرے حضرت ہاجرہ جن کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جو ابوالعرب ہیں وہ کنیز تھیں تو جو عورت سارے عرب کی اصل ہے وہ کنیز ہیں۔

اب جو قبائل عرب ہندوستان میں عورتوں کے کھوٹ کی وجہ سے دوسرے خاندانوں میں عیب نکالتے ہیں وہ اس دھبہ کو دھوئیں کس طرح دھوتے ہیں مگر درحقیقت یہ کوئی عیب ہی نہیں اس لئے کہ شریعت نے نسب میں ماں کا اعتبار نہیں کیا۔[1]

سادات کا دارومدار

اصلی سید کسے کہتے ہیں؟

البتہ اس کلیہ سے صرف ایک جزئیہ مستثنیٰ ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت نسبیہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے بھی ثابت ہو کر آپ کی اولاد میں جو لوگ ہیں وہ بھی سید اور دوسرے بنی ہاشم سے افضل ہیں۔

(حاصل یہ کہ) نسب میں ماں کا اعتبار نہیں لیکن اولاد فاطمہ میں ماں کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ سیادت کا مدار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ہے، اور سیدوں کا شرف دوسرے قبائل پر ان ہی کی وجہ سے ہے۔

اور یہاں سے بعض علویوں کی غلطی واضح ہوگئی جو اپنے کو سید کہتے ہیں حالانکہ

---

[1] التبلیغ، الاکرمیۃ، ۲۲۴/۱۸۔

سیادت کی بنا حضرت علی پر نہیں بلکہ حضرت فاطمہ پر ہے پس حضرت علی کی جو اولاد حضرت فاطمہ سے ہے وہ تو سید ہے اور جو دوسری بی بی سے ہے وہ سید نہیں بلکہ علوی ہے۔

اور علویوں کا سیادت کا دعویٰ غلط ہے، البتہ بنی ہاشم میں سے ہیں اور بنی ہاشم کے جو فضائل ہیں وہ ضرور ان کیلئے حاصل ہیں۔

بعض علوی جو اپنے کو سید لکھتے ہیں جائز نہیں، کیونکہ سیادت اصطلاحیہ کا شرف تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جو حضرت فاطمہ کے واسطہ سے ہی ان کو پہنچا ہے، لہٰذا حضرت علی کی جو اولاد دوسرے بطون سے ہے وہ سب شیوخ میں شمار ہو گی، اور حضرات خلفاء راشدین کی اولاد شیخ کہلاتی ہے۔[۱]

اب ایک سوال یہاں ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص کا باپ سید نہ ہو اور ماں سید ہو، وہ سید ہے یا نہیں تو قواعد کے موافق یہ شخص سید نہیں ہے، ہاں ماں کی سیادت کی وجہ سے ایک گونہ شرف اس کو ضرور حاصل ہے، مگر یہ اپنے کو سید نہیں کہہ سکتا، اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا بھی حلال ہے، اگر صاحب نصاب نہ ہو، بہر حال ماں کا نسب میں اعتبار نہیں (سوائے حضرت فاطمہ کے) البتہ حریت ورق (آزادی اور غلامی میں) میں اولاد شرعاً ماں کے قائم مقام ہوتی ہے۔[۲]

۱؎ افاضات الیومیہ، ص:۱۰، ۱۲۔ ۲؎ حقوق الزوجین، ص:۱۰۹، اصلاح امت۔

فصل (۳)

ہندوستان کے نسب ناموں پر تبصرہ

مجھ کو تو اس میں قوی شبہ ہے کہ جو شریف (النسب) کہلاتے ہیں واقع میں وہ ایسے ہی ہیں یا نہیں کیونکہ یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر شیوخ ہیں کوئی اپنے کو صدیقی کہتا ہے، کوئی فاروقی، کوئی علوی، کوئی عثمانی، کوئی انصاری، کیا ان چار پانچ صحابہ کے علاوہ نعوذ باللہ اور صحابہ منقطع النسل تھے۔

کوئی اپنے کو یہ نہیں کہتا ہے کہ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں، یا حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں، سب ان چار پانچ حضرات ہی کی طرف نسبت کرتے ہیں (اس لیے) شبہ ہوتا ہے کہ یہ سب تراشیدہ یاراں ہیں (یعنی لوگوں کی من گھڑت ہے) مشہور اور جلیل القدر صحابہ کو لے کر ان کی طرف نسبت کرنے لگے۔

یہ شبہ احقر نے بڑے بڑے مجامع میں بیان کیا کہ اکثر جگہ لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ چند صحابہ کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں مثلاً حضرات خلفاء اربعہ، حضرت عباس، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، اب خلجان اس میں یہ ہے کہ ہندوستان میں فتوحات وغزوات کے لیے خاص ان ہی حضرات کی اولاد منتخب ہو کر آئی یا اوروں کی نسل منقطع ہوگئی؟ اور یہ دونوں امر عادۃً مستبعد (بہت بعید) ہیں اس سے صاف شبہ ہوتا ہے کہ شاید دوسروں نے ان ہی حضرات کی طرف افتخار (فخر کرنے کے لیے) منسوب کر دیا ہے[1]

[1] اصلاح انقلاب، ۲، ص: ۱۰۹۔

ہندوستانی نسب نامے اور شجرے

جن کے پاس نسب نامہ محفوظ نہیں ظاہر ہے کہ ان کا بیان تو زبانی ہی قصہ ہے اور جن کے پاس نسب نامہ ہے اس میں بھی اوپر سے اشتباہ ہے، کوئی تحقیقی بات نہیں چنانچہ ہم لوگ تھانہ بھون کے فاروقی مشہور ہیں، مگر تاریخ سے اس میں شبہ ہوتا ہے اس لیے کہ ابراہیم بن ادہم اس سلسلہ میں موجود ہیں اور ان کے بارے میں اختلاف ہے، کوئی ان کو فاروقی لکھتا ہے کوئی عجلی، کوئی تمیمی، کوئی سید زیدی لکھتا ہے۔[1]

خود اس پر کوئی دلیل کافی نہیں کہ یہ مفتخرین (نسب پر فخر کرنے والے حضرات) جس جد (دادا) کی طرف منسوب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ دعویٰ صحیح بھی ہے بلکہ بعض قرائن سے اس کے خلاف کا شبہ ہوتا ہے۔[2]

زبردستی کے نسب نامے

بعض لوگ عرفاً شریف نہیں ہیں مگر زبردستی اپنے کو اصطلاحی شریفوں میں داخل کرتے ہیں اور اپنے لیے غیر معروف نسب اور دلیل سے غیر ثابت (نسب کا) محض اٹکل سے دعویٰ کرتے ہیں حدیث میں ایسے مدعی پر لعنت آئی ہے۔

بعض نے تو (محض اٹکل سے) اپنے کو شریف ثابت کرنا چاہا ہے، چنانچہ ایک قوم نے اپنا عرب ہونا ثابت کیا ہے اور کہا کہ ہماری اصل راعی ہے چونکہ یہ لوگ جانور پالتے ہیں اس لئے ان کو راعی کہا گیا پھر عوام کی غلطی سے لفظی تغیر ہو گیا۔

اسی طرح بعض لوگوں نے اپنے کو خالد بن ولید کی اولاد میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح وہ عرب بننا چاہتے ہیں مگر اس ترکیب میں تکلف ہے کیونکہ تاریخ سے تو اس کا کچھ ثبوت ملتا نہیں محض قیاسات بعیدہ سے کام لینا پڑتا ہے جس سے

[1] حقوق الزوجین اصلاح النساء، ص:۱۹۲۔ [2] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۱۰۹۔

ہر شخص کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات بنائی ہوئی ہے[۱]

ہندوستان میں نسب کی بنیاد پر کفوٗ میں کس طرح لحاظ ہوگا

فرمایا: ہندوستان میں نسب ناموں کا بھی عجیب قصہ ہے معلوم نہیں لوگوں نے کہاں سے اخذ کر لیے ہیں، کوئی اپنے کو عباسی کہتا ہے، کوئی فاروقی، کوئی صدیقی بتاتا ہے اور جس قدر تحقیق کیجئے اسی قدر اختلاف بڑھتا چلا جاتا ہے، اصل بات معلوم ہی نہیں ہوتی۔

ایک صاحب نے کہا: اگر یہ نسبت نہ کی جائے تو کفوٗ کا لحاظ کیسے ہو؟ فرمایا کہ عرفی وجاہت اور موجودہ حالت پر نظر کر کے لحاظ ہوگا گذشتہ انساب کی تحقیق پر مدار نہ ہوگا۔

پھر فرمایا کہ ہم کو قرآن شریف نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونا بتلایا ہے اس لیے یہ جزء تو یقینی ہے ورنہ نسب ناموں کے اختلاف پر نظر کر کے اس میں بھی شبہ ہی رہتا ہے[۲]

ہندوستان میں قوم و برادری کے اعتبار سے کفاءت معتبر ہے یا نہیں؟

سوال: ہندوستان میں جو قوم پٹھان راجپوت وغیرہ ہیں ان کے یہاں سخت عار ہے کہ ایک قوم دوسرے کے یہاں نکاح کرے، اگر ایسا واقعہ کہیں ہو جاتا ہے تو اسے خاندان سے گرا ہوا سمجھتے ہیں۔

اور فقہ کی کتب میں لکھا ہے کہ سوائے عرب کے اور قوم میں نسب کا اعتبار نہیں کیونکہ عجمی ضائع النسب ہیں (یعنی ان کا نسب محفوظ نہیں)۔

---

[۱] التبلیغ، ج:۱۸، ص:۲۱۵۔ [۲] حسن العزیز، ج:۳، ص:۱۹۔

اب سوال یہ ہے کہ جو قوم عجمی ہیں اور دوسری قوم کے مقابلہ میں فخر کرتے ہیں اور دوسرے کو اپنے برابر نہیں سمجھتے ہیں تو رواج وعرف کے مطابق ان میں کفاءت کا مسئلہ جاری ہوگا یہ نہیں۔؟

الجواب: (مذکورہ روایات کے مطابق) جب مدار عار وعدم عار ہے اور اقوام مذکورہ میں ایک دوسرے سے نکاح کرتے ہوئے عار ہوتی ہے پس کفاءت کا مسئلہ جاری ہوگا۔[1]

آج کل کفاءت میں نسب اور برادری کا بھی اعتبار ہے

روایات حدیثیہ[2] وفقہیہ سے ثابت ہوا کہ باہم عجم (یعنی عرب کے علاوہ ممالک) میں نسباً (باعتبار نسب کے) کفاءت میں معتبر نہ ہونا فقہاء نے لکھا یہ بھی مقید ہے اس کے ساتھ جب کہ عرف میں اس تفاوت (فرق) کا اعتبار نہ ہو، ورنہ ان میں بھی باعتبار نسب (اور باعتبار قومیت) کے معتبر ہوگا......اور مدار اس کا عرف پر ہے جس کا حدیث میں بھی اعتبار کیا گیا ہے۔[3]

انصاری اور قریشی باہم کفوٴ ہیں یا نہیں

انصاری قریشی میں سے تو نہیں ہیں لیکن باوجود قریشی نہ ہونے کے چونکہ عالمگیری میں قول صحیح اس کو کہا ہے کہ عرب سب باہم کفوٴ ہیں اس لیے قریشی وانصاری کفوٴ سمجھے جائیں گے۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کفاءت کا اعتبار دفع عار کے لیے ہے اور عار کا مدار عرف پر ہے، عرفاً (آج کل) انصاری قریشی کے برابر سمجھا جاتا ہے اور متقدمین کے زمانہ میں گو مساوات نہ ہوگی۔ (مگر آج کل ہے) اس لیے اختلاف زمانہ سے یہ حکم بدل گیا۔[4]

---

[1] امدادالفتاویٰ ۲/۳۷۱۔ [2] روایات اصل کتاب امدادالفتاویٰ میں ملاحظہ فرمائیں۔ [3] امدادالفتاویٰ، ج:۲،ص:۳۶۸۔ [4] ایضاً، ج:۲،ص:۳۷۱۔

خلاصۂ کلام

کفاءت کے متعلق ایک مولوی صاحب کے جواب میں فرمایا کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کفاءت کی قید معلل ہے علت کے ساتھ اور وہ علت عرفی عزت و ذلت ہے، مثلاً شیخ زادہ چاہے، فاروقی ہو یا صدیقی ہو یا انصاری ہو یا عثمانی ہو ان کے آپس میں تناکح (نکاح کرنا) عرف میں موجب استنکاب (عرفی ذلت کا باعث) نہیں پس یہ سب باہم کفوٴ ہوں گے، ان میں اس کی بھی قید نہیں ہوگی کہ ماں عربی النسل ہو کیونکہ عزت میں یہ سب برابر سمجھے جاتے ہیں[1]

عجمی عالم عربی عورت کا کفوٴ نہیں

گو بعض فقہاء نے عجمی عالم کو عربیہ کا کفوء کہا ہے مگر درمختار میں تصریح ہے عجمی مرد عربی عورت کا کفوٴ نہیں ہوسکتا اگر چہ وہ عجمی عالم یا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو اور یہی قول زیادہ صحیح ہے[2]

ایک عام غلطی

ایک (عام) کوتاہی یہ ہے کہ بعض دیہاتی لوگ تمام پردیسیوں کو رذیل اور ذلیل سمجھتے ہیں گویا ان کے نزدیک شرافت چند بستیوں میں منحصر ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، اسی وجہ سے اگر کوئی شخص باہر سے کوئی نکاح کر کے لے آئے تو برادری کی عورتیں ہرگز اس کو اپنے برابر نہیں سمجھتیں، پھر اس کی اولاد کی شادی برادری میں مصیبت ہوجاتی ہے[3]

---

[1] الافاضات الیومیہ، حصہ سوم قدیم، ص:۲۰۰۔ [2] اصلاح انقلاب، ۲/۱۱۱، فتح القدیر و درمختار۔
[3] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۱۱۰)۔

فصل (۴)

دین کے اعتبار سے کفاءت (برابری)

منجملہ ان اوصاف کے جن کا شریعت نے کفاءت میں اعتبار فرمایا ہے ایک دین بھی ہے اور اس میں بھی نسب کی طرح عورت کا مرد سے کم (درجہ کا) ہونا مضر نہیں، البتہ مرد کا عورت سے کم ہونا مضر ہے، اور مرد کی بد دینی تین طرح کی ہے، ایک اعتقادی اصولی، دوسری اعتقادی فروعی، تیسری اعتقادی عملی۔

پہلی قسم: جیسے عورت مسلمان ہو اور مرد غیر مسلمان ہو خواہ یہودی نصرانی ہو یا مجوسی بت پرست و دہری، اس کا حکم ظاہر ہے کہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

دوسری صورت: جیسے عورت سنیہ ہو اور مرد مبتدع (بدعتی) ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کی بدعت حد کفر (وشرک) تک پہنچ جائے مثلاً اس زمانہ میں مرزا کے نبوت کا قائل ہونا (قادیانی ہونا) تو اس شخص کا حکم پہلی قسم کی طرح ہے یعنی ایسے شخص سے سنی عورت کا نکاح جائز نہیں۔

اور اگر اس کی بدعت حد کفر وشرک تک نہیں پہنچی تو وہ شخص مسلمان تو ہے لیکن سنیہ کا کفوٴ نہیں۔

مختلف فیہ صورت

ایک صورت اس میں اور بھی ہے وہ یہ کہ بعض بدعتی فرقوں کے کفر میں علماء کا اختلاف ہے (جیسے آج کل قبر پرست عوام بدعتی) سو مکفرین (کافر قرار دینے والوں) کے نزدیک تو سنیہ کا نکاح ایسے شخص سے باطل ہے اور غیر مکفرین کے نزدیک یہ نکاح

غیر کفوٗ میں ہے۔

احقر کا معمول اس مختلف فیہا میں یہ فتویٰ دینے کا ہے کہ جب تک نکاح نہ ہوا ہو بطلان نکاح (نکاح کے باطل ہونے) کے قول پر عمل لازم ہے کیونکہ اس میں احتیاط ہے کہ ایک خوش اعتقاد (اچھی عقیدہ والی) عورت بداعتقاد مرد سے متعلق ہو اور بداعتقاد بھی ایسا جس کی بداعتقادی بعض کے نزدیک حد کفر تک پہنچی ہے۔

اور جب نکاح ہو چکا تو صحت نکاح کے قول کو اخذ کرنا (یعنی یہ کہ نکاح صحیح ہے) لازم ہے کیونکہ اب اسی میں احتیاط ہے کیونکہ اگر اس صورت میں بطلان کا قول لیا گیا اور اس بناء پر دوسرے سے نکاح کر دیا جائے تو احتمال ہے کہ وہ پہلا نکاح صحیح ہو گیا ہو تو یہ دوسرا عقد ہمیشہ کے لیے زنا ہوا کرے گا تو ایک دین دار عورت کا عمر بھر کے لیے زنا میں مبتلا ہونا لازم آئے گا اور صحت نکاح کے قول پر اس احتمال کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

تیسری صورت: فاسق مرد صالحہ (نیک) عورت کا کفوٗ نہیں اور بعض فقہاء کے قول کے مطابق نیک آدمی کی بیٹی بھی صالحہ (نیک) کے حکم میں ہے۔

جیسے عورت صالحہ ہو اور مرد فاسق ہو تو یہ مرد اس عورت کا کفوٗ نہیں، بعض فقہاء کے نزدیک فاسق مُعلن (جس کا فسق علانیہ ظاہر ہو) ہونا بھی شرط ہے اور غیر کفوٗ کے ساتھ نکاح (ہونے) نہ ہونے کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی ہے[1]

ضروری تنبیہ

لڑکے کے مسلمان ہونے کی تحقیق ضروری ہے

یہ امر بھی قابل تنبیہ ہے کہ آج کل نو تعلیم یافتہ طبقہ میں بعض لوگ ایسے آزاد اور بے باک ہوتے ہیں جو بلا تکلف ملاحدہ کی تقلید کی بدولت یا نفس پرستی و خودرائی کی وجہ

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲ص:۱۱۳، ۱۱۴۔

سے قطعی احکام میں مخالفانہ کلام کرتے ہیں، کسی کو رسالت میں کلام ہے کسی کو نماز روزہ کے احکام پر نکتہ چینی ہے، کسی کو واقعات قیامت میں شبہات ہیں، سو خوب سمجھ لو ایسا آدمی کافر ہے خواہ وہ اپنے کو مسلمان ہی سمجھتا ہو۔

اور مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے نہیں ہوتا یا اگر مسلمان ہونے کے بعد کوئی ان امور میں سے مرتکب ہوا (یعنی ایسی حرکت کرے) تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور عمر بھر حرام کاری ہوتی ہے، پس بے حد ضروری ہے کہ نکاح کے قبل داماد صاحب کی ڈاڑھی اور فیشن کو اگر نہ دیکھو تو اس کے مسلمان ہونے کی تحقیق تو کر لیا کرو، اور نکاح کے بعد ایسا امر پیش آئے تو توبہ کرا کر تجدید نکاح کرا دیا کرو[1]

اس زمانہ میں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ لڑکا گمراہ فرقوں سے متعلق تو نہیں

اس بارے میں سخت احتیاط لازم ہے خصوصاً اس کی تحقیق نکاح سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ ناکح (لڑکا) کسی گمراہ فرقہ کے عقائد کا معتقد تو نہیں ہے؟ اور قدیم گمراہ فرقوں میں سے نہ ہونے پر بھی قناعت نہ کی جائے، آج کل روزانہ نئے نئے فرقے نکل رہے ہیں اور زمانہ آزادی کا ہے اس لیے اس شخص کی ان نئے .... فرقوں میں سے نہ ہونے کی مستقل تحقیق ضروری ہے۔

اسی طرح اگر وہ انگریزی خواں ہے تو دیکھ لیا جائے کہ جدید تعلیم کے اثر سے اس کی آزادی استخفاف (یعنی دین کو ہلکا اور گھٹیا سمجھنے) یا ضرورتِ دین کا انکار کرنے تک تو نہیں پہنچ گئی، ورنہ اگر ایک کلمہ بھی کفر کا منہ سے نکل گیا تو بغیر تجدید اسلام و تجدید نکاح کے حرام کا ارتکاب ظاہر ہے جس کو نہ غیرت قبول کرتی ہے نہ حمیتِ اسلامی[2]

---

[1] ایضا، ج:۲، ص:۳۹۔ [2] اصلاح انقلاب، ص:۱۱۵۔

عیسائی یا یہودی عورت سے نکاح کرنا

بعض لوگ بلادیورپ سے ایسی عورت نکاح کر کے لاتے ہیں جو صرف قوم کے اعتبار سے عیسائی ہوتی ہے اور مذہب کے اعتبار سے محض لا مذہب (جس کا کوئی مذہب نہیں) ایسی عورت سے ہرگز نکاح صحیح نہیں ہوتا۔

اور بعض لوگ گو عیسائی عورت لاتے ہیں مگر اس سے اس قدر مغلوب ہوجاتے ہیں کہ رفتہ رفتہ اپنے مذہب سے اجنبی ہوجاتے ہیں اور اس کا واجب التحرز (یعنی بچنے کا واجب ہونا) بھی ظاہر ہے۔[۱]

اس زمانہ میں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ لڑکا مسلمان ہے یا کافر

اب وہ زمانہ ہے کہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ داماد صاحب مسلمان ہیں یا کافر، بجائے اس کے کہ پہلے یہ دیکھا جاتا تھا کہ نیکوکار ہے یا بدکار، کیونکہ مسلمان عورت سے نکاح کے واسطے شرط ہے مسلمان ہونا، مسلمان عورت اور کافر مرد کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

افسوس کہ آج کل جن لڑکوں کو بیٹیاں دی جاتی ہیں بعض لوگ ان میں سے جدید تعلیم کے اثر سے ایسے آزاد منش ہیں کہ ان کو دین ایمان سے کچھ بھی تعلق نہیں رہا (صرف نام کے مسلمان ہیں) زبان سے کلماتِ کفر بک جاتے ہیں، اور کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور پھر ان ہی سے ایک مسلمان لڑکی کا نکاح پڑھوایا جاتا ہے اور سب گھر والے خوش ہوتے ہیں کہ ایک مسنون طریقہ ادا کیا جارہا ہے، اس سنت کے لیے موقوف علیہ (شرط) ہے ایمان، افسوس کہ نوشہ صاحب جانے کتنی دفعہ اس سے خارج ہوچکے ہیں۔

ایک نیک بخت لڑکی انگریزی خواں سے بیاہی گئی جو ایک مجمع میں زبان سے یہ لفظ کہہ رہے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی بہت بڑے ریفارمر تھے اور مجھ کو آپ

[۱] اصلاح انقلاب، ص:۱۱۴۔

سے بہت تعلق ہے، لیکن ''رسالت'' یہ ایک مذہبی خیال ہے، **نعوذ بالله من ذلک**۔
یہ کلمۂ کفر ہے اس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے یہ مسئلہ اگر لڑکی والوں کو بتلایا جاتا ہے تو الٹے لڑنے کو سیدھے ہوتے ہیں کہ ہمارے خاندان کی ناک کٹواتے ہیں[1]

مال یا خاندان کی مصلحت سے بددین سے نکاح کردینا

بعض لوگ مال یا جاہ کی لالچ میں یا دیگر خاندانی مصلحتوں کے سبب سے اپنی لڑکیوں کا کسی بدعقیدہ یا بدعمل مرد سے نکاح کردیتے ہیں اور وہ بداعتقادی حد کفر تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے تو ظاہری کلفت کے علاوہ عمر بھر کے لیے یہ خرابی لازم آتی ہے کہ زنا کا ارتکاب لازم آتا ہے، پھر اگر اولاد ہوئی وہ بھی غیر حلالی (حرامی) اور اگر حد کفر تک نہ بھی پہنچے تب بھی ہر وقت روحانی عذاب رہتا ہے[2]

دینداری کی بنیاد پر رشتہ کرنے کی وجہ

وجہ اس کی ظاہر ہے کہ نکاح جن مصلحتوں کے واسطے موضوع اور مشروع ہوا ہے وہ زیادہ تر سب باہمی موافقت، آپسی محبت اور دوستی پر موقوف ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ آپسی محبت اور دوستی میں جس قدر دین کو دخل ہے اتنا کسی چیز کو نہیں کیونکہ سوائے دین کے سب تعلقات ختم ہوجاتے ہیں حتی کہ قیامت میں جو کہ تمام تعلقات کے ختم ہوجانے کا وقت ہے۔

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَاب. (سورہ بقرہ آیت:۱۶۶ پ۲)
اور ان میں جو رشتے ناتے تھے اس روز نہ رہیں گے

مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. (سورہ عنکبوت آیت:۲۵ پ:۲۰)
قیامت میں تمہارا یہ حال ہوگا کہ ایک دوسرے کا مخالف ہوگا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا۔

---

[1] منازعۃ الھوی حقوق الزوجین، ص:۴۵۸۔ [2] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۱۱۴

لیکن یہ دینی تعلق اس وقت بھی ختم نہ ہوگا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ. (سورہ زخرف، پ۲۵)

تمام دنیوی دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے سوائے دین دار متقی لوگوں کے۔[1]

وجہ اس کی یہ ہے کہ دین سے خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے اور جس کے قلب میں خدا کا خوف ہوگا وہ اس قدر چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھے گا کہ اس سے احتمال ہی نہیں ہوگا کہ وہ ذرا بھی کسی کا حق ضائع کردے، یا کسی کو اس سے تکلیف پہنچے یا وہ اپنی غرض کو دوسرے کے حق پر مقدم کرے، یا کسی کی بدخواہی کرے، یا کسی کو دھوکا دے اور اس سے بڑھ کر کون سی تہذیب ہوگی؟[2]

دین دار آدمی کا بد دین عورت سے نکاح مناسب نہیں

بعض آدمی بازاری عورتوں سے نکاح کرلیتے ہیں گو نکاح صحیح بھی ہوجاتا ہے اور بلاوجہ اس پر بدگمانی بھی نہ کرنا چاہئے کہ یہ اب بھی آوارہ ہی ہے۔

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ متدین (دیندار) آدمی کے لئے خلاف احتیاط ضرور ہے، اسی واسطے شریعت مطہرہ نے ایک درجہ اس کو نامناسب قرار دے کر قانون مقرر فرمایا ہے۔

الزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ. (سورہ نور: پ ۱۸)

یعنی زانی شخص نکاح نہ کرے کسی کے ساتھ بجز زانیہ اور مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے کوئی شخص سوائے زانی یا مشرک کے۔

اگرچہ نصوص کے عموم اور دلائل کے اطلاق سے یہ تحریم نفی کے درجہ میں نہیں کہ

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۳۸۔ [2] اصلاح انقلاب،ص:۴۸۔

نکاح منعقد ہی نہ ہو بلکہ نہی کے درجہ میں ہے (یعنی نکاح منعقد ہو جاتا ہے) لیکن جب اس کی ناپسندیدگی کا مدار اس کا زانیہ ہونا ہے سو جہاں یہ یقینی ہوگا وہاں ناپسندیدگی بڑے درجہ میں یعنی حرمت کی ہوگی اور جہاں محتمل ہوگا وہاں ناپسندیدگی کم درجہ کی ہوگی۔

اور حدیث ''تَخَیَّرُوْا لِنُطُفَتِکُم'' میں اس کی صریح تائید ہے (یعنی یہ کہ اپنے نطفہ کے لیے پسندیدہ عورتوں کا انتخاب کرو) کسی نبی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایسی عورت پسند نہیں فرمائی جو اس میں کبھی بھی ملوث ہوئی ہو گو توبہ ہی کر لی ہو اور یہی معنیٰ ہیں اس آیت شریفہ کے ''اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ'' پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں۔

البتہ اگر خالص توبہ کرے جس میں وہ احتمال نہ رہے اور اس کو کوئی قبول نہ کرے تو اس کی عفت کی حفاظت کے لیے یا جب اس شخص کو اس سے عشق و محبت ہو تو یہ موقع اس سے مستثنیٰ ہے لعموم قولہ علیہ السلام ''**لم یر للمتحابین مثل النکاح**''[1]

---

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۵۱۔

فصل (۵)

عمر کے لحاظ سے کفاءت (برابری)

آج کل عورتوں کے حقوق میں لوگوں نے بہت کوتاہی کر رکھی ہے مثلاً بچی کا نکاح بوڑھے سے کر دیتے ہیں جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر شوہر مر جاتا ہے تو لڑکی کی مٹی خراب ہوتی ہے۔ اور کہیں دوسری طرح ظلم ہوتا ہے کہ بچہ سے جوان عورت کا نکاح کر دیتے ہیں، یہاں ایک نکاح ہوا ہے، لالہ چھوٹا بہو بڑی کہ دونوں کی عمر میں اتنا تفاوت (فرق) کہ اگر اس عورت کے پہلوٹا لڑکا ہوتا تو شاید وہ اس کے برابر ہوتا مجھے یہ ناگوار ہوا۔ مگر یہ ناگواری اس وجہ سے نہ تھی کہ وجوبِ حرمت تک پہونچی ہو بلکہ صرف کراہت طبعی اور عقلی تھی کیونکہ اگر عمر میں مناسبت ہو تو اس سے انسیت ہوتی ہے[1]

شوہر بیوی میں عمر کا تناسب ایک شرعی چیز ہے

میرا مقصود یہ ہے کہ ہم عمری کی رعایت بہت ضروری ہے خاص کر زوجین (میاں بیوی) میں یہ امر طبعی تو ہے ہی مگر کسی قدر شرعی بھی ہے اور شریعت میں بھی قابل التفات ہے.........قرآن پاک میں ہے ''قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ اَتْرَابًا'' آیا ہے یعنی حوروں کی ہیئت ایسی ہوگی جیسے ہم عمر ہوتے ہیں دوسری آیت میں ہے'' اِنَّا اِنْشَأْنٰھُنَّ اِنْشَاءً''.............. عُرُبًا اَتْرَابًا (یعنی ہم نے اٹھایا ان عورتوں کو اچھے اٹھان پھر کیا ان کو کنواریاں پیار دلانے والیاں ہم عمر)۔

غرض تفاوت عمر کے اثر سے اجنبیت ہوتی ہے، آپ دیکھئے بچہ سے بچہ کو جیسی

---

[1] دعوات عبدیت عضل الجاہلیۃ، ص:۲۵۶۔

محبت ہوتی ہے بڑے سے نہیں ہوتی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا کیونکہ یہ شرف ان کو حاصل تھا، ان حضرات کی صاحبزادیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں داخل تھیں، یہ شرف بھی ان کو حاصل ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بنیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّهَا لَصَغِيْرَةٌ کہ وہ کم سن بہت ہے ان حضرات کی عمر زیادہ تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تناسب بین العمرین کی رعایت فرما کر دونوں صاحبوں کی درخواست رد فرمادی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے قصہ سے مقصود یہ تھا کہ حضرات شیخین سے شادی کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عذر فرمایا تھا کہ وہ بچی ہے ایک جزء تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر لڑکی چھوٹی ہو تو شوہر کی عمر زیادہ نہ ہونا چاہئے اور بے جوڑ شادی مناسب نہیں [۱]

لڑکا لڑکی کی عمر میں کتنا فرق ہونا چاہئے؟

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر شادی کے وقت ساڑھے پندرہ سال کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اکیس برس کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ دولہا دولہن کی عمر میں تناسب بھی ملحوظ رکھنا مناسب ہے اور بہتر یہ ہے کہ دولہا کسی قدر دلہن سے عمر میں بڑا ہو [۲]

حکماء نے کہا ہے کہ اگر عورت کچھ چھوٹی ہو تو مضائقہ نہیں اور اس میں راز یہ ہے کہ عورت محکوم ہوتی ہے اور مرد حاکم، نیز عورت کے قُویٰ (اعضاء) ضعیف ہوتے ہیں اور اسی لیے جلدی بوڑھی ہو جاتی ہے اگر دو چار سال کا تفاوت ہو تو کھپ سکتا ہے [۳]

---

۱ دعوات عبدیت عضل الجاہلیۃ۔ ۲ اصلاح الرسوم، ص:۹۰۔ ۳ حقوق الزوجین، ص:۳۷۱۔

بے جوڑ شادی میں لڑکی کو انکار کر دینا چاہئے

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر ہزاروں رحمتیں ہوں وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس پر کسی کا اختیار نہیں رہتا، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مگر اتفاق سے امام صاحب کا فتویٰ بالکل مصلحت کے موافق ہے۔

آج کل اس کو بے شرمی سمجھتے ہیں کہ ماں باپ نکاح کرنا چاہیں اور لڑکی انکار کر دے حالانکہ استدعا (شادی کی فرمائش کرنا) بے شرمی ہے، انکار کرنا بے شرمی نہیں بلکہ یہ تو عین حیا ہے کہ بیاہ کے نام کو پسند نہیں کرتی، دیکھ لو یہ عقل کی بات ہے یا نہیں تو ایسے مواقع میں لڑکیوں کو ضرور انکار کر دینا چاہئے[1]

کم عمر لڑکی کا زیادہ عمر والے سے رشتے کرنے کے مفاسد

اگر لڑکی کم سن اور مرد مسن (زیادہ عمر والا) ہو تو غالب یہ ہے کہ وہ بے چاری بہت جلد بیوہ ہو جائے گی.............لوگ ہم عمری کا قطعی خیال نہیں کرتے، بے زبان لڑکی یعنی کنواری یا مثل کنواری غیر ذی رائے تیرہ تیرہ برس کی لڑکیوں کو ساٹھ ساٹھ برس کے بوڑھوں کے ساتھ بیاہ دیتے ہیں یہاں بھی وہی مفاسد ہوتے ہیں کہ

(۱) اگر عورت عفیفہ پاکدامن اور خود کو پارسا رکھنے والی ہوئی تب تو وہ تمام عمر کے لیے قید میں مبتلا ہوئی۔

(۲) اور اگر اس صفت سے خالی ہوئی تو بدکاری میں مبتلا ہوئی اور دونوں حالتوں میں میاں بیوی میں ناگواری، رنجش اور نااتفاقی (ضرور ہوگی) دوسری صورت میں دونوں کی بے آبروئی بلکہ دونوں کے خاندان کی بھی ساتھ ساتھ رسوائی ہے۔

(۳) اور سب سے بڑا مفسدہ یہ ہے کہ اکثر بوڑھا پہلے مر جاتا ہے اور وہ

[1] عضل الجاہلیۃ، ص: ۳۷۰۔

مظلومہ اکثر رسم و رواج میں عار ہونے کی وجہ سے بیوہ بیٹھی رہتی ہے، بعض اوقات یہ غریب کھانے پینے سے محتاج ہو جاتی ہے، اگر عرفی شرافت ہے تو کسی کی مزدوری نہیں کر سکتی، اور اگر مزدوری گوارہ کی تو دوسرے کے گھر بعض اوقات رہنا پڑتا ہے اور چونکہ اس کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا برے خیالات کے لوگ اس بے چاری کے درپے ہوتے ہیں اور کبھی ترغیب (لالچ) سے اور کبھی ترہیب سے (ڈرا دھمکا کر) اور کبھی کسی حیلہ بہانہ سے اس کی آبرو اور دین خراب کر دیتے ہیں خاص کر جب اس (عورت) میں بھی نفسانی تقاضا ہو[1]

کم سن لڑکے کا عمر رسیدہ لڑکی سے شادی کرنے کی خرابی

بعض قوموں میں اس کے عکس کا بہت رواج ہے یعنی لڑکا چھوٹا ہوتا ہے اور لڑکی بڑی..... بعض بے وقوف ایسا کر دیتے ہیں کہ لڑکا چھوٹا اور لڑکی بہت بڑی اب لڑکی تو پہلے جوان ہوگئی اور لڑکا ابھی چوں چوں کا بچہ ہے بلکہ کہیں اتنا تفاوت ہوتا ہے کہ لڑکا اس کی گود میں کھلانے کے لائق ہوتا ہے .... ان بے عقلوں نے یہ نہ دیکھا کہ سب تعلقات کی بنیاد زوجین کا توافق (باہمی موافقت) ہے اور اس صورت میں خود اسی کی امید نہیں۔

چنانچہ ایسے مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ لڑکی میں جوانی کا تقاضا پیدا ہو گیا اور لڑکا کسی قابل ہی نہیں پس یا تو وہ کسی اور سے خستہ و خراب ہوگئی، یا گھٹ گھٹ کر تپ دق (ٹی بی جیسی بیماری) میں مبتلا ہوگئی، اور پھر اگر وہ جوان بھی ہو تو اس کے جوڑ کا نہیں ابتدائی نفرت کا اثر موجود اور اس سے بڑھ کر یہ کہ شوہر کی عزت ختم[2]

اگر لڑکی چھوٹی ہوئی تو وہ جب ضعیف ہونا شروع ہوگی تو چونکہ مرد کی عمر اس سے زیادہ ہے وہ بھی ضعیف ہوگا تو دونوں ساتھ ساتھ بوڑھے ہوں گے (کیونکہ عورت جلد بوڑھی ہو جاتی ہے) تو باوجودیکہ عقل اس کو جائز رکھتی ہے مگر پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ

[1] اصلاح انقلاب، ص:۲۴۔ [2] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۴۴۔

وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا تو لڑکے کی عمر کم اور لڑکی کی زیادہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کس طرح پسند ہوگا جو بالکل عقل کے بھی خلاف ہے۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شوہر حاکم ہوتا ہے اور عورت مرد سے پہلے بوڑھی ہو جاتی ہے تو جب عورت کی عمر زیادہ ہے تو شوہر سے بہت پہلے بوڑھی ہو جائیگی تو اماں جان پر حکومت کرتے ہوئے کیا اچھا لگے گا لامحالہ وہ دوسری لائے گا، اور عیش تلخ ہوگا، بعض قوموں میں تو یہ آفت ہے کہ لڑکا نابالغ اور لڑکی پوری جوان اور دونوں کا نکاح ہو جاتا ہے پھر اخیر میں رسوائی ہوتی ہے[1]

[1] حقوق الزوجین، ص:۳۷۱۔

فصل (۶)

مال کے اعتبار سے بھی مساوات ہونا بہتر ہے

اگر مفلس غریب عورت سے شادی ایک مصلحت کے حاصل کرنے اور ایک مضرت سے بچنے کی وجہ سے نہ کی جائے تو وہ نازیبا نہیں بلکہ مناسب ہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ مفلس (غریب عورت) میں دو امر کی کمی ہوتی ہے ایک سلیقہ کی دوسرے سیر چشمی کی، پس سلیقہ کی کمی سے اس میں خدمت کی لیاقت نہیں ہوتی اور اس سے تکلیف ہوتی ہے اور سیر چشمی کی کمی سے بعض اوقات ضروری خرچوں میں تنگی کرتی ہے، (یعنی اپنے فطری مزاج کے اعتبار سے بخل سے کام لیتی ہے) جس سے اہل حقوق کے حقوق بھی ضائع ہوتے ہیں اور بعض مقامات پر شرمندگی بھی ہوتی ہے، کسی مہمان کو روٹی کم دے دی، کسی سائل حاجت مند کو محروم کر دیا، اور اگر وہ بچپن سے کھانے پینے دینے کھلانے پکانے میں رہی ہوگی تو راحت وانتظام کی زیادہ امید ہے۔

اور وہ مضرت (نقصان) یہ ہے بعض کو دیکھا گیا ہے کہ اچانک مال ودولت (کی کثرت) کو دیکھ کر آنکھیں پھٹ جاتی ہیں اور اچھلنے لگتی ہیں، اور سلیقہ ہوتا نہیں پس بے تمیزی سے اس کو اڑانا شروع کر دیتی ہیں چنانچہ اکثر نو دولتوں (نئے مالداروں) کو یا بخل کی بلا میں مبتلا پایا یا اسراف میں، ان میں اعتدال کم ہوتا ہے کیونکہ اموال سے منتفع ہونے کی عادت نہیں تھی، جو اعتدال سیکھتی اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاوند کے گھر سے اس کو محبت نہیں ہوتی، نقد الگ، جنس الگ، کبھی ظاہر میں خفیہ (چھپا کر) جس طرح بن پڑتا ہے اپنے میکہ والوں کو بھرنا شروع کر دیتی ہے، اور عمر بھر یہی نزلہ بہتا رہتا ہے اور اس سے گھر میں بے برکتی ہوتی ہے مرد کما تا کما تا تھک جائے مگر وہ اڑانے سے نہیں تھکتی

اس لیے مناسب یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے برابر والوں میں نکاح کا تعلق کرے تا کہ سب مصلحتیں محفوظ رہیں، اور کسی کی طبیعت ہی خاص رنگ کی ہو اس کا ذکر نہیں [۱]

غریب گھر کی لڑکی سے شادی کرے یا مالدار گھر کی لڑکی سے

پہلے تو عقلاء کی یہ رائے تھی کہ غریب کی لڑکی سے شادی کرنا چاہئے مگر ان واقعات کی وجہ سے (جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا اور آگے بھی آرہا ہے) اب بہت لوگوں کی رائے یہ ہے کہ غریب کی لڑکی ہرگز نہ لینی چاہئے کیونکہ وہ اپنے ماں باپ کو غریب دیکھ کر شوہر کا سارا مال لگا دیتی ہے۔

خیر میں تو یہ رائے نہیں دیتا، میری رائے تو یہ ہے کہ آدمی اپنے برابر کی لڑکی سے شادی کرے کیونکہ اگر اپنے سے زیادہ امیر کی لڑکی سے شادی کی تو وہ حریص نہ ہوگی نہ اپنے گھر والوں کی بھرے گی، مگر بد دماغ ہوگی اور شوہر کی اس کی نگاہ میں کچھ قدر نہ ہو گی۔ اور غریب کی لڑکی سے کیا تو وہ حریص بھی ہوگی ہر ایک چیز کو دیکھ کر اس کی رال ٹپکے گی اور اپنے عزیزوں کو بھی بھرے گی۔

خیر یہ بات تو تجربہ کے متعلق ہے میرا مطلب یہ ہے کہ عورتیں مال کے صرف کرنے میں ایسی بے احتیاطیاں کرتی ہیں جن کی وجہ سے عقلاء کو یہ سوچ پیدا ہو گئی کہ امیر کی لڑکی لینا چاہئے یا غریب کی .... اور اس بے احتیاطی کی وجہ سے نوبت یہ پہنچ گئی کہ اب بہت سے عقلاء غریب کی لڑکی لینے کو برا سمجھتے ہیں [۲]

[۱] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۴۳۔ [۲] دین ودنیا، اسباب الغفلة، ص:۴۹۵۔

باب (۵)

لڑکے اور لڑکی کا انتخاب

فصل (۱)

شادی کے لیے لڑکا کیسا ہونا چاہئے

فرمایا: لڑکی کے نکاح کے باب میں اس کا لحاظ ضروری ہے کہ لڑکے کو دیندار دیکھ لیا جائے، بغیر دین داری کے حقوق کی ادائیگی نہیں ہوتی، جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ دین دار نہیں ہیں ان کے حقوق کی ادائیگی کی پرواہ بھی نہیں اگر چہ لڑکا کیسا ہی صاحب کمال ہو، لیکن متدین (دین دار) نہ ہو تو اس کے ساتھ لڑکی کی شادی ہرگز نہ کرے۔[1]

جب تک آدمی دین کا پابند نہ ہو اس کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں کیونکہ اس کا کوئی کام حدود کے اندر تو ہوگا نہیں، اگر دوستی (ومحبت) ہوگی تو حدود سے باہر، اگر دشمنی (اورنفرت) ہوگی تو وہ بھی حدود سے باہر، جب حدود ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص سخت خطرناک ہوگا ہر چیز کو اپنے درجہ پر رکھنا یہی بڑا کمال ہے۔[2]

---

[1] ملفوظات خبرت، ج:۳، ص:۳۲۔ [2] الافاضات، ج:۸، ص:۲۰۲۔

دینداری کی تعریف

لوگوں کو یہی خبر نہیں کہ دین کے کیا کیا اجزاء ہیں اس لیے دین کو صرف نماز وروزہ میں منحصر کر رکھا ہے، یہی پہلی غلطی ہے، خوب سمجھ لینا چاہئے کہ دین کے اصولی اجزاء پانچ ہیں: (۱) عقائد۔ (۲) عبادات۔ (۳) معاملات۔ (۴) معاشرت۔ (۵) تہذیبِ اخلاق یا تربیت نفس [۱]

حسین (خوبصورت) وہ ہے جس کی ناک کان آنکھ سب ہی حسین ہوں، سب چیزیں موزوں یا متناسب ہوں اگر سب چیزیں اچھی ہوں مگر آنکھوں سے اندھا ہو یا ناک کٹی ہو تو وہ حسین نہیں اسی طرح دین دار وہ ہے جو دین کے تمام شعبوں کا جامع ہو[۲]

آخر معاشرت کی درستگی بھی تو دین کا شعبہ ہے مگر اکثر لوگ اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں، اور وظیفوں کو (دینداری) اور ضروری سمجھتے ہیں آدابِ معاشرت کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اگر معاشرت ٹھیک ہو، اور پانچ وقت کی نماز پڑھے تو (ایسا شخص دین دار ہے) ولایت اس کے لیے رکھی ہوئی ہے[۳]

ایک بزرگ کا یہودی سے مشورہ

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کی ایک لڑکی تھی جس کی شادی کے پیغام بکثرت آرہے تھے، انہوں نے اپنے ایک پڑوسی سے جو ایک یہودی تھا مشورہ کیا کہ میری لڑکی کے فلاں فلاں جگہ سے پیام آرہے ہیں تمہارے نزدیک کون سی جگہ اچھی ہے اس نے پہلے تو عذر کیا کہ آپ کو مجھ سے مشورہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ دین میں آپ کا مخالف ہوں مخالف کے مشورہ کا کیا اعتبار، تو بزرگ نے فرمایا کہ تم شریف آدمی ہو گو مسلم نہیں ہو اس لیے غلط مشورہ نہیں دو گے اس لیے تم بلا تکلف مشورہ دو۔

۱؎ حقوق العلم، ص:۶۔ ۲؎ تجدید تعلیم، ص:۲۲۷۔ ۳؎ حسن العزیز، ج:۲، ص:۶۳۔

تو یہودی کہنے لگا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تُنْکَحُ الْمَرْأَۃُ لِاَرْبَعٍ لِمَا لِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ“۔

عورت سے نکاح کرنے میں چار باتوں کو دیکھا جاتا ہے مال کو اور جمال کو اور حسب کو اور دین کو پھر آپ نے فرمایا کہ تم دین دار سے نکاح کرنے کی کوشش کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے مذہب اسلام میں سب سے زیادہ دیکھنے کی چیز دین ہے، تو میرے خیال میں جتنے لوگوں نے بھی پیام بھیجا ہے دین پورا پورا تو کسی میں بھی نہیں ہے، میرے نزدیک تو ایک طالب علم جو آپ کی مسجد میں رہتا ہے وہ بڑا دیندار ہے، ہر وقت خدا کے کام میں لگا رہتا ہے، پس آپ اپنی بیٹی کو اس سے بیاہ دیں انشاء اللہ برکت ہوگی، چنانچہ ان بزرگ نے ایسا ہی کیا اور عمر بھر ان کی لڑکی راحت سے رہی [1]

داماد بہنوئی بنانے کے لیے لڑکے میں کیا کیا دیکھنا چاہئے

ایک صاحب نے لکھا کہ لڑکیوں کی شادی کی بہت فکر ہے کوئی نسبت حسب منشاء نہیں آئی جس سے عقد کیا جائے اگر کہیں سے ڈاڑھی والے لڑکے کی بات آتی ہے تو نہایت غریب مفلوک الحال ظاہر ہوتے ہیں اور جس کو دال روٹی سے خوش دیکھا جاتا ہے تو وہاں ڈاڑھی صفاچٹ، کئی جگہ محض اسی وجہ سے انکار کر دیا گیا، دعاء کیجئے، حق تعالیٰ آبرو رکھے اور اس معاملہ میں شرمندگی کی نوبت نہ آئے، ہر شخص کہتا ہے کہ میاں اس کو چھوڑ دو آج کل ڈاڑھی بڑی مشکل سے ملے گی۔

جواب میں تحریر فرمایا:

واقعی بڑی مشکل ہے میں پختہ رائے تو نہیں دیتا لیکن میرا خیال یہ ہے کہ اس زمانہ میں پوری دینداری ڈاڑھی والوں میں بھی نہیں، پس ایک ڈاڑھی منڈانے کا گناہ

---
[1] التبلیغ، ج:۱۴، ۱۳۰۔

کرر ہا ہے دوسرا شہوت پرستی کا گناہ کرر ہا ہے تو محض ڈاڑھی لے کر کیا کریں گے، اگر ہو تو حقیقی دینداری ہو جو بہت عنقاء پس اس صورت میں اگر اس میں وسعت کی جائے (تو بہتر ہے)۔

(۱) یعنی صرف (چند چیزوں کو) دیکھ لیا جائے ایک یہ کہ اسلامی عقائد میں شک وشبہ نہ ہو یا تمسخر واستہزاء سے پیش نہ آئے۔

(۲) دوسرے طبیعت میں صلاحیت ہو کہ اہل علم اور بزرگوں کا ادب کرتا ہو۔

(۳) نرم خو ہو (یعنی مزاج میں نرمی ہو)۔

(۴) اپنے متعلقین کے حقوق ادا کرنے کی اس سے توقع ہو۔

(۵) اور بقدر ضرورت مالی گنجائش ہونا تو ضروری ہی ہے جس لڑکے میں ایسے اوصاف پائے جائیں تو ایسے شخص کو گوارہ کرالیا جائے پھر جب آمد ورفت اور میل جول اور مناسبت ہوگی تو ایسے شخص سے بعید نہیں کہ اس ڈاڑھی کے معاملہ میں بھی اس کی اصلاح ہو جائے[۱]

تین امر (اور) جن کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

(۶) ایک قوت اکتساب (یعنی کمانے کی قوت)۔

(۷) دوسرے کفاءت (برابری) میں زیادہ تفاوت نہ ہو۔

(۸) تیسرے دینداری، ان دونوں صورتوں میں زیادہ کاوش (کھوج) چھوڑ دے ورنہ وہی بات پیش آئے گی جس کا ذکر حدیث میں ہے کہ جب خُلق (اخلاق) ور دین میں کفاءت (موافقت ومناسبت) ہو تو نکاح کر دیا کر وورنہ زمین میں فساد کبیر ہوگا[۲]

پردیسی لڑکے سے شادی نہ کرنا چاہئے

فرمایا کہ پردیسی مردوں سے لڑکیوں کی شادی کرنا اکثر مضرت رساں ہوتا ہے[۱]

[۱] ملفوظات اشرفیہ، ص:۳۱۱۔ [۲] اصلاح انقلاب، ج:۲، ۳۱۔ [۱] ملفوظات خبرت، ج:۳، ص:۳۲۔

زیادہ قریبی رشتہ داروں میں شادی کرنے کی خرابی

فرمایا: تجربہ کاروں نے منع کیا ہے کہ زیادہ قریب کے رشتہ کے علاقوں میں شادی نہ کرنا چاہئے کیونکہ اولاد ضعیف ہوتی ہے[1]

(وجہ اس کی یہ ہے کہ) توالد (اولاد) کے لیے جہاں بدن کی صحت اور مزاج کی سلامتی وغیرہ احوال طبعیہ شرط ہیں، وہاں تواد (یعنی محبت اور قلبی میلان واشتیاق) بمنزلہ جزء اخیر اور علت تامہ کے ہے، کیونکہ وہ موقوف ہے احبال (یعنی حمل ہونے) پر اور احبال (قرار حمل) از روئے طب موقوف ہے، توافق انزالین (دونوں کے ایک ساتھ انزال ہونے) پر اور ظاہر ہے کہ وہ محبت ومودت (اور قلبی میلان) پر موقوف ہے[2]

لڑکی کے رشتہ میں جلد بازی نہ کرے بلکہ خوب دیکھ بھال کر اطمینان حاصل کرلے

فرمایا: عورتوں کو بیاہ شادی کا چوچلہ سوجھا کرتا ہے، کچھ نہیں دیکھتیں، موقع بے موقع شادی کردیتی ہیں چنانچہ ایک بیوی نے اپنی لڑکی کا نکاح باوجود منع کرنے کے محض اس لیے کردیا کہ شاید میں مرجاؤں۔

بعد میں تحقیق ہوئی کہ وہ بڑا ظالم تھا، ایک انگریز سے لڑا، پھر سزا کے خوف سے جنگ میں نام لکھادیا، وہ سب سے لڑتا ہے اب جو لوگوں کی ممانعت اس کو یاد دلائی جاتی ہے تو کہتی ہے کہ کیا کروں اس کی قسمت، اس پر فرمایا کہ ایسا دل میں آتا ہے کہ ایسے کہنے والے کا گلا گھونٹ دوں اس کا تو یہ مطلب ہے کہ ہماری تو کوئی خطاء نہیں اللہ میاں کی خطاء ہے۔ **(نعوذ باللہ من ذٰلک)**[3]

[1] حسن العزیز، ج:۲، ص:۱۵۵۔ [2] اصلاح انقلاب، ص:۳۷۔ [3] حسن العزیز، ج:۲، ص:۴۰۴۔

فصل (۲)

نکاح کے قابل سب سے اچھی عورتیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کون سی عورت سب سے اچھی ہے؟

آپ نے فرمایا کہ جو ایسی ہو کہ جب اس کو شوہر دیکھے تو اس کا دل خوش ہو جائے ،اور جب اس کو کوئی حکم دے اس کو بجالائے ،اور اپنی ذات اور مال کے بارے میں کوئی ناگوار بات کر کے اس کے خلاف نہ کرے۔[۱]

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت کرنے اور بچے جننے والی ہو، کیونکہ میں تمہاری کثرت (زیادتی) سے دوسری امتوں پر فخر کرونگا (کہ میری امت اتنی زیادہ ہے)۔[۲]

اگر وہ بیوہ عورت ہے تو پہلے نکاح سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے شوہر سے محبت کرنے والی اور بچے جننے والی ہے اور اگر کنواری ہے تو اس کی تندرستی سے اور اس کے خاندان کی نکاح کی ہوئی عورتوں سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔[۳]

بیوی اور بہو بنانے کے لیے لڑکی میں کیا دیکھنا چاہئے

اس زمانہ میں منکوحہ (وہ لڑکی جس سے نکاح کیا جائے اس) میں زیادہ تر جمال کو اور ناکح (نکاح کرنے والے مرد) میں زیادہ تر مال کو دیکھتے ہیں اور سب سے کم دین کو دیکھتے ہیں اور باقی اوصاف میں آراء مختلف ہیں، حالانکہ سب سے کم قابل التفات

[۱] نسائی۔ [۲] ابوداؤد ونسائی۔ [۳] حیوٰۃ المسلمین۔

یہی مال و جمال ہے اور سب سے زیادہ توجہ کے قابل دین ہی ہے اسی واسطے حدیث میں عورت کے بارے میں آیا ہے:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ لِحَسَبِهَا وَلِمَا لِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفُر بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ (مشکوۃ)

یعنی عورت سے چار وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے شرافت کیوجہ سے، مال کی وجہ سے، خوبصورتی کی وجہ سے، او دین داری کی وجہ سے، اے مخاطب تجھ کو دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہئے۔

اس حدیث پاک میں مال و جمال پر نظر نہ کرنے اور دین پر نظر کرنے کا امر فرمایا ہے[1]

لڑکی میں جدید تعلیم دیکھنا اور نو تعلیم یافتہ سے شادی کرنا

جس طرح بعض لوگ لڑکے کے ایف، اے، ایم، اے ہونے کو دیکھتے ہیں، افسوس ہے کہ بعض نئے مذاق کے لوگ ایسی منکوحہ (لڑکی) تلاش کرتے ہیں جس نے نئی تعلیم حاصل کی ہو یا تعلیم کے ساتھ ڈاکٹری یا پروفیسری کا پاس بھی حاصل کر چکی ہو، کوئی ان عقلاء سے پوچھے کہ اس سے مقصود کیا ہے؟ اگر یہ مقصود ہے کہ ان کا بار ہم پر کم ہو، یہ خود بھی کمانے میں امداد دیں، تب تو بے حد بے حمیتی ہے کہ مرد ہو کر عورت کے ہاتھ کو تکا جائے، عورت کا ممنون ہونا بغیر خلوص کامل کے خود خلاف غیرت ہے۔

اور اگر یہ مقصود ہے کہ ایسی عورت سلیقہ دار ہوگی ہم کو راحت زیادہ پہنچائے گی سو خوب سمجھ لو راحت رسانی کے لیے صرف سلیقہ کافی نہیں بلکہ خلوص و اطاعت اور خدمت گذاری کے جذبہ کی اس سے زیادہ ضرورت ہے، اور سلیقہ میں کچھ کمی بھی ہو تو اس کو برداشت کر لیا جاتا ہے اور اگر چہ کسی قدر وقتی تکلیف ہوتی ہے لیکن جلدی ختم ہو جاتی ہے اور اس کا اثر باقی نہیں رہتا۔ اور اگر نرا سلیقہ ہو اور وہ اوصاف نہ ہوں تو اول تو وہ خدمت ہی

[1] اصلاح انقلاب، ص: ۳۷۔

کیوں کرے گی کیونکہ تجربہ سے اس جدید تعلیم کا اثر یہ ثابت ہوا ہے کہ اس سے تکبر خود غرضی، خودرائی، بے باکی، آزادی، بے حیائی چالاکی اور نفاق وغیرہ برے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں، پس جب ان کا دماغ تکبر نخوت سے پُر ہے تو وہ تمہاری خدمت ہی کیوں کرے گی جس سے تم کو راحت پہنچے، بلکہ خودغرضی کی وجہ سے الٹا وہ خود تم ہی سے اپنے حقوق کا اعلیٰ پیمانہ پر مطالبہ کرے گی جس سے تمہاری عافیت سلامتی تنگ ہو جائے گی، غرض وہ خود تم ہی سے اپنی خدمت چاہے گی اور اگر تم ان سے وہ خدمت چاہو گے جو ایک شریف سادہ عورت اس کو اپنا فخر سمجھتی ہے تو وہ تم کو ضابطہ کا جواب دیں گی کہ یہ کام ہمارے ذمہ نہیں بلکہ جو ان کے ذمہ ہوگا اس میں بھی خلاف تہذیب یا صحت خراب ہونے کا عذر کر کے ٹکا سا جواب دیں گی اور اپنے حقوق تم سے پورے وصول کریں گی، تنخواہ تم سے کل رکھوالیں گی، اور ٹال مٹول کرو گے تو عدالت پہنچیں گی۔

اور اگر یہ کہو کہ یہ بہت کم ہوتا ہے تو جواب میں عرض کروں گا کہ پھر وہ تعلیم یافتہ نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ نئے علوم (جدید تعلیم) کے عالم ہونے سے جاہل ہونا زیادہ بہتر اور بے خطر ہے، کیونکہ جاہل ہونے میں اگر اخلاق حمیدہ نہ ہوں گے تو اخلاق رذیلہ (برے اخلاق) بھی تو نہ ہوں گے۔

آج کل تہذیب جس کا نام رکھا گیا ہے جس کا حاصل تصنع، اپنا عیب چھپانا، دھوکہ دینا اور منافقت ہے وہ سراسر عذاب ہے جس کا پایا جانا عورت میں دوزخ کے مثل ہے[1]

دینی تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی کرنا بہتر ہے

البتہ اگر عورتوں میں دینی تعلیم ڈھونڈی جائے تو وہ علوم دینیہ کی تعلیم ہے جو انسان کو مہذب کامل بنا دیتی ہے جب کہ اس پر عمل کرے، اور غالب یہ ہے کہ جب علم دین حاصل ہوتا ہے تو کبھی نہ کبھی عمل کی بھی توفیق ہو ہی جاتی ہے، اس لیے بے عملی سے

---

[1] اصلاح انقلاب، ص: ۴۵۔۴۷۔

اگر کلفت بھی ہوئی تو وہ دائمی نہ ہوگی عارضی ہوگی جو ایک منٹ میں ختم ہوسکتی ہے غرض اصل تعلیم اہتمام کے قابل دینی تعلیم ہے[1]

حسن و جمال کی بنیاد پر نکاح کرنے کا انجام

مال و جمال (خوبصورتی) کی عمر تو بہت ہی کم ہے، مال تو ایک شب میں بے وفائی کر جاتا ہے، اور جمال ایک بیماری میں ختم ہو جاتا ہے اور بعض امراض میں پھر دو بارہ آتا ہی نہیں جیسے آنکھ پھوٹ جائے، یا چیچک نکل آئے اور داغ نہ جائیں یا سر کے بال گر جائیں اور اس جیسی بیماریاں۔

پھر جب (نکاح سے مقصود) مال و جمال تھا اور وہ رخصت ہوگیا تو تمام تر محبت و الفت بھی جو اس پر مبنی (قائم) تھی وہ بھی ختم ہوگئی، اور پھر زوجین (میاں بیوی) میں سے ہر ایک دوسرے کی نظر میں مبغوض (ناپسندیدہ قابل نفرت) ہوگیا اور ہمیشہ کے لئے نباہ مشکل ہوگیا اور اگر مال و جمال باقی بھی رہا تب بھی جہاں دین نہیں تو بد دین آدمی کے نہ اخلاق درست ہوتے ہیں نہ اعمال و معاملات، اس کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں کیونکہ اس کا کوئی کام حدود کے اندر تو ہوگا نہیں دوستی (محبت) ہوگی تو حد سے باہر، دشمنی (ونفرت) ہوگی تو حد سے باہر، بداخلاقی، و بدمعاملگی، بداعمالی، خود پرستی و خودغرضی حقوق ضائع کرنا (یہ سب اسباب ہیں، بغض ونفرت پیدا کرنے کے) جب رات دن ایسے اسباب برابر واقع ہوتے رہیں گے تو کہاں تک ان میں محبت رہ سکتی ہے، آپس میں کدورت، نااتفاقی، غیظ وطیش پیدا ہونا شروع ہوگا حتی کہ تمام مصالح زوجیت ضائع ہو جائیں گے[2]

ناقابل انکار حقیقت

ہم نے خود دیکھا ہے کہ بیوی حسن و جمال میں حور اور شوہر مال و منال میں

[1] ایضاً، ج:۲،ص:۴۷۔ [2] اصلاح انقلاب۔

قارون، مگر میاں کی بددینی سے تو اکثر اور کہیں بیوی کی بدخلقی و بدمزاجی و بدچلنی کے سبب میاں بیوی میں بول چال تک نہیں، وہ اس کو دیکھ کر منہ پھیرے یہ اس کو دیکھ کر ناک بھویں چڑھائے۔ یہ دوسری جگہ روٹی پکواتے پھریں، وہ باوجود مال ہونے کے ایک ایک پیسے کو ترسے، بعض جگہ تو ہم نے دیکھا ہے کہ بیوی غایت نفرت کے سبب میاں سے پردہ کرتی ہے یہ ثمرات ہیں مال و جمال (کی بنیاد پر نکاح کرنے) کے[۱]

اتفاقاً اگر لڑکا لڑکی میں عشق ہو جائے تو آپس میں نکاح کر دینا چاہئے

اگر اتفاقاً کسی غیر منکوحہ (اجنبی لڑکی) سے کسی غیر مرد کا عشق ہو جائے تو بہتر ہے کہ ان کا نکاح کر دیا جائے[۲]

بہت زیادہ حسین بیوی ہونے میں بھی کبھی فتنہ ہوتا ہے

آج کل لوگ منکوحہ عورتوں میں حسن و جمال کو دیکھتے ہیں حالانکہ راحت اور فتنوں سے حفاظت آج کل اسی میں ہے کہ بیوی زیادہ حسین وجمیل نہ ہو، حسن و جمال کی کمی قدرتی وقایہ ہے عرض کرنے پر فرمایا گو حسن و جمال خدا تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن آج کل اس میں فتنہ کا احتمال غالب ہے (کبھی فتنہ اس طرح ہوتا ہے کہ حسین بیوی پر فریفتہ ہو کر ماں باپ کو ناراض کر کے اور دین سے دوری اختیار کر کے فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کا سبب یہی بیوی کا عشق ہوتا ہے)[۳]

---

[۱] اصلاح انقلاب۔ [۲] تعلیم الدین۔ [۳] حسن العزیز، ج:۱، ص:۱۷۲۔

ایک مظلوم عورت کی داستان اور خوبصورتی کی وجہ سے نکاح کرنے کا انجام

فرمایا: آج کل ایک بی بی کا خط آیا ہے تقریباً چالیس برس کا عرصہ ہوا یہ مجھ سے بیعت ہوئی تھیں یہ بی بی نہایت دیندار ہیں، خاوند کے ستانے اور بے مروتی اور بے وفائی کی شکایتیں لکھی ہیں جس کو پڑھ کر بے حد دل کو قلق اور صدمہ ہوا، لوگوں نے بے حد ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے اس غریب نے یہاں تک لکھا ہے کہ روتے روتے میری بینائی کمزور ہوگئی ہے، کبھی کبھی جی میں آتا ہے کہ کپڑے پھاڑ کر باہر نکل جاؤں، یا کنویں میں ڈوب کر مرجاؤں، مگر دین کے خلاف ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں کرسکتی دل کو سمجھا کر رک جاتی ہوں، دن رات رونے کے سوا کوئی کام نہیں۔

فرمایا: بڑے ظلم کی بات ہے آخر رونے کے سواء بے چاری کرے بھی کیا ان بی بی کے عقد ثانی کو تقریباً سترہ برس کا عرصہ ہوا، ان صاحب نے بڑی آرزؤں اور تمناؤں سے ان بی بی سے نکاح کیا تھا، اس وقت رنگ و روغن اچھا ہوگا، اس وقت تو سفارشیں کراتے پھرتے تھے، لٹو ہورہے تھے (محض حسن و جمال کی بناء پر) اب ضعیفی کا وقت ہے بے چاری کو منہ بھی نہیں لگاتے حتی کہ نان ونفقہ سے بھی محتاج ہے میاں عمر میں چھوٹے اور بیوی بڑی ہیں کیا ٹھکانا ہے اس سنگدلی، بے رحمی کا، کسی بات کا بھی اثر نہیں اگر وہ بے چاری کہتی بھی ہے کہ میری دیرینہ خدمات کا کیا یہی ثمرہ ہے، تو کہتے ہیں کہ تو نے خدمات ہی کون سی کی ہیں نہ معلوم خدمات کی فہرست ان کے ذہن میں کیا ہے جس کو یہ پورا نہ کرسکیں یہ انجام ہوتا ہے خوبصورتی کی بنیاد پر رشتہ کرنے کا یا بد دین سے رشتہ کرنے کا۔[1]

[1] نصرۃ النساء، ص: ۵۴۷۔

مال کی بنیاد پر نکاح کرنے کی مذمت

بعض نکاح کرنے والے منکوحہ (لڑکی) کے گھر میں مال کو دیکھتے ہیں اور در حقیقت یہ اس سے بھی بدتر ہے کہ منکوحہ اس کے اولیاء (یعنی لڑکی والے) مرد کے مال کو دیکھیں، کیونکہ یہ تو کسی درجہ میں اگر اس میں غلو نہ ہو امر معقول (سمجھ میں آنے والی بات) ہے کیونکہ مرد پر عورت کا مہر اور نفقہ واجب ہوتا ہے تو استطاعت رکھنے (اور اس بنا پر مال) کو دیکھنے میں مضائقہ نہیں بلکہ ایک قسم کی ضروری مصلحت ہے۔

البتہ اس میں ایک قسم کا غلو ہو جانا کہ اس کو اور ضروری اوصاف پر ترجیح دی جائے یہ مذموم ہے۔

لیکن عورت کے مالدار ہونے پر نظر کرنا محض اس غرض سے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھانے والے ہوں گے یا ہم پر نفقہ وغیرہ کا بار کم پڑے گا بڑی بے غیرتی اور بے حمیتی ہے[1]

جہیز کی لالچ میں مالدار لڑکی سے رشتہ کرنے کا انجام

اس کے علاوہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ مالدار عورت نادار مرد کو کبھی خاطر میں نہیں لاتی اس کو حقیر اور خادم سمجھتی ہے۔

اور ناکح (لڑکے) کے والدین کا اس پر نظر کرنا کہ ایسی بہو کو بیاہ کر لائیں کہ جہیز بہت سا لائے، اور بھی احمق ہیں اول تو وہ جہیز بہو کی ملک ہے، اور کسی کو اس سے کیا تعلق لیکن اگر یہ بھی سمجھا جائے کہ گھر میں رہے گا تو ہمارے بھی کام آئے گا اس میں اولاً تو وہی بے غیرتی (اور لالچ) ہے۔

دوسرے اگر اس کو گوارہ بھی کر لیا جائے تو اس خیال کی ناکح (یعنی شوہر) کو تو کسی درجہ میں گنجائش ہے، مگر ساس سسر کو کیا واسطہ، آج صاحب زادہ صاحب اپنی

[1] اصلاح انقلاب، ص:۴۲۔

رائے سے یا بیوی کے کہنے سے جدا ہو جائیں بس ساری امیدوں پر پانی پھر جائے[1]

طلب وخواہش کے بغیر خلوص کے ساتھ اگر جہیز دیا جائے تو کوئی حرج نہیں

البتہ اگر خلوص کامل سے شوہر کی خدمت کی جائے بغیر اس کے کہ شوہر کو اس کی خواہش (یا طلب) یا اس پر نظر یا اس کی نگرانی اور انتظار ہو تو مضائقہ نہیں (جس کی دلیل یہ ہے):

''وَوَجَدَکَ عَائِلاً فَاَغْنٰی ''

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مال دار بنایا''

وَاشْتُرِطَ عَدَمُ التَّطَلُّعَ وَ التَّشَرُّفِ بِقُوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلامِ مَا اَتَاکَ مِنْ غَیْرِ اِشْرَافِ فَخُذْہُ وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْہُ نَفْسَکَ اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلاۃُ وَالسَّلَامُ.

اور مال ملنے کا انتظار اور اس پر نظر نہ ہونا شرط ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کچھ بغیر اشراف نفس کے آجائے اسے لے لو۔ اور جو تمہارے پاس نہیں آتا اس کے پیچھے نہ پڑو''۔

---

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۴۲۔ ۷۰

باب(۶)
نکاح سے پہلے دعاء واستخارہ کی ضرورت

دعاء ایک ایسی چیز ہے کہ دین و دنیا دونوں کے لیے برابر طور سے مشروع و موضوع ہے اسی لیے قرآن مجید وحدیث شریف میں نہایت درجہ اس کی ترغیب و فضیلت اور جا بجا تاکید وارد ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا اللہ نے: ''دعاء کرو مجھ سے میں قبول کروں گا''۔

اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: بڑی عبادت تو دعاء ہے۔اور فرمایا: جس شخص کو دعاء کی توفیق ہوگئی اس کے لیے قبولیت کے دروازے کھل گئے۔اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھل گئے۔اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھل گئے،اور ارشاد فرمایا کہ قضا کو دعاء ہٹا سکتی ہے۔

دعاء تمام تر تدبیروں اور احتیاطوں سے بڑھ کر مفید ہے، دنیوی حوائج (ضروریات) میں بھی دعاء مانگنے کا حکم ہے۔

دعاء قبول تو ضرور ہوتی ہے مگر (قبولیت کی) صورتیں مختلف ہوتی ہیں، کبھی تو وہی چیز مل جاتی ہے اور کبھی اس کے لیے (آخرت میں ذخیرۂ ثواب) جمع ہو جاتا ہے اور کبھی اس کی برکت سے کوئی بلا ٹل جاتی ہے غرض اس دربار میں ہاتھ پھیلانے سے کچھ نہ کچھ مل کر رہتا ہے[1]

[1] مقدمہ مناجات مقبول،ص:۱۲-۱۱۔

دعاء کے ساتھ تدبیر وتوکل کی ضرورت

دعاء کے متعلق بھی لوگوں کو غلطی ہورہی ہے (کہ محض دعاء کو کافی سمجھ کر کوشش و تدبیر نہیں کرتے حالانکہ) دعاء میں وہ تدابیر بھی داخل ہیں، کیونکہ (دعاء کی دو قسمیں ہیں) ایک دعاء قولی ہے ایک دعاء فعلی ہے (دعاء فعلی کا مطلب کوشش وتدبیر اختیار کرنا ہے)۔

اور اگر دعاء کے صرف وہی معنی ہیں جو تم سمجھتے ہو تو پھر نکاح بھی نہ کرو اور کہہ دو کہ ہم کو پیر صاحب کی دعاء پر اعتماد ہے، اولاد کی تو ہمیں بڑی تمنا ہے مگر نکاح نہیں کریں گے، بس یوں ہی کسی طرح دعاء سے اولاد ہوجائے گی (کیا ایسا بھی عادۃً ممکن ہے؟) دعاء کے معنیٰ یہ ہیں کہ جتنی تدبیریں (اور ظاہری اسباب وکوشش) ہوسکیں، سب کرو، اور پھر دعاء بھی کرو، اور محض تدبیر (وکوشش) پر بھروسہ نہ کرو، بھروسہ دعاء (یعنی اللہ ہی) پر کرو۔ یہ مضمون ایک حدیث شریف کا ہے ''اَعقِلْ ثُمَّ تَوَکَّلْ''، یعنی اونٹ کو باندھ پھر خدا پر بھروسہ کر، یہ ہے توکل[1]

ساری تدبیریں ایک طرف اور خدا سے تعلق اور دعاء کرنا ایک طرف، اس کو لوگوں نے بالکل چھوڑ دیا۔ مگر دعاء خشوع کے ساتھ ہونا چاہئے، فقہاء نے لکھا ہے کہ دعاء میں کسی خاص دعاء کی تعیین نہ کرے اس سے خشوع جاتا رہتا ہے[2]

چند ضروری ہدایات وآداب

(۱) دعاء کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ ہم آپ کی اجازت سے وہ چیز مانگتے ہیں جو ہمارے علم میں مصلحت اور خیر ہے، اگر آپ کے علم میں وہ خیر ہے تو عطا کر دیجئے، ورنہ نہ دیجئے ہم دونوں حال میں راضی ہیں مگر اس رضا کی علامت یہ ہے کہ قبول نہ ہونے سے شاکی (شکایت کرنے والا) اور تنگ دل نہ ہو[3]

---

[1] ضرورت تبلیغ ملحقہ دعوت وتبلیغ، ص:۳۲۷۔ [2] الافاضات الیومیہ، ج:۲، ص:۳۲۷۔ [3] انفاس عیسیٰ: ج۱، ص۲۶۴)

(۲) ہم کو تقدیر کا علم نہیں اس لیے اپنے خیال میں جو مصلحت ہو اس کے مانگنے کی اجازت ہے اگر اس کے خلاف مصلحت ہو اس پر راضی رہنے کا حکم ہے[1]

(۳) (دعاء میں اپنی طرف سے) طریقے تجویز کرنا کہ یہ صورت ہو جائے اور پھر وہ صورت ہو جائے یہ اعتداء فی الدعاء (دعاء میں زیادتی اور آداب دعاء کے خلاف) ہے گو یا اللہ میاں کو رائے دینا ہے، یہ تو ایسا ہوا کہ لڑکا کہے کہ اماں مجھے جو چوتھی روٹی ہو وہ دینا بھلا اس سے اس کو کیا غرض جون سی روٹی ہو اسے روٹی سے مطلب ہے[2]

جس امر میں تردد ہو اور قرائن سے کسی ایک شق کا راجح ہونا معلوم نہ ہو اس میں تردید کے ساتھ دعاء مانگنا چاہئے، اور جس امر کی ایک جانب اپنے نزدیک متعین ہو اور قرائن سے کسی ایک شق کا خیر ہونا راجح ہو یا شر ہونا راجح ہو، تو بلا تردید کے دعاء کرنا چاہئے۔

تردید کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح دعاء کرے کہ یا اللہ! اگر میرے لیے یہ صورت بہتر ہو تو کر دیجئے ورنہ نہ کیجئے[3] (ایضاً، ۱/۴۳۰)

اچھا رشتہ ملنے کے لیے اہم دعائیں

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَاماً	اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہم کو متقیوں (پرہیزگاروں) کا مقتدا کر دیجئے۔ (مناجات مقبول، ص: ۳۷)
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ صَالِحِ مَا تُوْتِیْ النَّاسَ مِنَ الْمَالِ وَالاَهْلِ وَالْوَلَدِ غَيْرِ ضَالٍّ وَلاَ مُضِلٍّ.	اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں تجھ سے اچھی نیک چیز کا جو تو لوگوں کو دے مال ہو یا بیوی یا اولاد، کہ نہ گمراہ ہوں اور نہ گمراہ کرنے والے۔

[1] انفاس عیسی، ج:۱،ص:۲۶۴۔ [2] ایضاً، ج:۱،ص:۴۳۰۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَ مَالِیْ.

اے اللہ! میں تجھ سے معافی اور امن وسلامتی مانگتا ہوں اپنے دین اور دنیا کے معاملہ میں اور اپنے اہل اور مال میں۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیَاتِنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ .

اے اللہ! ہمارے لیے برکت دے ہماری قوت سماعت و بصارت میں اور ہمارے دلوں میں اور ہماری بیویوں اور ہماری اولاد میں اور ہماری توبہ قبول فرما لے، بیشک تو ہی توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ (مناجات مقبول)

بُرے رشتہ سے بچنے کے لیے دعائیں

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِن اِمْرَاۃٍ تُشِیْبُنِیْ قَبْلَ الْمَشِیْبِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَلَدٍ یَکُوْنُ عَلَیَّ وَبَالاً وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ مَالٍ یَکُوْنُ عَلَیَّ عَذَاباً.

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسی عورت سے کہ مجھے بوڑھا کر دے بڑھاپے سے پہلے اور پناہ چاہتا ہوں تیری ایسی اولاد سے کہ میرے لیے وبال ہو اور پناہ چاہتا ہوں ایسے مال سے کہ مجھ پر عذاب جان ہو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ النِّسَآءِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ کُلِّ عَمَلٍ یُخْذِیْنِیْ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ کُلِّ صَاحِبٍ یُؤْذِیْنِیْ، وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ کُلِّ اَمَلٍ یُلْھِیْنِی . (مناجات مقبول)

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں عورتوں کے فتنہ سے، یا اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس عمل سے کہ مجھ کو رسوا کر دے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس ساتھی سے جو مجھے تکلیف دے، اور پناہ چاہتا ہوں ایسے منصوبہ سے کہ مجھے غافل کر دے۔

(یہ سب دعائیں احادیث میں وارد ہیں جو مناجات مقبول مرتبہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے ماخوذ و مقتبس ہیں، دعاؤں سے اول آخر ۳/۳ مرتبہ درود شریف پڑھ لینا چاہئے)۔

استخارہ کی دعاء

جب کسی اہم کام کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ دو رکعت نفل پڑھے۔ اور یہ دعاء پڑھے (اگر یاد نہ ہو تو دیکھ کر پڑھ لے دیکھ کر نہ پڑھ سکتا ہو تو دوسری کسی زبان میں اور اپنے الفاظ میں بھی یہ دعاء پڑھی جا سکتی ہے لیکن عربی کے منقول الفاظ سے دعاء پڑھنا زیادہ بہتر اور مسنون ہے اور وہ یہ ہے)۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَ اَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ وَ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَ اصْرِفْنِیْ

یا اللہ! میں خیر چاہتا ہوں آپ سے آپ کے علم کی وجہ سے اور قدرت طلب کرتا ہوں آپ سے آپ کی قدرت کی وجہ سے اور میں آپ سے آپ کے بڑے فضل سے سوال کرتا ہوں، کیونکہ آپ قادر ہیں اور میں نہیں اور آپ عالم ہیں اور میں عالم نہیں، اور آپ تو علاّم الغیوب ہیں، یا اللہ! اگر آپ کے علم میں یہ کام میرے لیے بہتر ہو میرے دین میں اور میرے معاش اور انجام کار میں تو اس کو تجویز کر دیجئے اور اس کو میرے لیے آسان کر دیجئے، پھر میرے لیے اس میں برکت دیجئے اور اگر آپ کے علم میں یہ کام میرے لیے برا ہو میرے دین اور معاش اور میرے انجام کار میں تو اس کو مجھ سے ہٹا دیجئے اور مجھ کو اس

عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ. سے ہٹا دیجئے اور مجھے نصیب کر دیجئے جہاں بھی کہیں ہوں پھر مجھ کو اس پر راضی رکھیئے[۱]

(خط کشیدہ الفاظ میں اصل مقصود یعنی جس کام کے لیے استخارہ کر رہا ہو اس کا تصور کرے)۔

نکاح کے لیے استخارہ کی ضرورت

حق تعالیٰ کے ساتھ یہ خفی (پوشیدہ) بے ادبی ہے کہ استخارہ کرنے سے گھبراتے ہیں، اوراس کی حقیقت (وجہ) یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر اطمینان نہیں ہے کہ حق تعالیٰ جو کریں گے وہ خیر ہی ہوگا، بس اپنے ذہن میں جس جانب کو خیر قرار دے لیا اسی کو خیر سمجھتے ہیں تب ہی تو تردید کے لفظ کو (یعنی یہ کہ یا اللہ! اگر یہ بہتر ہو تو کر دیجئے) نہیں اختیار کرتے ،خواجہ صاحب نے عرض کیا، ''در کار خیر حاجت استخارہ نیست'' (اچھے کام میں استخارہ کی کوئی ضرورت نہیں)

فرمایا کہ ہر کام خیر وشر کو مستلزم ہوسکتا ہے، دیکھئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے باوجود اس کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی ہونے کے جس کے کار خیر میں شبہہ ہی نہیں ہوسکتا عرض کیا ''لَا حَتّٰى اَسْتَشِيْرَ رَبِّی'' یعنی میں ابھی (نکاح کے بارے میں) کچھ نہیں کہتی جب تک اپنے رب سے مشورہ نہ کرلوں اور پھر استخارہ کیا۔

فرمائیے استخارہ کا یہ کیا موقع تھا؟ بات یہ ہے کہ ہر کام میں خیر وشر کا احتمال ہوسکتا ہے حتیٰ کہ ایسا صریح نیک کام بھی شر کو مستلزم ہوسکتا ہے اس طرح کہ مثلاً نکاح کے حقوق ادا نہ ہوسکیں، خدمت واطاعت میں کمی ہو تو یہ نکاح اور وبال کا باعث ہو اس واسطہ حضرت زینب نے استخارہ کی ضرورت سمجھی[۲]

---

[۱] مناجات مقبول ص ۲۴۸۔ [۲] حسن العزیز، ۲۳۴/۳، ۲۳۵۔

ارادہ سے پہلے استخارہ

استخارہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ارادہ بھی کرو پھر برائے نام استخارہ بھی کرلو، استخارہ تو ارادہ سے پہلے کرنا چاہئے، تا کہ ایک طرف قلب کو سکون پیدا ہو جائے اس میں لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں، صحیح طریقہ یہ ہے کہ ارادہ سے پہلے استخارہ کرنا چاہئے پھر استخارہ سے جس طرف قلب میں ترجیح پیدا ہو جائے، وہ کام کرنا چاہئے [۱]

استخارہ کا محل وموقع

استخارہ ان امور میں مشروع ہے جس کی دونوں جانب اباحت میں مساوی (برابر) ہوں اور جس فعل کا حسن وقبح (اچھائی یا برائی) دلائل شرعیہ سے متعین ہو ان میں استخارہ مشروع نہیں [۲]

استخارہ ہوتا ہے تردد (شک) کے موقع پر اور تردد کا مطلب یہ ہے کہ طرفین (دونوں جانب) کے مصالح برابر ہوں، جب ایک جانب کی ضرورت متعین ہو تو استخارہ کے کیا معنیٰ [۳]

استخارہ کا محل ایسا امر ہے جس میں ظاہراً نفع وضرر دونوں کا احتمال ہو [۴]

استخارہ ایسے معاملہ میں ہوتا ہے جس میں نفع وضرر دونوں کا احتمال ہو اور جس میں عادۃً یا شرعاً یا یقیناً ضرر ہو، اس میں استخارہ نہیں جیسے کوئی نماز پڑھنے کے لئے استخارہ کرنے لگے یا دونوں وقت کھانا کھانے یا چوری کرنے کے لیے استخارہ کرنے لگے یا اپاہج عورت سے نکاح کرنے کے لیے استخارہ کرنے لگے [۵]

سوال: جس امر میں کوئی تردد نہ ہو کیا اس میں بھی حضرت استخارہ کرلینا اولیٰ ہے

---

[۱] ایضاً، ج:۳، ص:۲۳۳۔ [۲] انفاس عیسیٰ، ص:۳۱۴۔ [۳] حسن العزیز، ج:۳، ص:۲۴۴۔
[۴] انفاس عیسیٰ، ص:۴۰۳۔ [۵] ملفوظات اشرفیہ، ص:۲۱۵۔

جواب :- جی ہاں! حدیث میں اِذَا هَمَّ اَحَدُکُمْ وارد ہے۔شَکٌّ یَا تَرَدُّدٌ نہیں (یعنی کوئی بھی اہم کام درپیش ہو) هَمٌّ کا درجہ نہایت عام ہے۔

سوال : مثلاً مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت رخصت لینا ہی میرے لئے بہتر ہے تو اس میں بھی استخارہ بہتر تھا؟۔

جواب : اب بھی اس کا موقع فوت نہیں ہوا، راز مسئلہ کا یہ ہے کہ استخارہ رفع تردد کے لئے نہیں جیسا مشہور ہے بلکہ مقصود میں خیر و برکت کی طلب ہے وہ ہر حال اور ہر درجہ میں مشروع ہے [۱]

استخارہ کی حقیقت

استخارہ کی حقیقت یہ ہے کہ استخارہ ایک دعاء ہے جس سے مقصود صرف طلب اعانت علی الخیر ہے، یعنی استخارہ کے ذریعہ سے بندہ خدا تعالیٰ سے دعاء کرتا ہے کہ میں جو کچھ کروں اسی کے اندر خیر ہو، اور جو کام میرے لیے خیر نہ ہو وہ کرنے ہی نہ دیجئے، پس جب استخارہ کر چکے تو اس کی ضرورت نہیں کہ یہ سوچے کہ میرے قلب کا زیادہ رجحان کس بات کی طرف ہے اور اسی پر عمل کرے بلکہ اس کو اختیار ہے کہ دوسرے مصالح کی بناء پر جس بات میں ترجیح دیکھے اسی پر عمل کرے اور اسی کے اندر خیر سمجھے حاصل یہ کہ استخارہ سے مقصود محض طلب خیر ہے نہ کہ استخبار (خیر معلوم کر لینا) [۲]

استخارہ ایک دعاء ہے کہ اے اللہ! اگر یہ معاملہ میرے لیے خیر ہو تو میرے قلب کو متوجہ کر دے ورنہ میرے دل کو ہٹا دے اور جو میرے لیے خیر ہو اس کو تجویز کر دے اس کے بعد اگر اس طرف قلب متوجہ ہو تو اس کو اختیار کرنے کو ظنا خیر سمجھنا چاہئے، خواہ کامیابی کی صورت میں، خواہ ناکامی کی صورت میں، اور ناکامیابی کی صورت میں اس کے آثار کے اعتبار سے خیر ہے خواہ دنیا میں کہ اس کا نعم البدل ملے خواہ آخرت میں کہ صبر کا اجر ملے اور استخارہ نہ کرنے میں مجموعی طور پر اس خیر کا وعدہ نہیں [۳]

---

۱ المراقبة فی المرابطة، النور بابت ماہ رمضان ۱۳۵۵ھ ص ۱۲۔ ۲ انفاس عیسیٰ، ج:۲، ص:۶۷۵۔
۳ ملفوظات اشرفیہ، ص:۲۱۵۔

استخارہ کی دعاء کا حاصل یہی ہے کہ جو بہتر ہو اس کی توفیق دیجئے اور اس میں یہ لفظ ہے ثُمَّ رَضِنِیْ بِہٖ یعنی قلب کو اس امر خیر کے ساتھ سکون بھی دے دیجئے[۱]

استخارہ کس شخص کے لیے مفید ہو سکتا ہے

استخارہ اس شخص کیلئے مفید ہوتا ہے جو خالی الذہن ہو ورنہ جو خیالات ذہن میں بھرے ہوتے ہیں ادھر ہی قلب مائل ہوتا ہے، اور وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ بات مجھ کو استخارہ سے معلوم ہوئی ہے، خواب میں اور قوت متخیلہ میں اس کے خیالات ہی نظر آتے ہیں[۲]

استخارہ کا مقصد

استخارہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جس کام میں تردد ہو رہا ہے کہ یہ کام ہمارے لیے خیر ہے یا نہیں استخارہ کرنے سے یہ تردد رفع ہو جائے گا اور ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ ہمارے لیے خیر ہے یا شر، پھر جو خیر ہو گا اس کو اختیار کریں گے چنانچہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ بعض اوقات استخارہ کے بعد وہ تردد ختم نہیں ہوتا، اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات مفید ہے، تو اس صورت میں لازم آتا ہے کہ استخارہ موضوع ہوا تھا رفع تردد کے واسطے اور تردد رفع نہیں ہوا تو نعوذ باللہ شارع کا یہ حکم گویا عبث ہی ہوا اور شارع کی طرف سے کبھی ایسا نہیں ہو سکتا جو عبث ہو، تو معلوم ہوا کہ استخارہ کا یہ مقصود نہیں کہ کوئی بات اس کے ذریعہ سے معلوم کر لی جائے جس سے تردد (شک) ختم ہو جائے، اور اس کام کی دونوں شقوں میں سے ایک شق کی ترجیح ضرور قلب میں آ جائے[۳]

---

[۱] حسن العزیز، ص:۲۳۴۔ [۲] حسن العزیز، ص:۳۳۴۔ [۳] الافاضات الیومیہ، ج:۱۰، ص:۱۲۸۔

استخارہ کا فائدہ

بس استخارہ کا فائدہ تسلی ہے کہ ہم کو ضرور خیر عطاء ہوگی، اور استخارہ کرنے اور نہ کرنے کے آثار میں فرق یہ ہے کہ استخارہ کے بعد اگر وہ مؤثر ہوا تو قلب میں ایسی چیز نہ آئے گی جس میں بے احتیاطی (اور نقصان) ہو اور بغیر استخارہ کے ایسی چیز آنے کا بھی احتمال ہے کہ ذرا غور کرنے سے اس کا مضر ہونا معلوم ہوسکتا تھا مگر اس نے غور نہیں کیا اور بے احتیاطی سے اس کو اختیار کرلیا تو اپنے ہاتھوں جب مضرت کو اختیار کیا جائے تو اس میں خیر کا وعدہ نہیں، پس سمجھنا چاہئے کہ استخارہ میں کامیابی کا وعدہ نہیں بلکہ حصول خیر (بھلائی حاصل ہوجانے) کا وعدہ ہے خواہ خیر ظاہری ہو یا باطنی [1]

استخارہ کے مفید ہونے کی ضروری شرط

استخارہ اس شخص کا مفید ہوتا ہے جو خالی الذہن ہو ورنہ جو خیالات ذہن میں بھرے ہوتے ہیں ادھر ہی قلب مائل ہوجاتا ہے اور وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ بات مجھ کو استخارہ سے معلوم ہوئی ہے حالانکہ خواب یا قوت متخیلہ میں اس کے خیالات ہی نظر آتے ہیں [2]

استخارہ کا ثمرہ رجحانِ قلب

استخارہ کا یہ ثمرہ کہ ''جس طرف قلب متوجہ ہو اس کو اختیار کرے'' یہ مشہور قول ہے، اور نووی وغیرہ اسی طرف گئے ہیں **کما نقله الحافظ فی فتح الباری کتاب الدعوات باب الدعاء عندالاستخاره قوله ثم رضی به مانصه ''ویفعل بعدالاستخاره مانیشرح بهٖ صدره'۔**

---

[1] ملفوظات کمالات اشرفیہ، ص: ۲۱۵ ملفوظ نمبر: ۸۹۴۔ [2] الافاضات الیومیہ، ج: ۱۰، ص: ۱۶۵۔

مگر دلائل سے یہ راجح ثابت ہوا کہ اس انشراح کے انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ جومناسب سمجھے کرلے، یہ قول عزالدین بن عبدالسلام کا ہے، اور اس کی ترجیح کے دلائل میرے ایک ملفوظ میں ہیں جوالقول الجلیل حصہ دوم میں ضبط کیا گیا ہے۔[1]

اس تحقیق مذکور کے ایک مدت کے بعد ایک فاضل دوست نے جامع صغیر سیوطیؒ کی ایک حدیث دکھلائی جس کے ظاہر الفاظ سے متبادر ہوتا ہے کہ استخارہ کے بعد میلان قلب (یعنی دلی رجحان) کا انتظار کیا جائے وہ حدیث یہ ہے:

فی شرح الجامع الصغیر اذا هممت بامر فاستخر ربک فیه سبع مرات ثم انظر الی الذی یسبق الی قلبک فان الخیرة فیه ،ابن السنی فی عمل یوم ولیلة (فر) عن انس)ض)

قال النووی وفیه ان یفعل بعدالاستخاره مانیشرح له' صدره' لکنه' لایفعل ماینشرح له' صدره' ماکان له فیه هو قبل الاستخاره[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتو اپنے رب سے سات مرتبہ استخارہ کرو پھر غور کرو، تمہارا قلبی رجحان جس جانب ہو اس کو اختیار کرو، کیونکہ خیر اسی میں ہے، حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں:

استخارہ کے بعد جس جانب شرح صدر ہوجائے اس کو اختیار کرے، لیکن استخارہ سے پہلے ہی جس بات کی طرف قلبی رجحان تھا اس کو نہ کرے (کیونکہ وہ استخارہ کا ثمرہ نہیں) استخارہ کا کامل طریقہ نماز پڑھ کر ہے، بغیر نماز کے محض دعاء سے بھی اصل سنت ادا ہوجاتی ہے اور استخارہ ہوجاتا ہے۔[1]

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

اب اس باب میں قول مشہور ہی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم، پس (اب

---

[1] ملاحظہ ہو بوادر النوادر ص ۴۶۴۔ [2] فیض القدیر ص ۵۷۶ ج ۱۔

میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ) استخارہ کے بعد اگر کسی شق کا رجحان قلب میں آجائے تو اس پر عمل کرے، اور اگر کسی کا رجحان نہ ہو تو جس شق پر چاہے عمل کرے۔

نوٹ: احوط یہ ہے کہ دونوں فصلیں دکھلا کر دوسرے علماء سے بھی مشورہ کرلیا جائے۔[1]

استخارہ کے سلسلہ میں فیصلہ کن جامع مضمون

استخارہ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی امر کے قرین (اور مناسب) یا خلافِ مصلحت ہونے میں تردد ہو تو دعائے خاص پڑھ کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں، اس کے قلب میں جو امر عزم کیساتھ آجاوے، اس میں خیر سمجھیں، سو اس کی غرض رفع تردد (یعنی شک کو ختم کرنا) ہے نہ کہ کسی واقعہ کا انکشاف۔[2]

استخارہ کا وقت

احقر نے سوال کیا کہ استخارہ کے لیے کیا رات کا وقت ضروری ہے؟ فرمایا: نہیں یہ صرف ایک رسم ڈال لی ہے، استخارہ کی نماز کے بعد نہ سونا ضروری ہے اور نہ رات کی قید ہے کسی وقت بھی مثلاً ظہر کے دو رکعت نفل پڑھ کر دعاء مسنونہ پڑھے، اور تھوڑی دیر قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے ایک دن میں جتنے بار چاہے استخارہ کرلے۔[3]

استخارہ کرنے کا طریقہ

ایک شخص نے استخارہ کا طریقہ دریافت کیا تو فرمایا: صلوۃ الاستخارہ یعنی دو رکعت نفل پڑھ کر سلام پھیر کر استخارہ کی دعاء پڑھے پھر قلب کی طرف رجوع کرے، قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے، سونے کی ضرورت نہیں اور استخارہ کی دعاء ایک مرتبہ پڑھنا بھی

[1] فیض القدیر ص ۵۷۶، بوادر النوادر ص ۶۷۴ ج ۲ نادرہ ۷۶۔ [2] التکشف عن مہمات التصوف ص: ۱۲۔
[3] حسن العزیز، ج:۳، ص:۲۳۴۔

کافی ہے حدیث شریف میں تو ایک ہی دفعہ آیا اور اور پہلے سے اگر کسی جانب اپنی رائے کا رجحان ہو تو اس کو فنا کر دے جب طبیعت یکسو ہو جائے تب استخارہ کرے اور اس طرح دعاء کرے کہ ''اے اللہ! جو میرے لیے بہتر ہو وہ ہو جائے اور یہ دعاء مانگنا اردو میں بھی جائز ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بہتر ہیں۔[1]

متعین لڑکی یا لڑکے سے شادی کرنے کا عمل یا تعویذ کرنا

فقہاء نے ایسے تعویذ لکھنے کو ناجائز لکھا ہے جس سے عورت خاوند کو تابع کر لے تو جب نکاح ہوتے ہوئے ایسا تعویذ دینا حرام ہے، تو اس صورت میں تو نکاح بھی نہیں ہوا، ایسا تعویذ دینا کب جائز ہوسکتا ہے جس سے ایک نامحرم کو اپنا تابع کیا جائے، مگر بہت سے بزرگ ایسے تعویذ دیتے ہیں حسب تصریح فقہاء ایسا تعویذ دینا بھی اگرچہ کسی بزرگ کے ہاتھ سے ہو گناہ ہے۔[2]

نکاح کے سلسلہ میں تعویذ و عمل کرنے کا شرعی ضابطہ

سوال: بیوہ عورت کو کوئی عمل پڑھ کر نکاح کی خواہش کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ۔عمل باعتبار اثر کے دو قسم کے ہیں: ایک قسم یہ کہ جس پر عمل کیا جائے وہ مسخر (تابع) اور مغلوب العقل (بے قابو و مجبور) ہو جائے ایسا عمل اس مقصود کے لیے جائز نہیں جو شرعاً واجب نہ ہو جیسے نکاح کرنا کسی معین مرد (یا معین عورت) سے شرعاً واجب نہیں اس کے لیے ایسا عمل جائز نہیں۔

دوسری قسم یہ کہ صرف معمول (جس پر عمل کیا جا رہا ہے اس) کو اس مقصود کی طرف توجہ بلا مغلوبیت کے ہو جائے پھر بصیرت کے ساتھ اپنے لیے مصلحت تجویز کرے ایسا عمل ایسے مقصود کے لیے جائز ہے، اس حکم میں قرآن و غیر قرآن مشترک ہیں۔[3]

---

[1] ایضاً، ص:۴ و ۱۴۷۔ [2] عضل الجاہلیۃ، ص:۳۸۲۔ [3] امداد الفتاویٰ، ج:۴، ص:۸۹۔

آسانی سے نکاح ہوجانے کے چند عملیات

عشاء کی نماز کے بعد یـا لـطیف یا ودود گیارہ سو گیارہ بار اول آخر تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ چالیس روز تک پڑھے اور اس کا تصور کرے، (اللہ سے دعاء بھی کرے) انشاء اللہ مقصود حاصل ہوگا، اگر (مقصد) پہلے پورا ہو تو (عمل) چھوڑے نہیں[1]

لڑکیوں کے پیغام آنے کے لیے

”وَلَا تَـمُـدَّنَّ عَيْـنَيْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الـدُّنْيَـا لِـنَـفْتِـنَهُـمْ فِيْـهِ وَرِزْقُ رَبِّکَ خَيْـرٌ وَّاَبْقٰی، وَاْمُرْ اَهْلَکَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْاَلُکَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُکَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی“.

لڑکیوں کے پیغام بکثرت آنے کے لیے اس کو ہرن کی جھلی یا کاغذ پر لکھ کر ایک ڈبہ میں بند کر کے گھر میں رکھ دے[2]

نکاح سے متعلق چند ضروری ہدایات وتنبیہات

۱　اگر حاجت واستطاعت (قدرت) ہو تو نکاح کرنا افضل ہے، اور اگر حاجت ہے مگر استطاعت نہ ہو تو روزے کی کثرت کرے جس سے شہوت ٹوٹ جاتی ہے۔

۲　نکاح میں زیادہ تر منکوحہ (لڑکی) کی دینداری کا لحاظ رکھو، مال و جمال اور حسب ونسب کے پیچھے زیادہ مت پڑو۔

۳　اگر کوئی شخص تمہاری عزیزہ (بہن یا لڑکی) کیلئے نکاح کا پیغام بھیجے تو زیادہ تر قابل لحاظ اس شخص کو نیک وضعی اور دینداری ہے، دولت وحشمت، عالی خاندان ان کے اہتمام رہ جانے سے خرابی ہی خرابی ہے۔

۴　اگر کسی جگہ ایک شخص نکاح کا پیغام بھیج چکا ہے تو جب تک اس کو جواب نہ مل

[1] بیاض اشرفی، ص:۲۳۹۔ [2] پارہ ۱۶، ع ۱۷، اعمال قرآنی:۶۴۔

جائے یا وہ خود چھوڑ بیٹھے، تم پیغام مت دو۔

۵ اگر کوئی شخص اپنا دوسرا نکاح کرنا چاہے تو اس عورت کو یا اس کے ورثہ (اولیاء) کو مناسب نہیں کہ شوہر سے شرط ٹھیرالے کہ پہلی منکوحہ (بیوی) کو طلاق دیدے جب نکاح کیا جائے گا (حدیث پاک میں اس کی صریح ممانعت آئی ہے) اپنی تقدیر پر قناعت کرنا چاہئے۔

۶ نکاح مسجد میں ہونا بہتر ہے تاکہ اعلان بھی خوب ہو، اور جگہ بھی برکت کی ہے، (اور حدیث پاک میں اس کا حکم بھی آیا ہے) میاں بیوی کے باہمی معاملات خلوت (خصوصی تعلقات) کو دوست واحباب سے یا ساتھیوں یا سہیلیوں سے ذکر کرنا خدا تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے، اکثر لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

۷ ولیمہ مستحب ہے مگر اس میں تکلف وتفاخر نہ کرے۔

۸ اگر نکاح کے بارے میں تم سے کوئی مشورہ کرے تو خیر خواہی کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی خرابی تم کو معلوم ہو تو ظاہر کر دو یہ غیبت حرام نہیں ہے، خیر خواہی کی ضرورت سے اس کا عیب بیان کرنا پڑے تو شرعاً اس کی اجازت ہے بلکہ بعض جگہ واجب ہے۔

۹ حلالہ کی شرط ٹھہرانا نہایت بے غیرتی کی بات ہے (حدیث میں ایسے شخص پر لعنت آئی ہے)[۱]

---

[۱] تعلیم الدین باب النکاح، ص: ۳۷۔

باب (۷)

فصل (۱)

مختلف ضروری ہدایات واصلاحات

نکاح سے پہلے لڑکے کا کسی بہانہ سے ایک مرتبہ لڑکی کو دیکھ لینا مناسب ہے۔

یا لڑکا اور لڑکی کے متعلق موافقت و مناسبت کا دیکھنا تو بہت ضروری ہے اسی واسطے حالات کی تحقیق کے علاوہ لڑکے کا لڑکی کو ایک نظر دیکھ لینا جب کہ نکاح کا ارادہ ہو کوئی حرج نہیں (بلکہ مناسب ہے)۔

اس لیے کہ عمر بھر کا تعلق پیدا کرنا ہے اس میں بڑی حکمت ہے، حدیث میں اس کی اجازت ہے مگر یہ دیکھنا تحقیق کی نظر سے ہوگا تلذذ کی نیت سے نہیں جیسے طبیب (اور ڈاکٹر) کا محض اس نیت سے دیکھنا کہ نبض سے مزاج کی حرارت و برودت وغیرہ معلوم ہو جائے نہ کہ تلذذ کی غرض سے ورنہ ناجائز ہوگا[۱]

اگر کسی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو تو اگر بن پڑے تو اس کو ایک نگاہ دیکھ لو کہیں نکاح کے بعد اس کی صورت سے نفرت نہ ہو[۲]

ضروری تنبیہ

حدیث پاک سے رویت (لڑکے کا دیکھنا) ثابت ہے نہ کہ اراءت (لڑکی کا

[۱] الافاضات الیومیہ، ج:۵،ص:۵۵۔ [۲] تعلیم الدین۔

دکھلانا) یعنی حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ لڑکی والے اس خاطب (یعنی لڑکے) کو خود لڑکی کو دکھلا دیں بلکہ (حدیث کا مطلب یہ ہے کہ) خاطب (لڑکے) کو اجازت ہے کہ اگر تمہارا موقع لگ جائے تو تم دیکھ لو۔ حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لڑکی والے اہل خاطب (لڑکے والوں) کو دکھلایا کریں، حدیث اس سے محض ساکت ہے[۱]

نکاح سے پہلے صرف ایک بار لڑکی کو دیکھنے کی اجازت

نکاح سے پہلے لڑکے اور لڑکی میں تعلقات

اگر کسی عورت سے نکاح کا ارادہ ہو تو اگر بن پڑے تو اس کو ایک نگاہ دیکھ لو، کبھی بعد نکاح اس کی صورت سے نفرت نہ ہو[۲]

بعض لوگوں کو اس میں مبتلا پایا کہ منگنی کی ہوئی عورت کے ساتھ جو کہ نکاح کے قبل حرام ہے منکوحہ کی طرح معاملہ کرتے ہیں یوں سمجھتے ہیں کہ یہ جب عنقریب حلال ہونے کو ہے تو ابھی سے حلت شروع ہوگئی اس کا باطل ہونا عقلاً وشرعاً ظاہر ہے۔

اور شاید کسی کو شبہہ ہو کہ مخطوبہ کو (جس سے نکاح کرنا ہے) پیغام دینے سے پہلے دیکھ لینا جائز ہے تو یہ بھی ایک قسم کا استمتاع (حصول لذت) ہے اور استمتاع سب برابر ہیں۔

اس کا جواب خود ہی سوال میں موجود ہے یعنی پیغام کے قبل ہی دیکھ لینا تو جائز ہے جس سے مقصود استمتاع نہیں بلکہ اس کا اندازہ کرنا ہے کہ اس عورت میں جو وصف حسن وغیرہ میں نے سن کر یا سمجھ کر اس سے استمتاع کے حلال ہونے ....یعنی نکاح کی تجویز سوچی ہے آیا وہ وصف اس میں ہے یا نہیں ہے چونکہ نہ ہونے کی صورت میں معاشرت خراب ہونے کا اندیشہ تھا، شریعت نے محض اس غرض کے لیے ایک بار چہرہ دیکھ لینے کی اجازت دے دی سو اس ضروری نظر پر جو کہ بغرض استمتاع نہیں ہے

[۱] امدادالفتاویٰ، ج:۴، ص:۲۰۰۔ [۲] تعلیم الدین، ص:۳۷۔

دوسری نظر جو کہ غیر ضروری ہے، یا اسی طرح مس (چھونا) وغیرہ کو کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ (یعنی بالکل ناجائز اور حرام ہے)[۱]

غیر منکوحہ عورت اور جس لڑکی سے نکاح کا ارادہ ہو اس کے تصور سے لذت حاصل کرنا حرام ہے

ایک عورت سے نکاح نہیں ہوا مگر یہ فرض کر کے کہ اگر اس سے نکاح ہو جائے تو اس طرح سے تمتع (لطف) حاصل کرونگا، خواہ اس سے نکاح کا ارادہ ہو یا ارادہ بھی نہ ہو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ تلذذ (حاصل کرنا) حرام ہے اس لیے کہ اس تلذذ کا محل کبھی حلال نہیں ہوا، جس میں تمتع بالحلال کا شبہ ہو سکے، حدیث پاک کی تصریح سے قلب کے ذریعہ اشتہاء وتمنا کرنا زنا (میں داخل) ہے گو درجات میں کچھ تفاوت ہو مگر نفس معصیت میں اشتراک ہے۔

اور اگر کسی عورت سے نکاح ہو چکا تھا مگر طلاق وغیرہ کی وجہ سے اس کا نکاح زائل ہو گیا اور وہ زندہ ہے خواہ کسی سے نکاح کر لیا ہو یا نکاح نہ کیا ہو اور اس کے تصور سے لذت حاصل کی کہ جب یہ نکاح میں تھی تو اس سے اس طرح تمتع کیا کرتا تھا یہ تلذذ بھی حرام ہے۔

اور اسی صورت میں اگر یہ عورت کسی اور سے نکاح کر کے مر گئی تو اس کے تصور سے بھی تلذذ حرام ہے کیونکہ دوسرے سے نکاح کرنے کی وجہ سے وہ اس سے بالکل ایسی بے تعلق ہو گئی جیسے اس تصور کرنے والے کے ساتھ نکاح سے پہلے تھی، اور اگر وہ عورت اس شخص کے نکاح میں مر گئی، تو میرے ذوق میں جواز کی ترجیح معلوم ہوتی ہے[۲]

---

[۱] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۶۴۔ [۲] امداد الفتاویٰ، ج:۴،ص:۱۷۰۔

نکاح کے قبل لڑکا لڑکی کی رائے اور رضامندی معلوم کرنا بھی ضروری ہے

ایک کوتاہی یہ کہ اکثر مواقع میں متناکحین (نکاح کرنے والے لڑکا ولڑکی) کی مرضی حاصل نہیں کی جاتی، تعجب ہے کہ نکاح جو کہ عمر بھر کے لیے دو شخصوں کا تعلق ہے جس کے ساتھ ہزاروں معاملات وابستہ ہیں اور وہ (تعلق تو) ہو کسی اور کا اور رائے ہو دوسرے کی، گوان دونوں کے مصالح کے خلاف ہو اور گو وہ اپنی ناخوشی بھی ظاہر کرتے ہوں مگر ان سے ذرا بھی نہ پوچھا جائے، اور زبردستی نکاح کر دیا جائے، بعض دفعہ عین وقت تک متناکحین (لڑکا، لڑکی) یا ان میں سے ایک برابر انکار کرتا ہے مگر اس کو جبر کر کے خاموش کر دیا جاتا ہے، اور عمر بھر کی مصیبت میں اس کو جوت دیا جاتا ہے کیا یہ عقل و نقل کے خلاف نہیں ہے؟ اور کیا اس میں ہزاروں خرابیوں کا مشاہدہ نہیں کیا جاتا؟

کیسا ظلم وستم ہے کہ بعض مہمل مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر ان کے خیال کی پرواہ نہیں کی جاتی اور ان کو گھونٹ داب کر اس بلا میں پھنسا دیا جاتا ہے[1]

لڑکا لڑکی کی مرضی کے بغیر شادی کر دینے کا انجام

بہت سے مقامات ایسے ہیں کہ ناپسندیدگی کی حالت میں نکاح کر دیا گیا پھر ناکح (شوہر) صاحب نے عمر بھر اس منکوحہ (بیوی) کی خبر نہیں لی، اور سمجھانے پر صاف جواب دے دیا کہ میں نے تو اپنی رائے ظاہر کر دی تھی، جنہوں نے یہ عقد کیا ہے وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔

اب بتلایئے اس کا کیا علاج ہے؟ ان بزرگوں کی تو مصلحت ہوئی اور غریب مظلوم (عورت) قید میں گرفتار ہوئی کہاں ہیں یہ فرسودہ عقل والے اب آئیں اور اس

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۳۴۔

مظلومہ کی مدد کریں مگر مدد کیا کرتے اس وقت تک مرکھپ بھی گئے اور زندہ بھی رہ گئے تو یہ بات کہہ کر الگ ہو گئے کہ صاحب کوئی کسی کی قسمت میں تو گھس نہیں گیا ہم کیا کریں اس کی قسمت، ہائے غضب! کیا غضب کا جواب ہے جس سے بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔[1]

ایسا دل میں آتا ہے کہ ایسا کہنے والے کا گلا گھونٹ دوں اس کا تو یہ مطلب ہے کہ ہماری تو کوئی خطا نہیں اللہ میاں کی خطاء ہے۔ نعوذ باللہ۔[2]

لڑکا اور لڑکی کی رائے معلوم کرنے کا طریقہ

اچھا طریقہ یہ ہے کہ جن سے وہ بے تکلف ہیں جیسے ہم عمر دوست اور سہیلیاں ان کے ذریعہ سے ان کے مافی الضمیر (دل کی بات) کو معلوم کر لیا جائے، اور تجربہ کی بات ہے کہ اس طریقہ سے ضرور ان کے خیالات معلوم ہو جاتے ہیں، اور بعض دفعہ تو بے دریافت کئے ہوئے وہ خود ہی ایسے بے تکلف دوستوں سے اپنی پسندیدگی یا ناپسندیدگی ظاہر کر دیتے ہیں اور اولیاء تک وہ خبریں پہونچ جاتی ہیں۔[3]

سارا دارومدار لڑکے اور لڑکی پر رکھ دینا بھی سخت غلطی ہے

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ لڑکے اور لڑکی سے کہلوانا ضروری ہے، کیونکہ یقیناً بعض جگہ لڑکا اور لڑکی ذی رائے (اچھی رائے والے) نہیں ہوتے، تو ان نادانوں کی رائے ہی کیا اور اس پر اعتماد ہی کیا.................. اکثر جگہ اولیاء اپنے تجربہ اور شفقت سے جو تجویز کریں گے وہی مصلحت ہوگی اس لیے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں اور نہ کوئی عاقل یہ بات تجویز کر سکتا ہے کہ بالکل متناکحین (لڑکا لڑکی) کی رائے پر رکھ دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ (لڑکے اور لڑکی کے) اولیاء اپنے تجربہ اور شفقت سے مصالح پر پوری

[1] ایضاً، ج:۲، ص:۳۴۔ [2] حسن العزیز، ج:۲، ص:۴۰۴۔ [3] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۳۴۔

نظر کر کے (تجویز کر کے) اس کے بعد بھی احتیاطاً انجام پر نظر کرتے ہوئے اگر لڑکا لڑکی بالغ ہیں تو اس صورت میں قبل اس کے کہ باضابطہ ان کی رضامندی و اجازت حاصل کی جائے ....اس کے قبل بھی خاص طور سے ان کی رائے دریافت کی جائے۔[1]

بڑوں کی رائے کے بغیر اپنی طرف سے نکاح کا پیغام دینے اور نکاح کر لینے کی خرابی

ہم نے جو برکت کے آثار (گھر کے) بزرگوں کے تجویز کئے ہوئے نکاح میں دیکھے ہیں وہ اس نکاح میں نہیں دیکھے جو براہ راست خود زوجین کر لیتے ہیں، اور بلاضرورتِ شدیدہ خود نکاح کی بات چیت یا خط و کتابت کرنا اس کی بے حیائی کی دلیل ضرور ہے ''اِذَا فَاتَکَ الْحَیَاءُ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ '' یعنی جب تم میں حیاء نہ ہو تو جو چاہے کرو، بے حیاء آدمی سے جو برائی صادر ہو جائے بعید نہیں، عاقل آدمی کو ایسی عورت سے بچنے کے لیے یہی علامت کافی ہے کہ وہ بے حیاء ہے۔[2]

میری رائے میں عورت کا سب سے بڑھ کر جو ہر حیا اور انقباض طبعی ہے اور یہی تمام بھلائیوں کی کنجی ہے جب یہی نہ رہا تو پھر نہ کسی خیر کی توقع اور نہ کوئی شر مستبعد (یعنی دور) ہے۔[3]

لڑکوں لڑکیوں میں حیاء شرم کی ضرورت

شرم و حیاء کم و بیش لڑکوں میں بھی ہونی ضروری ہے خصوصاً ہندوستان کے لیے تو بہت ہی ضروری ہے کیونکہ یہاں بہت فتنے پھیل رہے ہیں ان سب کا انسداد حیاء سے کیا جاسکتا ہے، اور اس کی دن بدن کمی ہوتی جارہی ہے جس قدر ہم نے حیاء اپنی ابتدائی عمر

[1] اصلاح انقلاب۔ج:۲،ص:۳۳۔ [2] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۵۰۔ [3] ایضاً، ج:۱،ص:۲۷۱۔

میں لڑکوں میں دیکھی ہے، اب لڑکیوں میں بھی نہیں دیکھی جاتی، اور اب بھی جس قدر بوڑھوں میں ہے وہ نو جوانوں میں نہیں اس کمی کی وجہ سے خرابیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں اس لئے کم وبیش حیاء کا ہونا بہت ضروری ہے۔

اور اس کا ماخذ (دلیل) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل ہے کہ چپ آ کر بیٹھ گئے اور شرم کی وجہ سے زبان نہ ہلا سکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خبر ہوگئی ہے کہ تم فاطمہ کا پیغامِ نکاح لے کر آئے ہو[1]

اخبار واشتہار اور انٹرنیٹ کے ذریعہ نکاح

آج کل یہ طوفان ہوگیا کہ اشتہاری دواؤں کی طرح ناکح منکوح (نکاح کرنے والا لڑکا لڑکی) کے اشتہار بھی اخباروں میں چھپنے لگے، کبھی ناکح صاحب اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ جائیداد، یہ نوکری، یہ کمالات ہیں اور ہم کو ان اوصاف کی منکوحہ چاہئے جس کو منظور ہو ہم سے خط وکتابت کرے، پھر اس کے جواب میں کوئی بی بی صاحبہ اخبار میں یا خاص طور پر جواب لکھتی ہیں اور اپنا جامع اوصاف اور حسین ہونا اپنے بے شرم قلم سے لکھتی ہیں اور کچھ شرطیں کرتی ہیں بس اسی طرح خط وکتابت ہو کر کبھی سودا بن جاتا ہے اور کبھی نہیں بنتا کبھی نکاح سے پہلے ہی دو چار ملاقاتیں ہو جاتی ہیں تا کہ تجربہ اور بصیرت کے بعد نکاح ہو۔ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن'' کیسی آفتیں نازل ہو رہی ہیں[2]

---

[1] عضل الجاہلیۃ، ص:۲۶۱ [2] اصلاح انقلاب، ص:۴۹۔

فصل (۲)

جوان لڑکے اور لڑکی کا اختیار

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کا نکاح (جبکہ وہ شرعاً باختیار یعنی بالغہ ہوں) ان کی اجازت کے بغیر مت کرو[۱]

بالغہ یعنی جوان عورت خودمختار ہے چاہے نکاح کرے چاہے نہ کرے اور جس کے ساتھ چاہے کرے کوئی شخص اس پر زبردستی نہیں کرسکتا، اگر وہ خود اپنا نکاح کسی سے کرے تو نکاح ہوجائے گا چاہے ولی کو خبر ہو یا نہ ہو اور ولی چاہے خوش ہو یا نہ ہو ہر طرح نکاح درست ہے، ہاں البتہ (اگر غیر کفوٴ یعنی) بے میل اور اپنے سے کم ذات والے نکاح کرلیا اور ولی ناخوش ہے تو فتویٰ اس پر ہے کہ نکاح درست نہ ہوگا۔

اور اگر نکاح تو اپنے کفوٴ (یعنی میل) ہی میں کیا لیکن جتنا مہر اس کے دادھیالی خاندان میں باندھا جاتا ہے جس کو شرع میں مہر مثل کہتے ہیں اس سے بہت کم پر نکاح کرلیا تو نکاح تو ہوگیا لیکن اس کا ولی اس نکاح کو تڑواسکتا ہے مسلمان حاکم سے فریاد کرسکتا ہے کہ وہ نکاح توڑ دے[۲]

(ایسی صورت میں) اولیاء کو حق فسخ حاصل ہے یعنی حاکم اسلام کے پاس جاکر نالش کریں وہ تحقیق کرکے کہہ دیں کہ میں نے نکاح فسخ کیا تو نکاح ٹوٹ جائے گا، حاکم مسلم کے فسخ کرنے سے نکاح فسخ ہوگا محض باپ کے کہہ دینے سے کہ میں راضی نہیں کچھ نہیں ہوگا[۳]

---

[۱] بزار حیٰوۃ المسلمین، ص:۱۹۲۔ [۲] بہشتی زیور: ج۴، ص۲۰۰۔ [۳] حقوق الزوجین، ص:۳۸۰۔

یہی حکم لڑکے کا ہے کہ اگر جوان ہوتو اس پر زبردستی نہیں کرسکتے اور ولی اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتا ، اگر بے پوچھے نکاح کردے گا تو (لڑکے کی) اجازت پر موقوف رہے گا اگر اجازت دیدی تو ہوگیا نہیں تو نہیں ہوا[1]

لڑکا لڑکی کی اجازت کے بغیر نکاح کردینے کا حکم

اگر لڑکی یا لڑکا نابالغ ہوتو وہ خود مختار نہیں ہے بغیر ولی کے اس کا نکاح درست نہیں ہوتا اگر اس نے بغیر ولی کے نکاح کرلیا یا کسی اور نے کردیا تو ولی کی اجازت پر موقوف ہے اگر ولی اجازت دے گا تو نکاح ہوگا نہیں تو نہ ہوگا اور ولی کو اس کے نکاح کرنے نہ کرنے کا پورا حق اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کردے، نابالغ لڑکے اور لڑکیاں اس نکاح کو اس وقت رد نہیں کرسکتے[2]

اور اگر وہ لڑکی بالغہ ہے اور جس وقت اس کے باپ نے اس سے اذن طلب کیا (یعنی نکاح کی اجازت چاہی) یا نکاح ہوجانے کی خبر اس کو پہنچی اور اس نے انکار کردیا تو یہ نکاح جائز نہیں ہوا کیونکہ ولی کی ولایت اجبار (بالجبر نکاح کردینے کا اختیار) زمانہ بلوغ تک ہے۔

اور اگر بالغہ ہے یا باوجود بالغہ ہونے کے اجازت طلب کرتے وقت یا نکاح کی خبر پہنچنے کے وقت خاموش ہوگئی تو نکاح ہوگیا اور نکاح سے پہلے یا نکاح کے بعد انکار کا اعتبار نہیں۔

البتہ اگر باپ کے ہوتے ہوئے کسی اور نے اجازت چاہی تو محض سکوت (خاموشی) رضامندی کی دلیل نہیں جب تک کہ زبان سے بھی اجازت نہ دے۔

اور لڑکی کا بالغہ ہونا، احتلام اور حیض اور حاملہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے، اور اگر ان علامات میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو پندرہ سال کی عمر میں بالغہ ہونے کا

[1] بہشتی زیور، ج:۴،ص:۲۰۲۔ [2] ایضاً، ج:۴،ص:۲۰۲۔

فتویٰ دیا جائے گا البتہ اگر وہ لڑکی خود کہے کہ میں بالغہ ہوں اور ظاہر حال سے اس کی تکذیب نہ ہوتی ہو تو اس کی تصدیق کی جائے گی بشرطیکہ نو سال سے کم نہ ہو[1]

اجازت لینے کا طریقہ اور چند ضروری مسائل

۱ اگر عورت خود وہاں (مجلس نکاح میں) موجود ہو اور اشارہ کر کے یوں کہہ دے کہ میں نے اس کا نکاح تمہارے ساتھ کیا وہ کہے میں نے قبول کیا تب بھی نکاح ہو گیا نام لینے کی ضرورت نہیں۔

۲ اور اگر وہ خود موجود نہ ہو تو اس کا بھی نام لیوے اور اس کے باپ کا بھی نام لے اتنے زور سے کہ گواہ سن لیں، اور اگر باپ کو بھی لوگ جانتے نہ ہوں تو دادا کا نام لینا بھی ضروری ہے غرض یہ کہ ایسا پتہ ہونا چاہئے کہ سننے والے سمجھ لیں کہ فلانی (لڑکی) کا نکاح ہو رہا ہے۔

۳ جوان کنواری لڑکی سے ولی نے آ کر کہا کہ میں تمہارا نکاح فلانے (لڑکے) کے ساتھ کئے دیتا ہوں اس پر وہ چپ رہی یا مسکرادی یا رونے لگی تو بس یہی اجازت ہے اب وہ ولی نکاح کر دے تو صحیح ہو جائے گا، یہ نہیں کہ جب زبان سے کہے تب ہی اجازت سمجھی جائے، جو لوگ زبردستی کر کے زبان سے قبول کراتے ہیں برا کرتے ہیں۔

۴ البتہ اگر ولی نے اجازت لیتے وقت شوہر کا نام نہیں لیا نہ اس کو پہلے سے معلوم ہے تو ایسے وقت چپ رہنے سے رضامندی ثابت نہ ہوگی اور اجازت نہ سمجھیں گے بلکہ نام و نشان بتلانا ضروری ہے جس سے لڑکی اتنا سمجھ جائے کہ یہ فلانا شخص ہے۔

اسی طرح اگر مہر نہیں بتلایا اور مہر مثل سے بہت کم پر نکاح پڑھ دیا تو عورت کی

---

[1] امداد الفتاویٰ، ج:۲،ص:۱۸۶۔

اجازت کے بغیر نکاح نہ ہوگا، اس لیے قاعدہ کے موافق پھر اجازت لینی چاہئے۔

۵ نکاح (صحیح) ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ کم سے کم دو مردوں کے یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے کیا جائے اور وہ لوگ اپنے کانوں سے نکاح ہوتے ہوئے اور وہ دونوں لفظ کہتے سنیں تب نکاح ہوگیا[1]

ولی کسے کہتے ہیں؟

لڑکے اور لڑکی کے نکاح کرنے کا جس کو اختیار ہوتا ہے اس کو ولی کہتے ہیں لڑکی اور لڑکے کا ولی سب سے پہلے اس کا باپ ہوتا ہے اگر باپ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو پردادا، اگر یہ لوگ کوئی نہ ہوں تو سگا بھائی اگر سگا بھائی نہ ہو تو سوتیلا یعنی باپ شریک بھائی، پھر بھتیجہ پھر بھتیجے کا لڑکا پھر اس کا پوتا، پھر سوتیلے چچا اور اس کے لڑکے پوتے پڑپوتے وہ کوئی نہ ہو تو باپ کا چچا پھر اس کی اولاد، اگر باپ کا چچا اور اس کے لڑکے پوتے پڑپوتے کوئی نہ ہوں تو دادا کا چچا پھر اس کے لڑکے پڑپوتے پھر پوتے وغیرہ۔

یہ کوئی نہ ہوں تو ماں ولی ہے، پھر دادی، پھر نانی، پھر نانا، پھر حقیقی بہن پھر سوتیلی بہن جو باپ شریک ہو، پھر جو بھائی بہن ماں شریک ہوں، پھر پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ وغیرہ۔

اور نابالغ شخص کسی کا ولی نہیں ہوسکتا، اور کافر کسی مسلمان کا ولی نہیں ہوسکتا اور مجنون پاگل بھی کسی کا ولی نہیں ہوسکتا[2]

---

[1] بہشتی زیور: حصہ چہارم۔ [2] بہشتی زیور، ج:۴، ص:۲۰۰۔

لڑکی کا ازخود نکاح کر لینے کی خرابی

اس میں کلام نہیں کہ عاقلہ بالغہ (سمجھ دار جوان لڑکی) خود اپنے نکاح کی بات چیت ٹھہرا لے اور ایجاب وقبول کر لے تو نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا بلا ضرورت ومصلحتِ (شرعی) کے ایسا کرنا کیسا ہے سو یہ امر نہ شرعاً پسندیدہ ہے نہ عقلاً، شرعاً اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لاَ تَنْكِحُوا النِّسَآءَ اِلَّا مِنَ الْاَكْفَاءِ وَلَا يُزَوِّجُهُنَّ اِلَّا اَوْلِيَاءُ.

(دار قطنی، بیهقی)

یعنی عورتوں کا نکاح نہ کرو مگر ان کے کفوٗ میں اور ان کی شادی نہ کریں مگر ان کے اولیاء۔

یہ (حدیث) بھی عمل ہی کے واسطے ہے اور کوئی تو باطنی راز ہے جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (لڑکی کے نکاح کے لیے) اولیاء کا واسطہ تجویز فرمایا اگرچہ ہم کو اس کی علت اور وجہ بھی نہ معلوم ہو[1]

[1] اصلاح انقلاب، ص:۵۰۔

فصل (۳)

نکاح کے معاملہ میں صفائی اور دیانت داری سے کام لینا چاہئے

چونکہ نکاح بھی ایک معاملہ ہے جس کا تعلق دو نئے آدمیوں سے ہے اس لیے زوجین (ہونے والے میاں بیوی) کو اس میں نہایت دیانت و صفائی سے کام لینا واجب ہے کہ کسی قسم کا خلجان محتمل (یعنی الجھاؤ کا احتمال) نہ رہے، جہاں تک اپنا ذہن رسائی کرے ہر بات صاف کرے[1]

دھوکہ دے کر ناپسندیدہ یا ناکارہ لڑکی کا نکاح کرنا

ایک کوتاہی یہ ہے کہ منکوحہ (لڑکی) کسی وجہ سے ایسی ہو کہ مرد اس کو پسند نہ کرے گا اور لڑکی کے اولیاء نے دھوکہ دے کر کسی سے نکاح کر دیا مثلاً ایسا کوئی مرض ہے جو ہم بستری سے مانع ہے۔

ایک جگہ پاگل کا نکاح ایک اندھے سے کر دیا تھا اس نے شوہر کے کاٹ لیا وہ بھاگا اور بے حد رسوائی ہوئی آخر طلاق ہوئی اور مہر کا جھگڑا پڑا۔

ایک جگہ عورت بالکل بھوری تھی یعنی جلد ایسی سفید تھی جیسے برص کے مرض میں ہو جاتی ہے سو مرد کہیں تو صابر شاکر بے نفس ہوتا ہے اور برداشت کرتا ہے مگر اس کی پوری زندگی بے مزہ ہوتی ہے، گو چھٹکارا ممکن ہے مگر طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں، بعض لوگ

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۲۷۔

اس کو بے مروتی سمجھتے ہیں بعض لوگ وسعت کم رکھتے ہیں اس لیے وہ اس کا اہتمام نہیں کرتے تو جن لوگوں نے اس کو دھوکہ دیا ہے ان پر تو دھوکہ دینے اور ایذاء رسانی (تکلیف پہنچانے) کا وبال (اور گناہ) ضرور ہی ہوگا۔

بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ آسیب زدہ لڑکی کو کسی کے سر مڑھ دیا اور جب وہ متوجہ ہوا تو جن صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے غرض یوں ہی صبر کر کے رہ گیا اور خدمت اس کی جدا اس کے ذمہ رہی تو یہ لوگ لڑکی کے لیے شوہر تجویز نہیں کرتے بلکہ اس کے لیے ایک مزدور تلاش کر لیتے ہیں، خاص طور سے اگر بی بی صاحبہ بدزبان و بدمزاج ہوں تب تو اچھی خاصی شوہر کے لیے دوزخ ہے، اسی طرح اگر وہ اندھی ہو، کانی ہو، برص کے مرض مبتلا ہو، جذام کے مرض میں مبتلا ہو، ان سب کا نتیجہ برا ہوتا ہے۔

اگر مرد بے نفس ہوا تو اس کی زندگی برباد ہوئی اور اگر اس سے صبر نہ ہو سکا تو اس نے عورت کو تکلیف پہنچانا شروع کیا جس سے اس پر ایک مصیبت مرض وغیرہ کی تو پہلے ہی سے تھی، دوسری اور بڑھ گئی اور یہ ناچاقی (اختلاف) ان دونوں سے آگے بڑھ کر دونوں خاندانوں میں مؤثر ہوتی ہے ان میں آپس میں دشمنی ہو جاتی ہے، مقدمہ بازی ہوتی ہے، کبھی علیحدگی کی کوشش کی جاتی ہے اور مرد انکار کرتا ہے کبھی مہر کا دعویٰ ہوتا ہے، کبھی جھوٹے گواہ مہر کی معافی کے بنائے جاتے ہیں، اور کبھی باوجود معاف کر دینے کے جھوٹا حلف (قسم) معاف نہ کرنے کا گوارہ کر لیا جاتا ہے، غرض ہزاروں خلجان (پیچیدہ مسئلے) کھڑے ہو جاتے ہیں ان سب کی جڑ مرد عورت کا ناموافق ہونا ہے[1]

ناکارہ مرد سے نکاح کر دینا

ایک کوتاہی یہ کہ بعض لوگ باوجود بالکل ضرورت نہ ہونے کے بلکہ باوجود بیکار ہونے کے .... محض خاندانی رسم سمجھ کر جوان عورت یا لڑکی سے نکاح کر دیتے ہیں

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۲۶۔

اور اپنے ناکارہ ہونے کو منکوحہ (لڑکی) اور منکوحہ کے اولیاء سے چھپاتے ہیں، یہ لوگ دوسرے آدمی کو مفسدہ میں مبتلا کرتے ہیں۔

اگر عورت پارسا ہے تب تو وہ تمام عمر قیدِ شدید میں مبتلا ہوئی اور اگر اس صفت سے خالی ہوئی تو بدکاری میں مبتلا ہوئی اور دونوں حالتوں میں میاں بیوی میں ناگوار (حالات) اور رنجش و نااتفاقی امر مشترک ہے۔

دوسری صورت میں دونوں کی بے آبروئی بلکہ دونوں کے خاندان کی بھی ساتھ ساتھ رسوائی ہے، بعض لوگ یہ اندھیر کرتے ہیں کہ باوجود اس بات کے مشہور ہونے کے پھر بھی اپنی لڑکی ایسے شخص سے بیاہ دیتے ہیں جس کا سبب اکثر مال و زر کی حرص ہوتی ہے[۱]

نکاح اعلان کے ساتھ کرنا چاہئے

بعض لوگ نفسانی مصلحت سے خفیہ نکاح کر لیتے ہیں جس میں ایک خرابی تو یہ کہ یہ سنت کے تو یقیناً خلاف ہے حدیث میں ہے ''اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ'' (یعنی نکاح اعلان کے ساتھ کیا کرو)۔

اور جن ائمہ کے نزدیک اعلان کرنا نکاح کی شرط ہے ان کے نزدیک ایسا نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔

اور ہمارے نزدیک اگر چہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے جب کہ اس میں ضروری گواہ یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں موجود ہوں، مگر تاہم علماء کے اختلاف میں بلا وجہ پڑنا خود ناپسندیدہ ہے۔

---

[۱] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۲۴۔

خفیہ نکاح کرنے کے مفاسد

(۱) اس میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر یہ طریقہ رائج ہو جائے تو بہت سے مرد عورت زنا میں مبتلا ہونے کے بعد جب حمل یا کسی کو اطلاع ہو جانے سے رسوائی ہوتے دیکھیں گے تو بہت آسانی سے خفیہ نکاح کے دعوے کی آڑ لے لیا کریں گے۔

(۲) اور ایک خرابی یہ کہ بعض عوام کو خود بھی معلوم نہیں کہ نکاح صحیح ہونے کے لیے شہادت کا ادنیٰ (کم از کم) درجہ کیا ہے جب وہ کسی خفیہ نکاح کو سنیں گے اور خفیہ ہونے کے سبب ان کو گواہوں کا عدد معلوم نہ ہوگا تو تعجب نہیں کہ اس کا مطلب نکاح بغیر شہود (گواہوں کے بغیر) شہادت کے شرط نہ ہونے کا اعتقاد کرلیں، اور کسی موقع پر عمل بھی کرلیں تو اس میں اعتقادی وعملی دونوں خرابیاں جمع ہو گئیں[۱]

(۳) ایک خرابی یہ کہ (خفیہ نکاح کے) دعوے کے ذریعہ کسی ایسی عورت پر ظلم ہوسکتا ہے جس سے یہ نکاح کی خواہش رکھتا ہو اور وہ اس کو قبول نہ کرتی ہو پس کسی وقت اگر اس کو شیطان گمراہ کرے تو دو مردہ شخصوں کا نام لے کر دعویٰ کرسکتا ہے کہ ان کے سامنے خفیہ نکاح ہو گیا تھا اور اس دعوے کے بعد دو چار مددگاروں کی اعانت سے اس پر زیادتی کرے اور عام لوگ اس شبہہ میں خاموش رہیں کہ نکاح والی عورت پر قبضہ کرنے کا حق ہے ہم کیوں تعرض کریں۔

(۴) ایک خرابی یہ کہ منکوحہ (جس کا نکاح ہو چکا ہو) عورت کی نسبت یہی دعویٰ اس طرح ہوسکتا ہے کہ دوسرے شخص کے علانیہ نکاح کے قبل کی تاریخ میں ہمارے عزیز کا خفیہ نکاح ہو چکا تھا چنانچہ انہیں ایام میں ایسا واقعہ ہوا ہے۔

اور تعجب نہیں کہ انہی مفاسد کے انسداد کے لیے شریعت نے اعلان نکاح کا حکم فرمایا[۲]

---

[۱] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۵۲۔ [۲] اصلاح انقلاب، ص:۵۴۔

ضرورتاً خفیہ نکاح کرنا

بعض اوقات شرعی عذر سے خفیہ نکاح کی ضرورت واقع ہوتی ہے، مثلاً ایک بیوہ عورت کسی سے نکاح ثانی کرنا چاہتی ہے مگر اعلان کرنے میں اپنے جاہل ورثاء سے اس کو ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہے اور دوسری جگہ سفر کرنے میں کوئی محرم نہیں اس لیے اس نے خفیہ نکاح کر لیا پھر اسی کے ساتھ امن میں دوسری جگہ چلی گئی۔[1]

لڑکی والے پیغام دیں یا لڑکے والے

صحابہ میں تو بعض دفعہ باپ نے خود اپنی بیٹی کے لیے پیام دیا ہے چنانچہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پہلے شوہر سے بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حفصہ بنت عمر بیوہ ہوگئی ہے اس سے تم نکاح کر لو۔

وہاں ہندوستان کی سی رسم نہ تھی کہ باپ کا خود بیٹی کے لیے کہنا حرام سمجھتے ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا چنانچہ انہوں نے عذر کر دیا اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حفصہ بنت عمر بیوہ ہوگئی ہے اس سے آپ نکاح کر لیجئے، انہوں نے بھی وہی جواب دیا کہ سوچوں گا پھر کچھ جواب ہی نہ دیا، آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام آیا اور نکاح کر دیا، پھر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ملے، حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میرے کچھ جواب نہ دینے پر تم خفا ہو گئے ہوگے، بھائی ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے ہوئے سنا تھا اس لیے ہم نے جواب میں توقف کیا کہ نہ خود قبول کر سکتا تھا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر کر سکتا تھا اور صاف جواب دینے میں شبہہ تھا کہ تم اور کہیں منظور نہ کر لو غرض عرب میں

[1] ایضاً ۵۵۔

ایسی بے تکلفی تھی کہ باپ اپنی بیٹی دیتے ہوئے نہیں شرماتا تھا۔

بلکہ عورتیں آ کر عرض کرتیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سے نکاح کر لیجئے، ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی لڑکی نے کہا یہ عورت کیسی بے حیاء تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تجھ سے اچھی تھی اس نے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی، غرض عرب میں یہ کوئی عیب نہ تھا۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی ایسا ضرور کریں لیکن اگر کوئی کرے تو مضائقہ نہیں [1]

[1] عضل الجاہلیہ، ص:۲۶۱۔

باب (۸)

شادی کس عمر میں کرنا چاہئے

لڑکیوں کی جلدی شادی نہ کرنے کے مفاسد

بعض ناعاقبت اندیش کنواری لڑکیوں کو بالغ ہو جانے کے بعد بھی کئی کئی سال بٹھلائے رکھتے ہیں اور محض ناموری کے سامان کے انتظار میں ان کی شادی نہیں کرتے حتی کہ بعض بعض تیس تیس اور کہیں چالیس چالیس برس کی عمر کو پہنچ جاتی ہیں، اور اندھے سرپرستوں کو کچھ نظر نہیں آتا کہ اس کا کیا انجام ہوگا، حدیثوں میں جو اس پر وعید آئی ہے کہ اگر اس صورت میں عورت سے کوئی لغزش ہوگئی تو وہ گناہ باپ پر بھی لکھا جاتا ہے یا جو (بھی باپ کے قائم مقام مثلاً بھائی) ذی اختیار ہو اس پر بھی لکھا جاتا ہے۔

اگر کسی کو اس وعید کا خوف نہ ہو تو دنیا کی آبرو کو تو دنیا دار بھی ضروری سمجھتے ہیں، سو اس میں اس کا بھی اندیشہ ہے، چنانچہ کہیں حمل گرائے گئے ہیں کہیں لڑکیاں کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہیں۔

اگر کسی شریف خاندان میں ایسا نہ ہو تب بھی وہ لڑکیاں ان سرپرستوں کو تو دل ہی دل میں کوستی ہیں اور چونکہ وہ مظلوم ہیں اس لیے ان کا کوسنا خالی نہیں جاتا۔

ان لوگوں کو یہ بھی شرم نہیں آتی کہ خود باوجود بوڑھے ہو جانے کے ایک بڑھیا کو جو اس لڑکی کی ماں ہے خلوت میں لے جا کر اس کے ساتھ عیش وعشرت کرتے ہیں اور جس غریب مظلوم کی عیش کا موسم ہے وہ پہرہ داروں کی طرح ماما (نوکرانی) کے ساتھ

ان کے گھر کی چوکسی کرتی ہیں کیسا بے ربط خبط ہے۔[1]

سامان جہیز اور زیور کی وجہ سے تاخیر

اکثر یہ دیکھا گیا ہے جس انتظار میں یہ ٹال مٹول کی جاتی ہے وہ بھی نصیب نہیں ہوتا یعنی سامان، زیور، اور فخر کے لیے وہ سرمایہ بھی میسر نہیں ہوتا اور مجبوری میں جھک مار کر خشک نکاح ہی کرنا پڑتا ہے، پھر کوئی ان سے پوچھے کہ دیر کرنے میں تو اور بھی زیادہ بدنامی ہے کہ میاں اتنے دن بھی لگائے اور پھر بھی خاک نہ ہوسکا، لڑکی کو اگر ایسا ہی دینے کا شوق ہے تو نکاح کے بعد دینے کو کس نے منع کیا ہے۔[2]

دعوت وغیرہ کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے تاخیر

اگر عام دعوت کرنے کا شوق ہے تو دعوت کے ہزار بہانے ہر وقت نکل سکتے ہیں یہ کیا فرض ہے کہ سارے ارمانوں کی اسی مظلومہ پر مشق کی جائے یہ بالکل صریح ظلم اور برا عمل ہے۔

حدیث میں ہے کہ اگر تمہارے پاس ایسا شخص آئے جس کے اخلاق اور دینداری تم کو پسند ہو تو اپنی لڑکی کا نکاح اس سے کرو ورنہ زمین میں فتنہ اور فساد پھیلے گا۔[3]

مناسب رشتہ نہ ملنے کا فضول عذر

بعض لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ کہیں موقع کا رشتہ ہی نہیں آتا تو کیا کسی کے ہاتھ پکڑا دیں؟ یہ عذر اگر واقعی ہوتا تو صحیح تھا یعنی سچ مچ اگر موقع کا رشتہ نہ آتا تو واقعی یہ شخص معذور تھا لیکن خود اسی میں کلام ہے کہ جو رشتے آتے ہیں کیا وہ سب ہی بے موقع ہیں؟ بات یہ ہے کہ بے موقع کا مفہوم خود انہوں نے اپنے ذہن میں تصنیف کر رکھا ہے

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۲۹۔ [2] ایضا، ج:۲،ص:۳۰، ۳۷۔

[3] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۳۰، ۳۷

جس کے اجزاء یہ ہیں۔

(۱) حسب نسب حضرات حسنین رضی اللہ عنہما جیسا ہو۔ (۲) اور اخلاق میں جنید جیسا ہو۔ (۳) اور علم میں اگر وہ دینی علم ہے تو ابوحنیفہ کے برابر ہو اگر دنیوی علم ہے تو بوعلی سینا کا مثل ہو۔ (۴) حسن میں یوسف علیہ السلام کا ثانی ہو۔ (اور ثروت وریاست میں قارون وفرعون کے ہم پلہ ہو)۔

غلو ہر امر میں مذموم ہے۔ ایک ہی شخص میں تمام صفات کا مجتمع ہونا شاذ ونادر ہے، جن صفات کو جس درجہ میں تم دوسروں میں ڈھونڈتے ہو تم کو جس شخص نے لڑکی دی تھی جس کی بدولت آج اپنی لڑکی کے باپ بن کر یہ جولانیاں دکھا رہے ہو کیا اس شخص نے تمہارے لیے ایسی ہی تفتیش وتحقیق کی تھی؟ اگر وہ ایسا کرتا تو تم کو عورت ہی میسر نہ ہوتی، اس نے ایسا نہیں کیا تو جب اس نے ایسا نہ کیا تو تم نے یا تمہارے باپ نے دوسرے مسلمان بھائی کی بدخواہی کیوں کی؟ کہ باوجود تمہارے اندر ان اوصاف کے پورے طور سے مجتمع نہ ہونے کے اس کی لڑکی پر نکاح کے ذریعہ قبضہ کرلیا (جو چیز تم اپنے لیے پسند کرتے ہو وہ دوسروں کے لیے کیوں نہیں پسند کرتے) اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ دوسرے یہ کہ جب تم اپنی دختر (لڑکی) کے لئے ان صفات کا شوہر تلاش کرتے ہو انصاف کرو، تم نے جب اپنے لڑکے کے لیے کسی کی لڑکی کی درخواست کی تھی یا کرنے کا خیال ہے، کیا اپنے صاحب زادہ میں بھی یہ صفات اسی درجہ کی دیکھ لی یا دیکھنے کا ارادہ ہے؟؟؟

تیسرے یہ کہ جس طرح لڑکوں میں بے شمار خوبیاں ڈھونڈی جاتی ہیں اگر دوسرا شخص تمہاری لڑکیوں میں اس سے دسواں حصہ خوبیاں اور ہنر دیکھنے لگے تو میں یقین کرتا ہوں کہ تمام عمر ایک لڑکی بھی نہ بیاہی جائے گی۔

غرض یہ عذر کہ رشتہ موقع کا (مناسب) نہیں آتا اکثر حالتوں میں بے موقع ہوتا ہے۔[1]

---

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۳۰، ۳۷۔

لڑکیوں کے لیے اچھے لڑکے کم کیوں ملتے ہیں؟

اس کا ذکر تھا کہ لڑکیوں کے لیے اچھے لڑکے بہت کم ملتے ہیں، فرمایا کہ میں نے تو اپنے خاندان کی عورتوں کے سامنے ایک مرتبہ یہ کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑکیوں میں تو صرف لڑکی ہونا دیکھا جاتا ہے، اس لیے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکوں کے لئے لڑکیاں بہت ہیں اور اور لڑکوں میں سیکڑوں باتیں دیکھی جاتی ہیں کہ خوبصورت بھی ہو، وجاہت بھی رکھتا ہو، کھاتا پیتا بھی ہو، غیرت بھی ہو، عہدہ بھی ہو، میں نے کہا: اگر اتنی شرطیں تم لڑکوں میں لگاتی ہو، لڑکیوں میں بھی دیکھی جائیں تو انشاء اللہ ایک لڑکی بھی شادی کے قابل نہ نکلے گی کیونکہ کہ اکثر لڑکیاں بے سلیقہ اور نالائق ہوتی ہیں غرض لڑکوں میں بھی غالب نالائق ہیں اور لڑکیوں میں بھی[1]

کم عمری میں شادی کر دینے سے قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں

آج کل کے قوی بہت ضعیف ہیں جس کی زیادہ وجہ معلوم یہ ہوتی ہے کہ آج کل شادی کم عمری میں ہو جاتی ہے، اعضاء میں پورا نمو (کمال و پختگی) نہیں ہونے پاتا اتنی جلدی شادی کرنے کی وجہ یا تو چوچلا پن ہے کہ چھوٹے چھوٹے دولہا دیکھنے کا ارمان ہے اور کہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مر جائیں اور بیٹے کی شادی نہ دیکھ سکیں اور کہیں ماں باپ کا قصور نہیں ہوتا، بلکہ خود بچے ہی ماں باپ کے پیٹ سے نکلتے ہی مستیاں شروع کر دیتے ہیں جس سے ماں باپ کو ان کی شادی کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

بہر حال شادی کم عمری میں ہوتی ہے اس وجہ سے ماں باپ ہی چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اس کے بعد ان کے بچے بھی چھوٹے ہوتے ہیں اگر ایسا ہی ہوتا رہا تو وہ جو مشہور ہے کہ قیامت کے قریب بالشتیوں (ایک بالشت کے آدمی) کی آبادی ہو گی تھوڑے دنوں میں بالکل سچ ہو جائے گا۔

---

[1] ملفوظات اشرفیہ مطبوعہ پاکستان، ص:۳۷۳، حسن العزیز، ج:۱، ص:۶۳۰۔

اگلے زمانہ کے لوگ بڑے قوی ہوتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی شادی سن نمو ختم ہونے کے بعد ہوتی تھی، (یعنی جب ان کی جوانی، کمال اور پختگی کو پہنچ جاتی تھی) اسی وجہ سے ان کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں یہ وجہ ہے ضعف کی[1]

بچپن میں شادی کردینے کی خرابیاں

ایک کوتاہی بعض قوموں میں یا بعض لوگوں میں یہ ہے کہ بہت تھوڑی عمر میں شادی کردیتے ہیں جس وقت ان متناکحین (لڑکا لڑکی) کو کچھ تمیز بھی نہیں ہوتی کہ نکاح کیا چیز ہے، اور اس کے کیا حقوق ہوتے ہیں اس میں بہت سی خرابیاں ہوتی ہیں بعض اوقات لڑکا نالائق نکلتا ہے جس کو منکوحہ سیانی ہوکر یا لڑکی کے اولیاء پسند نہیں کرتے اب فکر ہوتی ہے تفریق کی، کوئی مسئلہ پوچھتا ہے کوئی بے مسئلہ پوچھے ہی دوسری جگہ نکاح کردیتا ہے ....اور لڑکا ہے کہ براہ سرکشی نہ اس کے حقوق ادا کرتا ہے نہ اس کو طلاق دیتا ہے غرض ایک بلا اور لاعلاج مصیبت ہوگئی۔

بعض جگہ کم سنی میں نکاح کرنے سے یہ ہوا کہ جوان ہونے کے بعد وہ لڑکی اس لڑکے کو پسند نہیں وہ اپنے لیے کہیں اور تلاش کرلیتا ہے، اور اس کی نہ خبر گیری کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے اور عذر کردیتا ہے کہ مجھ کو خبر ہی نہیں میرا نکاح کب ہوا؟ جنہوں نے کیا وہ ذمہ دار ہیں اور طلاق دینے کو عرفاً عار سمجھتا ہے۔

بعض اوقات دونوں بچپن میں ایک جگہ کھیلتے اور لڑتے ہیں جس کا اثر بعض جگہ یہ ہوتا ہے کہ آپس میں نفرت اور بغض پیدا ہوجاتا ہے اور چونکہ شروع ہی سے دونوں ساتھ رہے ہیں اس لیے شوہر کو کوئی خاص میلان کیفیت شوقیہ کے ساتھ نہیں ہوتا جیسا کہ بالغ ہونے کے بعد نئی بیوی کے ملنے سے ہوتا ہے اور اس کا ثمرہ بھی ہر طرح برا ہی ہے کیا ان خرابیوں سے بچنے کی کوشش کرنا ضروری نہیں؟[2]

---

[1] روح الصیام ملحقہ برکات رمضان، ص:۱۶۹۔ [2] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۴۳، ۴۴۔

طالب علمی کے زمانہ میں نکاح نہیں کرنا چاہئے

ایک صاحب نے اپنے لڑکے کے نکاح کے متعلق حضرت والا سے مشورہ لیا، وہ لڑکا پڑھنے میں مصروف تھا ان صاحب نے یہ بھی عرض کیا کہ اب موقع اچھا ہے فرمایا کہ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر جولاہی مل جائے تو وہی صحیح، مرد کو تو ایک عورت چاہئے (لیکن) اس وقت اس کا پڑھنا کیوں برباد کیا؟[۱]

نابالغی کے زمانہ میں نکاح نہیں کرنا چاہئے

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَابْتَلُوْا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوْا النِّكَاحَ'' (ترجمہ) (اور تم یتیموں کو آزمالیا کرو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں)۔

یہ آیت صاف مشیر ہے کہ نکاح کا پسندیدہ زمانہ بلوغ کے بعد کا ہے۔

سیدھا طریقہ یہ ہے کہ بلوغ کے بعد اور درستیٔ عقل کے بعد نکاح کیا جائے تاکہ جس کا معاملہ ہو وہ اس کو سمجھ لے[۲]

(سن بلوغ) کس عمر میں لڑکا لڑکی بالغ ہوتے ہیں

دختر (لڑکی) کے بلوغ کی کوئی مدت معین نہیں، مگر نو برس سے پہلے بالغ نہیں ہوسکتی اور پندرہ برس کے بعد نابالغ نہیں رہ سکتی، یعنی ادنیٰ مدت بلوغ ۹ رسال ہے جب کہ علامات بلوغ پائی جائیں اور بلوغ کی علامات حیض وغیرہ ہے، اور زیادہ سے زیادہ مدت بلوغ پندرہ سال ہے جب کہ علامات بلوغ نہ پائی جائیں، اسی پر فتویٰ ہے۔

---

[۱] حسن العزیز، ج:۲، ص:۴۰۴۔ [۲] اصلاح انقلاب:۴۴، ۴۵۔

[۳] امداد الفتاویٰ، ج:۲، ص:۲۱۸۔

ضرورت کی وجہ سے نابالغی میں نکاح کرنا

اگر ناکح ومنکوحہ (لڑکا لڑکی) نابالغ ہوں اور اچھا موقع فوت ہوتا ہو، (یعنی پھر رشتہ چھوٹ جانے کا خطرہ ہو) تو دوسری بات ہے، اور اگر ایسی کوئی ضروری مصلحت نہیں ہے محض رسم ہی کی اتباع ہے تو خود یہ رسم مٹانے کے قابل ہے، گو نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔[۱]

نابالغی میں نکاح کا ثبوت

حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نابالغی کی حالت میں ہونا متواتر ہے، صحیح مسلم میں خود حضرت عائشہ اپنا قصہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جب یہ سات برس کی تھیں، اور زفاف ہوا جب نو برس کی تھیں اور آپ کی وفات ہوئی جب یہ اٹھارہ سال کی تھیں۔[۲]

آج کل شادی جلدی کر دینا چاہئے

آج کل رائے یہ ہے کہ شادی جلدی ہونی چاہئے کیونکہ اب وہ عفت ودیانت طبیعتوں میں نہیں رہی جو پہلے تھی اب زیادہ ضبط کی ہمت نہیں ہوتی، مگر جلدی شادی ہونے میں جہاں یہ فائدہ ہے، چند خرابیاں بھی ہیں۔ (ان خرابیوں سے بچنے کی تدبیریں کرنا چاہئے)۔[۳]

جلدی نکاح کرنے کا حکم

حدیث مرفوع ہے: ''عَنْ عَلِیٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: یَا عَلِیُّ! ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ، وَالْاَ

۱؎ اصلاح انقلاب، ص: ۳۵۔ ۲؎ مسلم مشکوٰۃ، امداد الفتاویٰ، ج: ۲، ص: ۲۶۷۔ ۳؎ عضل الجاہلیہ، ص: ۳۶۹

یُّمُ اِذَا وَجَدَتَ لَهَا کُفُواً'' [۱]

ترجمہ: (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ ہونا چاہئے، نماز جب اس کا وقت آجائے اور جنازہ جب کہ حاضر ہوجائے، اور بے نکاحی لڑکی کا رشتہ جب اس کا کفوٗ مل جائے۔

اس حدیث پاک میں وجوب تعجیل (جلدی نکاح کرنے) کو نماز کا قرین قرار دیا ہے [۲]

لڑکا لڑکی کا کس عمر میں نکاح کردینا چاہئے

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ ابْتَلُوْا الْیَتَامیٰ حَتّٰی اِذَا بَلَغُوْا النِّکَاحَ'' (یہ آیت) صاف مشیر ہے کہ نکاح کا پسندیدہ زمانہ بلوغ کے بعد کا ہے، سیدھا طریق یہی ہے کہ بلوغ اور درستیٔ عقل کے بعد نکاح کیا جائے نہ کہ اس سے پہلے [۳]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر (شادی کے وقت) ساڑھے پندرہ سال کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اکیس برس کی تھی [۴]

بہت تھوڑی عمر میں شادی کردینے میں بہت سے نقصان ہیں بہتر تو یہی ہے کہ لڑکا جب کمانے کا اور لڑکی جب گھر چلانے کا بوجھ اٹھا سکے اس وقت شادی کی جائے [۵]

والدین کی ذمہ داری

حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی اولاد پیدا ہو اس کو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم دے، پھر جب وہ بالغ ہوجائے اس کا نکاح کردے اگر وہ بالغ ہوجائے

[۱] رواہ الترمذی، مشکوٰۃ۔ [۲] امداد الفتاویٰ، ج:۲، ص:۲۶۸۔ [۳] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۴۴۔
[۴] اصلاح الرسوم، ص:۹۰۔ [۵] بہشتی زیور، ج:۹، ص:۶۳۔

اوراس کا نکاح نہ کرلے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوجائے،تو اس کا گناہ (سبب کے درجہ) میں صرف باپ ہی پر ہوگا، (گومباشرت کے درجہ میں خود اس پر ہوگا)۔

حضرت عمر اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ توراۃ میں لکھا ہے کہ جس کی لڑکی بارہ سال کو پہونچ جائے (اور قرائن سے نکاح کی حاجت معلوم ہو) اور یہ شخص اس کا نکاح نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوجائے تو اس کا گناہ اس باپ پر ہوگا[۱]

دولڑکوں یا لڑکیوں کی ایک ساتھ شادی نہ کرنا چاہئے

اپنے دولڑکوں یا دولڑکیوں کی شادی جہاں تک ہوسکے ایک دم (یعنی ایک ساتھ) مت کرو کیونکہ بہوؤں میں ضرور فرق ہوگا، دامادوں میں ضرور فرق ہوگا، خود لڑکوں اور لڑکیوں کی صورت شکل میں اور کپڑے کی سجاوٹ، نورصبور میں، حیاوشرم میں ضرور فرق ہوگا، اور بھی بہت باتوں میں فرق ہوجاتا ہے، اور لوگوں کی عادت ہے تذکرہ کرنے کی اور ایک کو گھٹانے اور دوسرے کو بڑھانے کی، اس سے خواہ مخواہ دوسرے کا جی برا ہوتا ہے[۲]

---

[۱] رواہما البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ شریف، امداد الفتاویٰ، ص:۲۶۴۔

[۲] بہشتی زیور، ج:۱۰، ص:۹۔

باب (۹)

منگنی اور تاریخ کا تعین

منگنی کی حقیقت

منگنی ہے کیا چیز، درحقیقت منگنی صرف وعدہ ہے جو زبان سے ہوا کرتا ہے، اس کے ساتھ مٹھائی کھٹائی وغیرہ کی کیا ضرورت ہے اگر خط میں لکھ کر وعدہ بھیج دیا جائے تب بھی یہ کام ہوسکتا ہے (اس کے علاوہ) اس کے ساتھ جس قدر بھی زوائد (زائد باتیں) ہیں سب زائد از کار اور بیکار ہیں[۱]

منگنی میں یہ تمام بکھیڑے جو آج کل رائج ہیں سب لغو اور خلاف سنت ہیں زبانی پیغام و جواب کافی ہے[۲]

منگنی کی رسم میں برادری کے لوگوں کا جمع ہونا شریعت کی نگاہ میں

(منگنی کی رسم میں) برادری کے مردوں کا اجتماع ضروری ہونا ایسی ضروری رسم ہے کہ چاہے برسات ہو کچھ بھی ہو مگر یہ ممکن نہیں کہ ڈاک کے خط پر اکتفا کریں .... بتلایئے شریعت نے جس چیز کو ضروری نہیں ٹھیرایا اس کو اس قدر ضروری سمجھنا کہ شریعت کے ضروری بتلائے ہوئے امور سے زیادہ اہتمام کرنا، انصاف کیجئے

---

۱ حقوق الزوجین، ص:۴۵۱۔ ۲ اصلاح الرسوم، ص:۹۰۔

یہ شریعت کا مقابلہ ہے یا نہیں اور جب مقابلہ ہے تو واجب الترک (اس کا چھوڑنا ضروری) ہے یا نہیں؟[۱]

اگر یہ کہا جائے کہ مشورہ کے لیے جمع کیا جاتا ہے تو بالکل غلط ہے وہ تو بیچارے خود پوچھتے ہیں کہ کون سی تاریخ لکھیں، جو پہلے سے گھر میں خاص مشورہ کر کے معین کرتے ہیں، وہ بتلا دیتے ہیں اور وہ لوگ لکھ دیتے ہیں، پھر اکثر لوگ آ نہیں سکتے اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے بجائے بھیج دیتے ہیں، وہ مشورہ میں کیا تیر چلائیں گے؟ کچھ بھی نہیں، یہ نفس کی تاویلیں ہیں، سیدھی بات کیوں نہیں کہتے کہ صاحب! یوں ہی رواج چلا آتا ہے اسی رواج کا عقلاً ونقلاً مذموم اور واجب الترک ہونا بیان ہو رہا ہے۔ غرض اس رسم کے سب اجزاء خلاف شرع ہیں۔

اور اگر مشورہ ہی کرنا ہے تو جس طرح اور امور میں مشورہ ہوتا ہے کہ ایک دو عاقل مصلحت اندیش سے رائے لے لے بس کفایت ہوگئی گھر گھر کے آدمیوں کو بٹورنا کیا ضروی ہے۔[۲]

منگنی کی رسموں سے بات پکی ہو جاتی ہے

یہ خیال غلط ہے

لوگ کہتے ہیں کہ منگنی میں یہ باتیں (مروجہ رسوم) ہونے سے پختگی ہو جاتی ہے صاحبو! میں نے غیر پختہ جڑتے ہوئے اور پختہ ٹوٹتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں اسلئے سب اوہام (شیطانی خیالات) ہیں کہ پختگی ہوتی ہے یہ پرانی تاویل ہے کہ اس سے وعدہ کا استحکام ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جو شخص اپنی زبان کا پکا ہے اس کا ایک مرتبہ کہنا ہی کافی وافی ہے

---

[۱] اصلاح الرسوم، ص:۵۳۔ [۲] اصلاح الرسوم، ص:۵۳۔

اور جو زبان کا پکا نہیں وہ منگنی کر کے بھی خلاف کرے تو کیا کوئی توپ لگا دے گا؟ چنانچہ بہت جگہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصلحت سے یا کسی لالچ سے منگنی چھڑا لیتے ہیں اس وقت وہ استحکام کس کام آتا ہے اور جو کچھ حرج ہوا وہ کس کام آیا؟ غرض یہ تاویل صحیح نہیں صرف دھوکہ ہے۔

اور اگر استحکام (اور پختگی) ہو تب بھی ہم کو تو وہ کرنا چاہئے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو[1]

منگنی کے بعد بھی ہر ایک کو اختیار ہے کہ بات ختم کر دیں

رشتہ کی بات پختہ ہو جانے یعنی منگنی ہو جانے کے بعد بھی شریعت نے دونوں یعنی لڑکا اور لڑکی والوں کو اختیار دیا ہے کہ حالات ومصالح کی وجہ سے جب چاہیں بات ختم کر دیں، بسا اوقات بعض حالات کا علم بعد میں ہوتا ہے، یہ وعدہ ایسا نہیں ہے کہ اس کو پورا کرنا ضروری ہو، بلکہ حالات ومصالح کی وجہ سے ہر ایک کو رشتہ کی سابقہ بات ختم کرنے کا شرعاً حق ہے[2]

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عمدہ نمونہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا کہ کوئی رسم وغیرہ نہیں کی، اور یہ رسمیں اس وقت موجود ہی نہ تھیں یہ تو بعد میں لوگوں نے نکالی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کا نکاح کیا نہ اس میں منگنی (کی رسم) تھی، نہ مہندی تھی نہ نشانی تھی، منگنی آپ کی یہ تھی کہ............... حضرت علی رضی اللہ عنہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں) چپ آ کر بیٹھ گئے اور شرم کی وجہ سے زبان نہ ہلا سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خبر ہوگئی ہے کہ تم فاطمہ کا پیغامِ نکاح لے کر آئے

[1] عضل الجاہلیہ ملحقہ حقوق الزوجین، ص:۳۶۲-۴۵۱۔ [2] مواعظ تھانویؒ بتسہیل - از مرتب۔

ہو، سو مجھ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کہہ گئے ہیں کہ خدا کا حکم ہے کہ علی سے فاطمہ کا نکاح کر دیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرما لیا بس منگنی ہوگئی نہ اس میں مٹھائی کھلائی گئی، نہ کوئی مجمع ہوا، یہ نہیں ہوا کہ لال ڈوری ہو، کوئی جوڑا ہو مٹھائی تقسیم ہو۔[1]

منگنی میں آئے ہوئے مہمانوں کی دعوت کا حکم

سوال: جو لوگ دور دراز مقام سے لڑکی کی منگنی کے لیے آئیں شرعی طور پر گفتگو طے ہو جانے کے بعد اور منگنی شروع ہونے کے بعد اس خیال سے کہ یہ لوگ دور سے آئے ہیں مہمان کے طور پر ان کو ایک آدھ بار دعوت دی جائے تو انسانی ہمدردی اور مروت سے بعید نہیں .... اس میں کوئی قباحت تو نہیں ہوگی، اور اگر منگنی کے بعد دعوت دینا شرعاً درست ہو تو قبل از منگنی (یعنی منگنی سے پہلے) دعوت دی جائے تو جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب: بہ نیت مذکورہ (یعنی مہمانی کی نیت سے) دونوں حالتوں میں درست ہے، یعنی قبل منگنی بھی اور بعد منگنی بھی۔[2]

منگنی اور رشتہ کرانے کی اجرت لینے کا حکم

سوال: رشتہ کرانے کی اجرت لینا جیسے حجام لڑکی ولڑکے کا پیام وسلام کرا کے کچھ لیا کرتے ہیں یا پہلے کچھ مقرر کر لیتے ہیں کہ اس قدر نقد اور ایک جوڑا لوں گا، تو شرعاً اس لین دین میں کچھ حرج تو نہیں ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر اس ساعی (کوشش کرنے والے) کو کوئی وجاہت حاصل نہ ہو جہاں اس نے سعی (کوشش) کی ہے وہاں کوئی دھوکہ نہ دے تو اس اجرت کو جانے آنے

[1] حقوق الزوجین [2] امداد الفتاویٰ، ج:۳، ص:۴۰۴۔

کی اجرت سمجھ کر جائز کہا جائے گا''وَاِلَّا فَلَا یَجُوْزُ اَخْذُ الْاَجْرِ عَلٰی الشَّفَاعَۃِ وَلاَ عَلٰی الْخِدَاعِ''(ورنہ محض شفاعت پر اور دھوکہ وہی پر کچھ لینا جائز نہیں) [1]

شفاعت بھی شرعاً غیر متقوم ہے، اسی لیے اس کی اجرت نا جائز ہے۔''لِاَنَّہٗ لَمْ یُنْقَلْ تَقَوُّمُہٗ وَ اَیْضًا فَلاَ تَعَبَ فِیْ شَفَاعَۃِ وَلَا یُعْطُوْنَ الاَجْرَ عَلَیْھَا مِنْ حَیْثُ اِنَّہٗ عَمَلٌ فِیْہِ مَشَقَّۃٌ بَلْ مِنْ اِنَّھَا مُؤَثِّرٌ بِالْوَجَاھَۃٌ وَالْوَجَاھَۃٌ وَصَفٌ غَیْرُ مُتَقَوَّمٍ فَجَعَلُوْا اَخْذَ الاَجْرِ عَلَیْھَا رِشْوَۃً وَسُحتاً.'' وَاللّٰہُ اَعْلَمُ [2]

شادیوں کی تاریخ کا تعین

ہم ان تقریبات کو خوشی کے مواقع سمجھتے ہیں، ان کے واسطے اچھے دن تلاش کئے جاتے ہیں ساعت سعید (جنتری میں) دیکھی جاتی ہے اس خبط میں یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ یہ جائز ہے یا نا جائز۔

نجومیوں اور پنڈتوں سے ساعت پوچھ کر بیاہ رکھا جاتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ساعت نحس کی .... پڑے، اور یہ خبر نہیں کہ نحس حقیقی ساعت کون سی ہے، نحس حقیقی وہ ساعت ہے جس میں حق تعالیٰ سے غفلت ہو، جس وقت میں آپ نے نماز چھوڑ دی اس سے زیادہ نحس کون وقت ہوسکتا ہے، اور جو اشغال نماز چھوڑنے کا باعث بنے ان سے زیادہ منحوس شغل کون سا ہوسکتا ہے۔

(بعض لوگ) بعض تاریخوں اور مہینوں کو (مثلاً خالی یا محرم کے چاند کو) اور سالوں کو مثلاً اٹھارہ سال کو منحوس سمجھتے ہیں اور اس میں شادی نہیں کرتے یہ اعتقاد بھی عقل اور شرع کے خلاف ہے [3]

(دراصل یہ علم نجوم کا شعبہ ہے)اور علم نجوم شرعاً مذموم اور باصلہ (بالکلیہ) باطل

[1] امداد الفتاویٰ، ج:۳،ص:۳۹۳،سوال:۳۷۷۔ [2] امداد الفتاویٰ،۳/۴۳۲۔
[3] منازعۃ الھویٰ،ص:۴۶۳۔

ہے اور کواکب میں سعادت ونحوست منفی (نا قابل اعتبار) ہے اور بعض واقعات کا اہل نجوم کے موافق ہو جانا اگر اس کے صدق (اور حق) کا تجربہ سمجھا جائے تو ان سے زیادہ واقعات کا خلاف ہونا اس کے کذب کا بدرجہ اولیٰ تجربہ ہوگا۔

پھر مفاسد کثیرہ اس پر مرتب ہوتے ہیں، اعتقاد قبیح اور شرک صریح اور ضعف وغیر ذلک۔[1]

ماہ ذی قعدہ کو منحوس سمجھنا سخت غلطی ہے

اس جگہ ایک بات قابل تنبیہ یہ ہے کہ عام لوگ ماہ ذیقعدہ کو منحوس سمجھتے ہیں یہ بڑی سخت بات ہے اور باطل عقیدہ ہے دیکھئے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے ہیں، وہ سب ذی قعدہ میں تھے سوائے اس ایک کے جو حج وداع کے ساتھ تھا کہ وہ ذی الحجہ میں واقع ہوا تھا۔[2]

دیکھئے اس سے کتنی برکت ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ماہ میں تین عمرے کئے ہیں، نیز ماہ ذی قعدہ حج کے مہینوں میں سے ہے (جو بڑی رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے)۔[3]

ذی قعدہ، محرم اور صفر کے مہینہ میں شادی

جاہل عورتیں ذی قعدہ کو خالی کا چاند کہتی ہیں اور اس میں شادی کرنے کو منحوس سمجھتی ہیں یہ اعتقاد بھی گناہ ہے اس سے توبہ کرنا چاہئے اسی طرح بعض جگہ تیرہ تاریخ صفر کے مہینے کو نامبارک سمجھتی ہیں یہ سارے اعتقاد شرع کے خلاف اور گناہ ہیں ان سے توبہ کرنا چاہئے۔[4]

---

[1] بیان القرآن: ۱۳۰، سورہ صفّٰت۔ [2] متفق علیہ۔ [3] احکام حج سنت ابراہیم، ص: ۴۸۳۔
[4] بہشتی زیور، ج: ۶، ص: ۵۹۔

محرم کے مہینہ میں شادی بیاہ

محرم کا مہینہ مصیبت کا زمانہ مشہور ہے جس کا سبب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہے جو درحقیقت ایک حادثہ جانکاہ ہے مگر جہالت کے سبب ہم لوگوں نے اس میں حدود سے تجاوز کرلیا ہے جس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے اس زمانہ میں نکاح وشادی کو ناگوار اور مکروہ سمجھ لیا۔

چنانچہ ہمارے ایک عزیز کی شادی ذی الحجہ کی تیس تاریخ کو قرار پائی تھی جس میں محرم کی چاند رات کا ہونا تو یقینی تھا، اور یہ بھی احتمال کہ شاید کسی جگہ آج ہی محرم کی پہلی تاریخ ہو، تو لڑکی کے ولی کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی کہ شادی کی تاریخ کے لیے بھلا یہی دن رہ گیا تھا، مگر انہوں نے اتنا کرم کیا کہ شادی میں اگرچہ وہ خود شریک نہیں ہوئے، لیکن نکاح کی اجازت دے دی اور اپنی طرف سے اپنے ماموں کو بھیج دیا۔ ہم نے کہا کہ اس خیال کو توڑنا چاہیے، اسی دن نکاح کیا مگر کئی سال تک عورتوں کو خیال رہا، دیکھئے کوئی ناگوار بات نہ پیش آئے، اگر لڑکی کا ذرا بھی کان گرم ہوا تو اس کے ولی یہی کہیں گے کہ اس تاریخ میں نکاح ہونے کی نحوست ہے، مگر الحمد للہ کوئی ناگوار بات پیش نہیں آئی اور دونوں میاں بیوی خوش وخرم ہیں، صاحب اولاد بھی ہیں، حق تعالیٰ نے کھلی آنکھوں دکھلا دیا کہ عوام کا ان زمانوں کے متعلق یہ خیال بالکل غلط ہے، نصوص میں جا بجا اس کی تصریح ہے کہ نحوست وسعد کا سبب زمانہ وغیرہ نہیں، نہ کوئی دن منحوس ہے نہ کوئی مہینہ نہ کسی مکان میں نحوست ہے نہ کسی انسان میں بلکہ اصل نحوست معصیت اور گناہ کے اعمال میں ہے۔[1]

---

[1] حقیقۃ الصبر ملحقہ فضائل صبر وشکر، التبلیغ، ج:۱۶۔

کوئی دن منحوس نہیں بلکہ نحوست کا مدار معصیت اور گناہ ہے

بعض پڑھے لکھے لوگوں نے دنوں کے منحوس ہونے پر قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کیا ہے ''فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِیْ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ '' (اور ہم نے ان پر ایک تند و تیز ہوا ایسے دنوں میں بھیجی جوان کے حق میں منحوس تھے)......اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن دنوں میں عاد پر عذاب نازل ہوا وہ منحوس ہیں، مگر میں کہتا ہوں کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ دن کون کون سے ہیں، اس کا پتہ دوسری آیت کے ملانے سے چلے گا، فرماتے ہیں: ''فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ، وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ، سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمَانِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا '' کہ آٹھ دنوں تک ان پر عذاب رہا تو اس اعتبار سے تو چاہئے کہ کوئی دن مبارک نہ ہو، بلکہ ہر دن منحوس ہو، کیونکہ ہفتہ کے ہر دن میں ان کا عذاب پایا جاتا ہے، جن کو ''اَيَّام نَحِسَات'' کہا گیا ہے، تو کیا اس کا کوئی قائل ہو سکتا ہے؟

اب آیت کے صحیح معنی سنئے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن دنوں میں ان پر عذاب ہوا، وہ دن عذاب نازل ہونے کی وجہ سے، خاص ان کے لیے منحوس تھے نہ کہ سب کے لیے اور وہ عذاب تھا معصیت کی وجہ سے پس نحوست کا مدار معصیت ہی ٹھہرا، اب الحمدللہ کوئی شبہ نہ رہا[1]

چاند وسورج گہن کے وقت نکاح اور شادی

ایک بات یہ مشہور ہے کہ کسوف وخسوف (یعنی جب چاند وسورج میں گہن لگا ہو) کا وقت منحوس ہوتا ہے ایسے وقت میں نکاح یا کوئی شادی کی تقریب نہ کرنا چاہئے، میں حیدرآباد اپنے بھتیجے کا نکاح کرنے گیا تھا جو دن اور جو وقت نکاح کے لئے قرار پایا تھا،

[1] تفصیل التوبہ، دعوات عبدیت، ج:۸، ص:۴۱۔

اس وقت خسوف ماہ (چاند گہن) ہوگیا، اب وہاں کے لوگوں میں کھلبلی پڑی کہ ایسے وقت میں کیا نکاح ہوگا اور اگر ایسے وقت نکاح کیا تو تمام عمر نحوست کا اثر رہے گا، بہت سے جنٹلمین بھی ان مہملات میں مبتلا تھے، چنانچہ جمع ہو کر میرے پاس آئے اور کہا کہ کچھ عرض کرنا ہے میں نے کہا فرمائیے! کہنے لگے کہ کیا چاند گرہن کے وقت بھی نکاح ہوگا؟ میں نے کہا: اس وقت تو نکاح کرنا بہت ہی اولیٰ و افضل ہے، اور میرے پاس اس کی دلیل بھی موجود ہے وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ خسوف کے وقت ذکر اللہ اور نوافل میں مشغول ہونا چاہئے، اب سمجھئے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ نکاح میں مشغول ہونا نوافل میں مشغول ہونے سے افضل ہے، پس ایسے وقت نکاح کا شغل اور بھی افضل و اولیٰ ہے، ان سب نے اس کو تسلیم کیا۔

میں نے بیان تو کر دیا، لیکن میرے دل میں ان لوگوں کے خیال سے ایک انقباض رہا اور دعاء کی کہ اے اللہ جلدی چاند صاف ہو جائے، اگر اس حالت میں نکاح ہوا اور بعد میں کوئی حادثہ تقدیر سے پیش آیا تو ان لوگوں کو کہنے کی گنجائش ہوگی کہ ایسے وقت نکاح کیا تھا اس لیے یہ بات پیش آئی، اللہ کی قدرت تھوڑی دیر میں چاند صاف ہو گیا، سب خوش ہو گئے اور نکاح ہو گیا[1]

---

[1] التہذیب، ص: ۵۵۲، فضائل صوم وصلوۃ۔

باب (۱۰)

نکاح خوانی اور اس کے متعلقات

نکاح کی مجلس اور اس میں خصوصی اجتماع

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح فرمایا) تو ارشاد فرمایا کہ اے انس! جاؤ اور ابوبکر، وعمر، وعثمان، وطلحہ، وزبیر، اور انصار کی ایک جماعت کو بلا لاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کی مجلس میں اپنے خاص لوگوں کو مدعو کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، اور حکمت اس میں یہ ہے کہ نکاح میں اشتہار و اعلان ہو جائے جو کہ مطلوب ہے، مگر اس اجتماع میں غلو و مبالغہ نہ ہو، وقت پر بلا تکلف جو دو چار آدمی قریب و نزدیک کے جمع ہو جائیں (وہ کافی ہیں) [1]

ایک واقعہ

میرے دوست تحصیل دار صاحب ہیں ان کو اپنی دختر کی تقریب کرنا تھی ماشاء اللہ انہوں نے نہایت تدین و خلوص سے کام لیا، ہمت کی اور سب رسموں کو چھوڑا اور سُبکی کی کچھ پرواہ نہ کی، اور کمال یہ کہ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ کو نکاح پڑھانے کے لیے وطن لے جانا چاہا، میں نے کچھ عذر کیا تو انہوں نے سفر ہی میں اس کام کو تجویز کر دیا، اور یہ تجویز ہوگئی کہ اسی جلسہ میں عقد کر دیا جائے اس میں دو مصلحتیں ہوگئیں ایک تو

[1] اصلاح الرسوم، ص: ۹۰۔

اس سنت سے اس گھر میں بھی برکت ہوگی، دوسرے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ نکاح یوں بھی ہوتا ہے اور احادیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ نکاح نہایت سادی چیز ہے[۱]

نکاح کون پڑھائے

(۱) (حضرت فاطمہؓ کی شادی میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلیغ خطبہ پڑھ کر ایجاب وقبول کرایا، اس سے معلوم ہوا کہ باپ کا چھپے چھپے پھرنا یہ بھی خلاف سنت ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ باپ خود اپنی دختر کا نکاح پڑھ دے کیونکہ یہ ولی ہے، دوسرا وکیل ولی کو بہر حال وکیل سے ترجیح ہوتی ہے (نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی یہی ہے)[۲]

(۲) اسکا بہت اہتمام ہونا چاہئے کہ نکاح پڑھنے والا خود عالم ہو یا کسی عالم سے خوب تحقیق سے نکاح پڑھوائے۔

اکثر جگہ قاضی صاحبان نکاح کے مسائل اور ان کے متعلقات سے محض ناواقف ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض مواقع پر یقیناً نکاح بھی درست نہیں ہوتا تمام عمر بدکاری ہوا کرتی ہے اور بعض ایسے طماع (لالچی) ہوتے ہیں کہ لالچ میں آ کر جس طرح سے فرمائش کی جائے کر گزرتے ہیں خواہ نکاح ہو یا نہ ہو[۳]

نکاح خوانی کی اجرت کا مسئلہ

اگر دوسرے اجارات (مثلاً) بچوں کی تعلیم صنعتوں اور حرفتوں کی طرح اس کی بھی حالت رکھی جائے کہ جس کا دل چاہے جس کو چاہے بلائے اور کسی کی خصوصیت نہ سمجھی جائے اور جس اجرت پر چاہیں جانبین رضامند ہو جائیں نہ کوئی قاضی اپنے کو مستحق اصل قرار دے نہ دوسروں کے ذہن میں اس کو پیدا کیا جائے (کہ یہ صرف قاضی صاحب کا حق ہے) اور اگر اتفاق سے کوئی دوسرا یہ کام کرنے لگے تو اس سے رنج وآزردگی نہ ہو، شہر

[۱] حقوق الزوجین، ص:۳۴۷۔ [۲] اصلاح الرسوم، ص:۹۱۔ [۳] اصلاح الرسوم، ص:۶۷۔

میں جتنے چاہیں اس کام کو کریں، سب کو آزاد سمجھا جائے (ہاں جو اس کام کا اہل نہ ہو) اس کو خود ہی جائز نہ ہوگا اس کو اس عارض کی وجہ سے روکا جائے گا)۔

اسی طرح اس نکاح کے ساتھ معاملہ کیا جائے اور نیز بلانے والے اپنے پاس سے اجرت دیں، دولہا والوں کی تخصیص نہ ہو اس طرح البتہ جائز اور درست ہے غرض دوسرے اجرت کے کاموں میں اور اس میں کوئی فرق نہ کیا جائے۔ (تو جائز ہے) [1]

اجرت نکاح کی ناجائز صورتیں

(۱) (نکاح کی اجرت) دینے والا اگر دولہا ہو اور قاضی کو بلا کر لے گیا ہو دولہن والا جیسا کہ دستور اکثر یہی ہے تب تو یہ لینا بالکل جائز نہیں کیونکہ اجرت بلانے والے کے ذمہ واجب تھی دوسرے پر بارڈالنا جائز نہیں۔ (امداد الفتاوی، ج:۲،ص:۲۷۸)

(۲) ایک رواج یہ ہے کہ اکثر جگہ قاضی لوگ اپنا نائب بھیج دیتے ہیں اور ان کو جو کچھ ملتا ہے اس میں زیادہ حصہ قاضی کا اور تھوڑا سا اس نائب کا ہوتا ہے، یہ قاضی صاحب کا استحقاق محض بلا دلیل ہے اور اس پر کد (کوشش) و مطالبہ کرنا بالکل ناجائز ہے یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے، البتہ خوشی سے اگر صاحب تقریب (شادی والا) کچھ دیدے تو لینا جائز ہے اور جس کو دیا ہے اس کی ملک ہے مثلاً اگر نائب کو خوشی سے دیا تو تمام تر اس کی ملک ہے، منیب صاحب (نائب بنانے والا) محض اس وجہ سے لیتے ہیں کہ ہم نے تم کو مقرر کیا ہے سو اس وجہ سے لینا رشوت اور حرام ہے اور راشی و مرتشی یعنی نائب اور منیب دونوں عاصی (گنہ گار) ہوتے ہیں۔ (اصلاح الرسوم،ص:۶۸)

(۳) اور اگر نکاح کسی اور نے پڑھا ہو تب تو قاضی صاحب یا نائب قاضی صاحب کو لینا بالکل جائز نہیں اور قاضی صاحب سے نکاح پڑھوانا واجب نہیں [2]

فرمایا: جب نکاح خواں کو لڑکی والے بلالیں تو اس حالت میں لڑکے والوں سے نکاح خوانی کی اجرت دلوانا اور لینا حرام ہے۔

---

[1] ایضاً، ج:۲،ص:۲۸۔ [2] حسن العزیز۔

اور اگر نکاح خواں کو بلانے والا بھی دولہا والا (لڑکے والا) ہے خواہ اپنے آدمی کے ہاتھ بلایا ہو یا دلہن والے سے کہہ کر بلایا ہو تو نکاح خواں کو اس کا دیا ہوا لینا جائزہ[1]

نکاح خوانی کی اجرت جو لڑکے والوں سے (ہر حال میں) دلواتے میں (گو نکاح خواں کو بلانے والے لڑکی والے ہوں) یہ بھی رشوت میں شامل ہے نکاح پڑھانے کی اجرت تو فی نفسہ جائز ہے، لیکن کلام اس میں ہے کہ کون دے؟ تو شرعی اعتبار سے (اجرت) اس شخص کے ذمہ ہے جس نے نکاح خواں سے عقد اجارہ کر کے اس کو مستاجر بنا کر لایا ہے تو وہ (عموماً) لڑکی والا ہوتا ہے[2]

چند ضروری مسائل نکاح پڑھانے والوں کو جن سے واقفیت ضروری ہے

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند ضروری مسائل نکاح کے متعلق جن کی بہت ضرورت رہتی ہے، لکھ دیئے جائیں اور سب کو اور خصوصاً نکاح پڑھانے والے قاضیوں کو ان کا یاد کر لینا ضروری ہے ان کے نہ جاننے سے اکثر اوقات نکاح میں خرابی ہو جاتی ہے۔

(۱) ''ولی'' سب سے پہلے باپ ہے پھر دادا پھر حقیقی بھائی پھر علاتی (باپ شریک) بھائی پھر ان کی اولاد، اسی ترتیب سے، پھر حقیقی چچا، پھر علاتی (یعنی باپ شریک) چچا، پھر چچازاد بھائی اسی ترتیب سے اور عصبات فرائض (میراث) کی ترتیب سے اور جب کوئی عصبہ نہ ہو تو ماں پھر دادی پھر نانا، پھر حقیقی بہن پھر اخیافی (ماں شریک) بہن بھائی، پھر پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچازاد بہن پھر ذوی الارحام۔

(۲) ولی قریب کے ہوتے ہوئے ولی بعید کو ولایت نہیں پہنچتی۔

(۳) نابالغہ (لڑکی) کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں، اور خود اس

[1] حسن العزیز۔ [2] التہذیب، حسن العزیز، ص:۳۳۳، امداد الفتاویٰ، ج:۲، ص:۲۷۸۔

منکوحہ کا زبان سے کہنا قابل اعتبار نہیں، خواہ اس کا پہلا نکاح ہو یا دوسرا نکاح ہو۔

(۴) اگر نابالغہ (لڑکی) کا نکاح ولی نے غیر کفوٴ میں کر دیا سو اگر باپ دادا نے کسی ضروری مصلحت سے کیا ہو تو صحیح ہے بشرطیکہ ظاہراً کوئی امر خلافِ مصلحت نہ ہو ورنہ صحیح نہ ہوگا۔

اور اگر باپ دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے نکاح کیا ہے تو فتویٰ اس پر ہے کہ بالکل جائز نہ ہوگا۔

(۵) بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، پس اگر یہ اس کا دوسرا نکاح ہوتا ہے تب تو زبان سے اجازت لینی چاہئے، اور اگر پہلا نکاح ہے تو اگر اجازت لینے والا ولی ہے تب تو دریافت کرنے کے وقت اس کا خاموش ہو جانا ہی اجازت ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص ہے تو اس کا زبان سے کہنا ضروری ہے اس کے بغیر اجازت معتبر نہ ہوگی۔

(۶) بالغہ (لڑکی) اگر ولی کی اجازت کے بغیر خود اپنا نکاح کفوٴ میں کر لے تو جائز ہے اور غیر کفوٴ میں فتویٰ یہی ہے کہ بالکل جائز نہیں، البتہ اگر کسی عورت کا کوئی ولی ہی نہ ہو، یا ولی اگر ہو اور اس کی کارروائی (یعنی غیر کفوٴ میں نکاح کر لینے) پر رضامند ہو تو غیر کفوٴ میں جائز ہوگا۔

(۷) اگر ولی نے بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا اور بعد میں وہ سنکر خاموش ہوگئی اب نکاح صحیح ہو گیا۔

اور اگر غیر ولی میں ابتداء اجازت لی تھی مگر وہ خاموش ہوگئی تو اس وقت نکاح صحیح نہ ہوگا لیکن اگر صحبت کے وقت اس کی ناراضگی ظاہر نہ ہوئی تو وہ نکاح اب صحیح ہو جائے گا۔

(۸) ایجاب وقبول کے الفاظ ایسی بلند آواز سے کہنے چاہئے کہ گواہ اچھی طرح سن لیں۔

(۹)　　نکاح کے وقت یہ بھی تحقیق کر لینا ضروری ہے کہ ناکح منکوحہ (یعنی لڑکا لڑکی) میں حرمت نسبی یا رضاعی کا تعلق تو نہیں، (یعنی دودھ کا رشتہ یا نسب کا ایسا رشتہ تو نہیں جن سے نکاح حرام ہو جاتا ہے) [1]

دولہا کو مزار پر لے جانے کی رسم

دولہا اس شہر کے کسی مشہور متبرک مزار پر جا کر کچھ نقد چڑھاتا ہے ....سو اس میں جو عقیدہ جاہلوں کا ہے وہ یقینی شرک تک پہونچا ہوا ہے، اور اگر کوئی فہیم (سمجھ دار صحیح العقیدہ) اس بدعقیدہ سے پاک ہو تب بھی اس رسم سے چونکہ ان فاسد الاعتقاد لوگوں کے فعل کی تائید و ترویج (اشاعت) ہوتی ہے اس لیے سب کو بچنا چاہیے [2]

سہرا باندھنے کی رسم اور اس کا حکم

ایک صاحب نے سوال کیا کہ سہرا باندھنا کیسا ہے؟ جواب ارشاد فرمایا: جائز نہیں، ہندوؤں کی مشابہت ہے اور یہ انہیں کا طریقہ ہے۔ (ایضاً مقالات حکمت ص:۳۴)

سہرا باندھنا خلافِ شرع امر ہے، کیونکہ یہ کفار کی رسم ہے، حدیث میں ہے کہ جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اس ہی میں سے ہے [3]

نکاح کے وقت کلمہ پڑھانا

ایک شخص نے دریافت کیا کہ بوقت نکاح زوجین کو کلمہ پڑھانے کا جو دستور ہے وہ کیسا ہے؟ فرمایا کہ اس کا کوئی ثبوت میری نظر سے تو گذرا نہیں مگر ایک مولوی صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے ''البحر الرائق'' میں دیکھا ہے کہ ہے، اگر ہے تو امر استحبابی ہوگا وجوب کا حکم نہ ہوگا۔

---

[1] اصلاح الرسوم، ص:۹۶، ۹۷۔ [2] اصلاح الرسوم، ص:۶۳۔ [3] اصلاح الرسوم، ص:۶۲۔

پھر سائل نے عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں شرفاء سے کلمہ نہ پڑھوانا چاہئے رذیل لوگوں سے مثلاً کنجڑے قصائی سے پڑھوانا چاہئے، (جو جہالت کی وجہ سے کلمۂ کفر یہ بک جاتے ہیں اور احساس بھی نہیں ہوتا)۔

فرمایا (کہ نہیں) بلکہ (آج کل تو) شرفاء (روشن خیال لوگوں) ہی سے پڑھوانا چاہئے، کیونکہ یہ لوگ بڑے بے باک ہوتے ہیں جس کو جو جی چاہتا ہے کہہ ڈالتے ہیں حتیٰ کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں چھوڑتے اس لیے ان کے ایمان میں نقصان کا زیادہ احتمال ہے[1]

ایجاب وقبول تین بار کروانا یا آمین پڑھوانا

سوال: نکاح میں ایجاب قبول جو تین مرتبہ کہلایا جاتا ہے آیا یہ واجب ہے یا سنت مؤکدہ ہے یا مستحب؟

جواب: کچھ بھی نہیں[2]

اور نکاح میں آمین پڑھوانا بالکل لغو ہے[3]

مسجد میں نکاح کرنا اور چھوارے لٹانا

اس نکاح میں زیادہ برکت ہوتی ہے جس میں خرچ کم پڑے، اور مہر بھی ہلکا ہو، نکاح مسجد میں ہونا بہتر ہے، تاکہ اعلان بھی خوب ہو اور جگہ بھی برکت کی ہے[4]

سوال: مسجد میں نکاح کرنا مسنون ہے حدیث شریف میں اس کا حکم آیا ہے لیکن موجودہ زمانہ میں شور وشغب کی وجہ سے (مسجد میں نکاح کرنے سے) منع کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

---

[1] مقالات حکمت، ص:۳۹۱۔ [2] امداد الفتاویٰ، ج:۲، ص:۲۳۶۔ [3] حسن العزیز، ج:۲، ص:۴۹۔
[4] تعلیم الدین، ص:۳۷۔

الجواب: لعب حبشہ بالحراب (یعنی حبشیوں کے نیزہ کے ذریعہ کھیلنے) سے زیادہ اس میں عادۃً شور وشغب نہیں ہوتا، اس عارض کا وہاں اعتبار نہیں کیا گیا تو یہاں کیوں کیا جائے۔

البتہ جس مندوب ومطلوب میں (یعنی ایسے کام میں جس کا کرنا باعث ثواب ہو) ایسا مفسدہ محتمل ہوتو وہاں خود اس مفسدہ کا انسداد کردینا ضروری ہے، بخلاف ایسے امر مباح یا مندوب کے جو خود شرعاً مطلوب نہ ہو، وہاں خود اس مندوب ومباح (عمل) کو روکیں گے، اور مسجد میں نکاح کا مطلوب ہونا تو خود حدیث میں منقول ہے (اس لیے مسجد میں نکاح کرنے سے منع نہ کیا جائے گا کیونکہ شرعاً مطلوب ہے البتہ شور وشغب سے منع کیا جائے گا)[1] *

نکاح میں چھوارے تقسیم کرنا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت فاطمہ کے نکاح میں) ایک طبق خرمہ کا لے کر بکھیر دیا۔

اس روایت کو ذہبی وغیرہ محدثین نے ضعیف کہا ہے اور غایت مافی الباب (زائد سے زائد) سنت زائدہ ہوگا، مگر قاعدہ شرعیہ ہے کہ جہاں امر مباح یا مستحب میں

[1] امداد الفتاوی ۶۵۲/۲۔

* حضرت گنگوہی کا فتویٰ: نکاح کے وقت چھوارے لٹانا مباح ہے مگر اس وقت میں نہ (لٹانا) چاہئے کیونکہ حاضرین کو تکلیف ہوتی ہے ایسے جزئی عمل کو کرنا کچھ ضروری نہیں اگرچہ ایسا لوٹنا درست ہو مگر (یہ چھوارہ لٹانے والی) روایت چنداں معتمد نہیں اور اس کے فعل سے اکثر چوٹ آجاتی ہے اگر مسجد میں نکاح ہو تو مسجد کی بے تعظیمی بھی ہوتی ہے، لہٰذا حدیث ضعیف پر عمل کرکے مسلم کی اذیت کا موجب ہونا ہے، اور مسجد کی شان کے خلاف فعل ہونا مناسب نہیں۔ اور اس روایت کو لوگوں نے ضعیف لکھا ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ رحیمیہ، ص: ۴۵۹، ۴۶۷)

کسی مفسدہ کا اقتران (شامل) ہو جائے اس کو ترک کر دینا مصلحت ہے اس معمول میں آج کل اکثر رنج وتکرار کی نوبت آجاتی ہے اس لیے تقسیم پر کفایت کریں۔[۱]

چھوارے ہی مقصود بالذات نہیں

ایک نکاح میں چھوارے تقسیم ہوئے تھے اس پر فرمایا کہ خرما (چھوارے) کی تخصیص سنت مقصودہ نہیں، اگر کشمش ہوتی تو وہ تقسیم ہو جاتی (اس سے بھی سنت ادا ہو جاتی) یہاں چونکہ یہی تھے اس لیے یہی تقسیم ہو گئے۔[۲]

---

[۱] اصلاح الرسوم، ص:۹۱۔ [۲] حسن العزیز ۳/۳۸۸۔لا

باب (۱۱)

مہر کا بیان

مہر اور گواہوں کی تعیین کا راز

نکاح میں (شرعاً) یہ بات متعین ہوئی کہ مہر مقرر کیا جائے تاکہ خاوند کو اس نظم و تعلق (نکاح) کے توڑنے میں مال کے نقصان کا خطرہ لگا رہے اور بلا ایسی ضرورت کے جس کے بغیر اس کو چارہ نہ ہو اس پر جرأت نہ کر سکے۔ پس مہر کے مقرر کرنے میں ایک قسم کی پائیداری ہے مہر کے سبب سے نکاح و زنا میں امتیاز ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ رسوم سلف (پہلے لوگوں کے رواج) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوبِ مہر کو بدستور باقی رکھا[1]

گواہوں کی تعیین کا راز

سب انبیاء وائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ نکاح کو شہرت دی جائے تاکہ حاضرین کے سامنے اس میں اور زنا میں تمیز ہو جائے، لہٰذا گواہ بھی مقرر ہوئے، اور مزید شہرت کے لیے مناسب ہے کہ ولیمہ کیا جائے اور لوگوں کو اس میں دعوت دی جائے، اس کا اظہار کیا جائے کہ دوسرے لوگوں کو بھی خبر ہو جائے، اور بعد میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو[2]

---

[1] المصالح العقلیہ، ص:۲۱۰۔ [2] ایضاً، ص:۲۱۱۔لا

مہر کے سلسلہ میں عام رجحان اور سخت غلطی

ایک کوتاہی جو بعض اعتبار سے سب سے زیادہ سخت ہے یہ ہوتی ہے کہ اکثر لوگ مہر دینے کا ارادہ ہی دل میں نہیں رکھتے پھر خواہ بیوی بھی وصول کرنے کا ارادہ نہ کرے اور خواہ طلاق یا موت کے بعد اس کے ورثاء وصول کرنے کی کوشش کریں یا نہ کریں لیکن ہر حال میں شوہر کی نیت ادا کی نہیں ہوتی۔

لوگوں کی نگاہ میں یہ نہایت سرسری معاملہ ہے حتیٰ کہ مہر کی قلت و کثرت (کمی وزیادتی) میں گفتگو کے وقت بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ میاں کون لیتا ہے کون دیتا ہے، یہ لوگ صریح اقرار کرتے ہیں کہ مہر محض نام ہی کرنے کو ہوتا ہے دینے لینے کا اس سے کوئی تعلق نہیں[1]

جس کا مہر کی ادائیگی کا ارادہ نہ ہو وہ زانی ہے

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اس (مہر) کو سرسری سمجھنا اور ادا کی نیت نہ رکھنا اتنی بڑی سخت بات ہے کہ حدیث شریف میں اس پر بہت ہی وعید آئی ہے۔

کنز العمال اور بیہقی میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کا کچھ مہر ٹھیرائے پھر یہ نیت رکھے کہ اس کے مہر میں سے کچھ اس کو نہ دے گا یا اس کو پورا نہ دے گا تو وہ زانی ہو کر مرے گا اور اللہ تعالیٰ سے زانی ہو کر ملے گا[2]

جو مہر ادا نہ کرے وہ خائن اور چور ہے

اسی حدیث میں ایک جزء اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر کسی سے کچھ مال خریدے اور اس کی قیمت ادا کرنے کی نیت نہ رکھے، یا کسی کا کچھ دین (قرض وغیرہ) ہو اور اس کو ادا

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۱۲۷۔ [2] ایضاً، ج:۲،ص:۱۲۷، کنز، ج:۸،ص:۲۴۸۔

نہ کرنا چاہتا ہوتو وہ شخص موت کے وقت اور قیامت کے روز خیانت کرنے والا اور چور ہوگا اور ظاہر ہے کہ مہر بھی ایک دین (قرض) ہے جب اس کے ادا کی نیت نہ ہوئی تو حدیث کے اس دوسرے جزء کے اعتبار سے یہ شخص خائن اور چور بھی ہوا تو ایسے شخص پر دو جرم قائم ہوئے، زانی ہونے کا اور خائن وسارق ہونے کا کیا اب بھی یہ کوتاہی قابل تدارک (قابل اصلاح) نہیں؟[۱]

سب سے آسان علاج یہ ہے کہ مہر کم مقرر کیا جائے

اس کا تدارک (اور علاج) ظاہر ہے کہ (مہر) ادا کرنے کی پکی نیت رکھی جائے مگر تجربہ اور وجدان شاہد ہے کہ اکثر عادت کے مطابق یہ نیت اسی وقت ہوسکتی ہے جس پر عادۃً قدرت ہو ورنہ نیت کا محض خیال ہوتا ہے وقوع نہیں ہوتا (کیونکہ) ظاہر ہے کہ جس شخص کو سو روپئے دینے کی قدرت نہ ہو وہ عادۃً لاکھ سوا لاکھ بلکہ دس ہزار پانچ ہزار دینے پر قادر نہیں، جب قادر نہیں تو اس کے ادا کی نیت نہ رکھنے کے سبب سے ضرور اس وعید کا محل بنے گا پس اس کے سوا کچھ صورت نہیں کہ وسعت سے زیادہ مہر مقرر نہ کیا جائے، اور چونکہ اکثر زمانوں میں اکثر لوگوں میں وسعت کم ہے اس لیے اسلم (بہتر اور سلامتی کا) طریقہ یہی ہے کہ مہر کم ہو[۲]

شرعی دلیل

قواعد شرعیہ سے تحمل مالا یطیق (یعنی اپنی حیثیت سے زائد کسی چیز کا تحمل کرنا) اس کی ممانعت آئی ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لَایَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یُّذِلَّ نَفْسَهٗ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَکَیْفَ یُذِلُّ نَفْسَهٗ ؟ قَالَ یَتَحَمَّلُ مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَایُطِیْقُهٗ''.

یعنی کسی مؤمن کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے عرض کیا گیا

[۱] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۱۲۷۔ [۲] ایضاً، ج:۲،ص:۱۲۹۔

کہ یا رسول اللہ! وہ اپنے آپ کو کس طرح ذلیل کرتا ہے؟ ارشاد فرمایا: ایسی مصیبت کا تحمل کرتا ہے جس کی طاقت نہیں رکھتا۔

(اس حدیث سے) تحمل سے زیادہ مہر مقرر نہ کرنے اور اس کے کم ہونے کا مطلوب شرعی ہونا ثابت ہو گیا[1]

بابرکت اور آسان مہر

مہر کی قلت و کثرت سے متعلق چند احادیث

حدیثوں میں مہر زیادہ ٹھیرانے کی کراہت اور کم ٹھیرانے کی ترغیب آئی ہے۔

(۱) چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا کہ مہروں میں زیادتی مت کرو کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت کی بات یا اللہ کے نزدیک تقویٰ کی بات ہوتی تو سب سے زیادہ اس کے مستحق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی کا اور اسی طرح کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں ہوا ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً چار آنہ چار پائی کا ہوتا ہے (یعنی چاندی کے چار آنہ چار پائی)۔ (کنز العمال، ص:۲۹۷)

(۲) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کا مبارک ہونا یہ بھی ہے کہ اس کا مہر آسان ہو۔

(۳) اور حدیث میں ہے کہ مہر میں آسانی اختیار کرو[2]

(۴) اور ایک حدیث میں ہے کہ اچھا مہر وہ ہے جو آسان اور کم ہو[3]

---

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۱۳۰۔ [2] کنز العمال، ص:۲۹۷۔ [3] اصلاح انقلاب، ص:۱۲۹۔

زیادہ مہر مقرر کرنے کے نقصانات

اس کے علاوہ (مہر زیادہ مقرر کرنے میں) جو دنیوی خرابیاں ہیں وہ آنکھوں سے نظر آتی ہیں، مثلاً بہت جگہ موافقت نہیں ہوئی اور بیوی کے حقوق نہیں ادا کئے جاتے مگر طلاق اس لیے نہیں دیتے کہ مہر زیادہ ہے، یہ لوگ دعویٰ کر کے پریشان کریں گے پس مہر کی کثرت بجائے اس کے کہ عورت کی مصلحت کا سبب ہوتا الٹا اس کی تکلیف کا سبب ہو گیا۔

کثرت مہر کی یہ خرابیاں اس وقت ہیں جب ادا نہ کیا جائے یا ادا کرنے کا ارادہ نہ ہو۔

اور اگر مرد پر خوف خدا غالب ہے اور حقوق العباد سے اس نے سبکدوش ہونا چاہا اور ادائیگی کا ارادہ کیا، اس وقت یہ مصیبت پیش آتی ہے کہ اتنی مقدار کا ادا کرنا اس کے تحمل سے زیادہ ہوتا ہے تو اس پر فکر اور تردد (پریشانی) کا بڑا بار پڑتا ہے اور کما کما کر ادا کرتا ہے، مگر زیادہ مقدار ہونے سے وہ ادا نہیں ہوتا، اور وہ طرح طرح کی تنگی برداشت کرتا ہے پھر اس سے دل میں تنگی اور پریشانی ہوتی ہے اور چونکہ اس تمام تکلیف کا سبب وہ عورت ہے اس لیے اس کے نتیجہ میں اس مرد کے دل میں اس سے انقباض (کھینچاؤ) اور پھر انقباض سے نفرت پھر دشمنی پیدا ہو جاتی ہے جس کا سبب مہر کی کثرت ہے۔

حدیث پاک

اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ (تَيَاسَرُوْا فِيْ الصَّدَاقِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَيُعْطِي الْمَرْأَةَ -الخ)یعنی مہر کے اندر آسانی اختیار کرو، اس لیے کہ مرد عورت کو زیادہ مہر دے بیٹھتا ہے حتی کہ اس دینے سے اس کے نفس کے اندر عورت کی طرف سے دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ (کنز العمال، ج:۸،ص:۲۴۹)

حضرت تھانویؒ کا تجربہ

چنانچہ خود مجھ کو اس کا اندازہ ہوا کہ میری ایک اہلیہ کا مہر پانچ ہزار (اُس زمانہ کے)اور دوسری بیوی کا پانچ سو تھا، بفضلہٖ تعالیٰ دونوں ادا کئے گئے مگر پہلے مہر کی ادائیگی میں جو کچھ گرانی ہوئی اگر والد صاحب مرحوم کا ذخیرہ اس میں اعانت نہ کرتا تو وہ گرانی ضرور کدورت (اور رنجش) کی صورت پیدا کرتی، اور دوسرا مہر صرف فتوحات یومیہ کی آمدنی سے بہت آسانی سے ادا ہوگیا اور قلب پر کوئی بار نہیں پڑا۔

پھر اگر اس کوشش کے بعد بھی ادا نہ ہوسکا تو نفس میں ایک دوسری کم ہمتی پیدا ہوتی ہے جو خلاف غیرت ہے وہ یہ کہ عورت سے مہر معاف کرایا جائے یہ درخواست ہی ذلت سے خالی نہیں [1]

وسعت سے زیادہ مہر مقرر کرنے کا انجام

بہت جگہ طلاق یا (بیوی کی) موت کے بعد (مہر کا) دعوی ہوا ہے اور چونکہ تعداد میں لاکھوں تک مہر تھا (اس کی وجہ سے) تمام جائداد سب کی سب (مہر کی) نذر ہوجاتی ہے، اور شوہر یا اس کے ورثاء اس کی بدولت (مفلس ہوکر) نان شبینہ (یعنی رات کے کھانے تک کے محتاج ہوجاتے ہیں) ''خَسِرَ الدُّنیَا وَ الآخِرَۃَ '' (یعنی دنیا بھی گئی آخرت بھی کھوئی) [2]

بیوی کے نہ چھوڑنے اور طلاق کے ڈر سے مہر زیادہ مقرر کرنا

بعض عقلاء مہر کی زیادتی میں یہ مصلحت سمجھتے ہیں کہ چھوڑ نہ سکے گا اگر مہر کم ہو تو شوہر پر کوئی بار نہیں پڑتا، اور اس کو اس امر سے کوئی مانع نہیں ہوتا کہ اس کو چھوڑ کر دوسری

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۲۳۳۔ [2] ایضاً،ص:۱۳۲۔

کر لے، اور کثرت مہر میں ذرا رکاوٹ رہتی ہے۔ یہ عذر بالکل لغو ہے، جن کو چھوڑ نا ہوتا ہے، وہ چھوڑ ہی دیتے ہیں، خواہ کچھ بھی ہو، دوسرے نہ چھوڑ سکنا، ہر جگہ تو مصلحت نہیں (کیونکہ) جو لوگ مہر کے مطالبہ کے خوف سے نہیں چھوڑتے وہ چھوڑنے سے بدتر کر دیتے ہیں، یعنی تعلیق کی جگہ عمل میں لاتے ہیں کہ نکاح سے نہیں نکالتے مگر حقوق بھی ادا نہیں کرتے ان کا کوئی کیا کر لیتا ہے جس شخص کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو تو اس کو کوئی چیز کسی امر سے نہیں روک سکتی کیا ایسے واقعات پیش نظر نہیں ہیں کہ بڑے بڑے مہروں کے مقروض ہیں، اور اس کے باوجود منکوحہ کا کوئی حق ادا نہیں کرتے اور نہ دوسری طرف متوجہ ہونے سے رکتے ہیں خواہ وہ حلال ہو یا حرام؟ ایسے ظالموں کا کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا خواہ اس وجہ سے کہ وہ صاحب وجاہت (بارعب شخصیت) ہے اس سے ڈرتے ہیں خواہ اس وجہ سے کہ اس کے پاس کچھ ہے نہیں اور نرا جیل خانہ بھیجنے سے کیا ملتا ہے، پھر داماد کے جیل خانہ جانے سے اپنی بیٹی کو کیا آرام ملا؟[1]

مہر کم مقرر کرنے میں بے عزتی کا شبہ

بعض لوگ یہ مصلحت بیان کرتے ہیں کہ قلت (مہر کم مقرر کرنے) میں ذلت ہے اور کثرت (زیادہ مقرر کرنے) میں عزت ہے سو اول تو ہر قلت (کمی) جب کہ درجہ اعتدال پر ہو ذلت نہیں، دوسرے اگر یہ مصلحت بھی ہو مگر اس کے مفاسد بے شمار ہوئے تو وہ مصلحت کب حاصل کرنے کے قابل ہوگی؟ تیسرے اگر اظہار فخر کے ساتھ ادا کرنے کی قوت کی رعایت نہ ہو تو میرے استاد کے بقول پھر اس مقدار پر کیوں بس کی جاتی ہے؟ اس سے زیادہ مقدار میں اس سے زیادہ عزت اور فخر ہے تو بہتر ہے کہ اقلیم کی سلطنت کا خراج (محصول اور خزانہ) بلکہ اس کا بھی کئی گنا مقرر کیا جائے کیونکہ نہ دینا نہ لینا صرف نام ہی نام ہے تو اچھی طرح سے کیوں نہ نام کیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ یہ

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۱۳۵۔

سب رسم پرستی ہے ورنہ واقع میں کچھ مصلحت نہیں[1]

اصل بات یہ ہے کہ افتخار (تکبر وفخر) کے لیے ایسا کرتے ہیں کہ خوب شان ظاہر ہو، سوفخر کے لیے کوئی کام کرنا گو اصل میں مباح (اور جائز بھی) ہو حرام ہوتا ہے چہ جائے کہ فی نفسہ بھی وہ خلاف سنت اور مکروہ ہو تو اور بھی ممنوع ہو جائے گا۔

مہر کے زیادہ ٹھیرانے کی رسم خلاف سنت ہے۔[2]

مہر کی زیادتی اگر عزت کی بات ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق تھے

کیا نعوذ باللہ ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہماری شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ ہے؟ استغفر اللہ، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مہر کی زیادتی عزت کی بات ہوتی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عزت کے زیادہ مستحق تھے، واقعی بھلا حضور سے زیادہ کون عزت والا ہو سکتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فقط دینی عزت ہی میں سب سے بڑھے ہوئے نہ تھے، بلکہ دنیوی عزت میں بھی سب سے بڑھے ہوئے تھے، اور صرف مسلمانوں ہی سے نہیں بلکہ غیر مسلم قوموں میں اور ظاہری ساز وسامان بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بعض دفعہ ایسا ہوا ہے کہ بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوا، چنانچہ حج میں ایک دفعہ سو اونٹوں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے قربانی کی، ہم نے تو کسی بادشاہ کو بھی نہیں سنا کہ اکیلے سو اونٹ کی قربانی کی ہو، ۶۳ - اونٹ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے، اس سے حضور کی قوت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، بقیہ کو ذبح کرنے کے لیے حضرت علیؓ کے سپرد فرمایا، اور پورے سو اونٹ کی قربانی فرمائی۔

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۱۳۵۔ [2] اصلاح الرسوم، ص:۸۹۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہراً بھی بادشاہ تھے اور بادشاہ بھی ایسے کہ کسی بادشاہ کی بھی اتنی عزت نہ تھی جتنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

چنانچہ ہرقل (روم کا بادشاہ) اپنے شاہی تخت پر بیٹھا ہوا کہتا ہے کہ اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا تو حضور کے پاؤں دھوتا۔ اللہ اکبر۔

ایک بزرگ کے بارہ میں جو ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھنے والے ہیں بادشاہ کے منھ سے یہ الفاظ کس قدر عظمت کی دلیل ہے، حضور کو واقعی اور حقیقی عزت حاصل تھی، اور محض دینی عزت نہیں بلکہ دنیوی عزت بھی کامل درجہ کی حاصل تھی، اب اس سے زیادہ کیا دنیوی عزت ہوگی کہ ایک (عظیم الشان) بادشاہ یوں کہتا ہے کہ اگر حضور تک پہنچ پاتا تو حضور کے پاؤں دھوتا اور اس کو اپنا فخر سمجھتا۔ غرض حضور کو دینی اور دنیوی ہر قسم کی عزت حاصل تھی، پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں اور بیٹیوں کے مہر تھوڑے ہی تھوڑے مقرر فرمائے، جس سے معلوم ہوا کہ مہر کا زیادہ ہونا کوئی عزت کی بات نہیں، اسی وجہ سے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر مہر کا زیادہ ہونا کوئی عزت کی بات ہو، تو حضور ہم سے زیادہ اس عزت کے مستحق تھے[1]

مہر کی قلت و کثرت کا معیار

اب یہ کلام باقی رہا کہ اس تقلیل (کمی) کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں؟ سو امام شافعیؒ کے نزدیک تو اس کی کوئی حد مقرر نہیں، قلیل سے قلیل (کم سے کم) مقدار بھی مہر بن سکتا ہے بشرطیکہ مال متقوم[2] ہو، خواہ ایک ہی پیسہ ہو۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس قلیل (کمی) کی حد دس درہم ہے

[1] نقد اللبیب فی عقد الحبیب، ملحقہ مواعظ میلاد النبی، ص: ۶۰۵-۶۰۰۔

[2] یعنی شریعت کی نگاہ میں جو مال ہو مثلاً سونا، چاندی روپیہ پیسہ مال ہے، اور شراب اور خنزیر مال نہیں ہے۔

یعنی اس سے کم مہر جائز نہیں حتیٰ کہ اگر صراحۃً بھی اس سے کم مقرر کیا جائے گا تو بھی دس درہم واجب ہوں گے (اور دس درہم کی مقدار آج کی تول کے اعتبار سے تقریباً ۳۴ رگرام چاندی ہوتی ہے) [1]

ہمارا یہ مطلب نہیں کہ مہر بہت ہی قلیل (کم) ہو بلکہ مقصود یہ ہے کہ اتنا زیادہ نہ ہو جو اس کی دینی و دنیوی تباہی کا سبب بن جائے، ادائیگی کی نیت نہ ہونے کی صورت میں بھی اور ادائیگی کی کوشش میں بھی، اور بَری ہونے کی تدبیر میں بھی بلکہ اس میں اعتدال ہو جس میں تمام مصالح محفوظ رہیں، مسنون تو یہی ہے کہ (چاندی کے ڈیڑھ سو روپئے کے قریب) ٹھیرالیں اور خیر اگر ایسا ہی زیادہ باندھنے کا شوق ہے تو ہر شخص کی وسعت کے مطابق کرلیں، اس سے زیادہ نہ کریں [2]

مہر کتنا ہونا چاہئے؟

مہر نہ اتنا ہونا چاہئے کہ لڑکی کی تحقیر (ذلت، رسوائی) ہو، اور نہ وسعت سے زیادہ ہو کہ دیا ہی نہ جاسکے، ہمارے حضور کی (صرف) ایک بیوی کا مہر گیارہ سو بھی تھا، حساب سے صرف گیارہ سو سے تین چار روپئے کم ہوتے ہیں، یہ مہر سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ہے (آج کے مروجہ وزن کے مطابق اس کی مقدار تقریباً بارہ کلو چاندی ہوتی ہے)۔
(مرتب)

اگر بہت بڑا فخر کرنا ہے تو گیارہ سو روپئے (چاندی کے) مہر باندھ دو، مگر کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ گیارہ سو کا مہر زیادہ تھا، کیونکہ حبشہ کے ایک بادشاہ تھے نجاشیؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکاح انہوں نے کیا تھا، اور یہ مہر بھی انہوں نے اپنے ذمہ رکھا تھا۔

تو دیکھئے ایک بادشاہ نے اپنے ذمہ صرف گیارہ سو روپئے رکھے تو یہ بھی بڑی رقم

---

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۱۳۵۔ [2] اصلاح الرسوم،ص:۸۹۔

نہ ہوئی، بادشاہ کے یہاں گیارہ لاکھ تو ہوتے۔

اگر ایسا ہی زیادہ شوق ہے مہر باندھنے کا تو خیر یہ مقدار گیارہ سو بھی موجود ہے۔ مگر اتنا تو نہ بڑھاؤ کہ دیا ہی نہ جاسکے، رہی شان تو شان کو رہنے دو[۱]

مہر فاطمی

مہر فاطمی کافی اور موجب برکت ہے اور اگر کسی کو وسعت نہ ہو اس سے بھی کم مناسب ہے[۲]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر دیگر صاحبزادیوں کے مثل ساڑھے بارہ اوقیہ تھا اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ سو درہم ہوئے اور درہم کا حساب ایک بار میں نے لگایا تھا انگریزی سکہ سے چار آنہ چار پائی کا ہوتا ہے، تو پانچ سو درہم کے ماصے ۱۳۱/ اور کچھ پیسے ہوئے، (اور آج کل کے وزن کے اعتبار سے اس کی مقدار ایک کیلو پانچ سو اکتیس گرام چاندی ہوتی ہے)[۳]

مہر کم مقرر کرنے کی بابت ضروری تنبیہ

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ مہر کے کم کرنے سے مراد یہ ہے کہ تمام برادری جمع ہو کر اس کو کم کر دے ورنہ متعارف (مروجہ) مقدار لڑکی کا حق ہے ، ولی کم کر کے اس کا نقصان کرتا ہے، جس کا اس کو حق نہیں[۴]

جن صورتوں میں ولی کو مہر مثل سے کم مقرر کرنا جائز نہ ہو جیسا کہ فقہی مسائل میں مذکور ہے، وہاں اس پر عمل کی صورت یہ ہے کہ سب لوگ متفق ہو کر اپنے عرف کو بدلیں جس سے خود قلیل (کم) مقدار ہی مثل بن جائے[۵]

---

[۱] نقد اللبیب، ص:۵۹۹۔ [۲] اصلاح الرسوم، ص:۹۱۔ [۳] امداد الفتاویٰ، ج:۲، ص:۲۹۵۔
[۴] الافاضات قدیم، ج:۲، ص:۳۲۔ [۵] اصلاح انقلاب، ص:۱۳۵۔

(فصل)

مہر کی ادائیگی سے متعلق ضروری مسائل

بجائے روپیہ کے مکان وغیرہ دینا

ایک کوتاہی شوہر کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ اپنی رائے سے بیوی کو کوئی چیز خواہ زیور کی قسم سے ہو یا سامان اور کپڑے کی قسم سے یا مکان اور زمین بیوی کو دے دیتے ہیں اور اس کے نام کر کے خود نیت کرتے ہیں کہ مہر دے چکا اور مہر ادا کر دیا۔

سو سمجھ لینا چاہئے کہ مہر کے بدلہ میں یہ چیزیں دینا بیع (خرید وفروخت) ہے اور بیع میں دونوں جانب سے رضامندی شرط ہے، پس اگر ان چیزوں کا مہر میں دینا منظوری ہے تو بیوی سے صریح الفاظ سے پہلے پوچھنا چاہئے کہ ہم تمہارے مہر میں یہ چیزیں دیتے ہیں تم رضامند ہو؟ پھر اگر وہ رضامند ہو تو جائز ہے۔[1]

مہر کی ادائیگی کے وقت نیت شرط ہے، بعد کی نیت کا اعتبار نہیں اگرچہ وہ مال عورت کے پاس موجود ہو

سوال: زکوٰۃ میں تصریح ہے کہ اداء زکوٰۃ کے وقت اگر نیت نہ کی ہو تو جب تک مال فقیر کے قبضہ میں باقی رہے زکوٰۃ کی نیت کر لینا جائز ہے تو اگر کسی نے بیوی کو مہر دیا، لیکن دیتے وقت نیت نہ کی تو کیا اسی پر قیاس کر کے قیام مال فی یدیہا (یعنی جب تک مال اس کے قبضہ میں ہے) نیت کرنا جائز ہے؟ اور نیت لاحقہ سے مہر ادا ہو جائے گا یا

[1] اصلاح انقلاب، ص: ۱۳۷۔

پھر دینا پڑے گا؟

الجواب: جب دینے کے وقت کچھ نیت نہیں کی تو ظاہر ہے کہ یہ تملیک ہبہ ہوئی، اداءِ دین نہیں ہوئی، اور درمختار کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ ہونے کے بعد مہر نہیں بنتا ''وَلَوْ بَعَثَ اِلٰی امْرَأتِہٖ شَیْئًا وَلَمْ یَذْکُرْ جِھَةً عِنْدَ الدَّفْعِ غَیْرَ جِھَةِ الْمَھْرِ الخ'' بخلاف زکوٰۃ کے کہ خود زکوٰۃ بھی تبرع ہے اور ہدیہ بھی تبرع (لیکن) یہاں انقلاب غیر تبرع کی طرف لازم نہیں آتا اس لیے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور مہر ادا نہ ہوگا[1]

چاندی سونے کے مہر میں ادائیگی میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

ایک اور عام مسئلہ قیمت لگانے کے متعلق معلوم کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ (مثلاً) اگر واجب ہوا ایک چیز اور لینے کے وقت دوسری چیز اس کی قیمت لگا کر لی جائے تو یاد رکھنا چاہئے کہ جس قدر اس وقت وصول کیا جاتا ہے (صرف) اسی کا حساب کرنا چاہئے .... بقایا کا حساب اگر دوسرے وقت اسی جنس سے کیا جائے تو اس دوسرے وقت کے نرخ (بھاؤ) کا اعتبار ہوگا سابق نرخ (پہلے بھاؤ) پر صاحب حق مجبور نہیں کرسکتا۔

مثلاً ایک کاشت کار کے ذمہ چالیس سیر گندم ہیں پھر اس سے یہ طے پایا کہ اچھا اس کے نقد دام لگا کر حساب کرلیا جائے اور حساب کے وقت گندم کا نرخ (گیہوں کا بھاؤ) ایک روپیہ کا دس سیر ہے اور اس حساب سے چالیس سیر غلہ چار روپیہ کا ہوا۔ سو اگر اسی جلسہ میں چاروں روپئے وصول ہو جائیں تب تو پورے کا حساب کرلینا جائز ہے، اور اگر فرض کیجئے کہ اس کو صرف دو روپئے وصول ہوں تو اس وقت صرف ۲۰؍ ہی سیر کا

[1] امداد الفتاویٰ، ج:۲، ص:۲۹۴۔

حساب کرنا چاہئے، اب کاشت کار کے ذمہ بیس سیر غلہ باقی رہے گا (اب آئندہ جب اس کی ادائیگی نقد دام کے ذریعہ کرے گا تو اس وقت کے بھاؤ کا اعتبار ہوگا پہلے بھاؤ کا اعتبار نہ ہوگا) [۱]

عورت سے مہر معاف کروانا ذلت اور عیب کی بات ہے

نفس میں ایک کم ہمتی پیدا ہوتی ہے جو خلاف غیرت ہے وہ یہ کہ عورت سے (مہر) معاف کرایا جائے اس سے درخواست کی جاتی ہے، یہ درخواست ذلت سے خالی نہیں۔

(اگر چہ عورت کا معاملہ کر دینا مباح ہے لیکن) باوجود مباح ہونے کے مرجوح (اور ناپسندیدہ) ''لِكَوْنِهٖ اَبْعَدَ مِنَ الْغَيْرِه''۔

(کیونکہ یہ غیرت کے خلاف ہے) ''وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُم'' میں اسی طرف اشارہ ہے [۲]

غیرت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ عورت کے مہر کی معافی کو قبول نہ کرو بلکہ تم اس کے ساتھ خود احسان کرو، اور عورت معاف بھی کر دے پھر بھی ادا کر دینا چاہئے، کیونکہ یہ غیرت کی بات ہے کہ بلاضرورت عورت کا احسان نہ لے [۳]

ہر معافی معتبر نہیں دلی رضامندی شرط ہے

یہ اس وقت تک ہے جب مرد اس معافی طلب کرنے میں طیب نفس (یعنی عورت کی دلی رضامندی) کی رعایت کرے ورنہ اگر غیرت کے ساتھ خوف خدا بھی مفقود ہے تو وہ صرف لفظی معافی کی ناجائز تدبیریں نکالے گا، یعنی یا عورت کو دھوکہ دے گا یا اس کو دھمکائے گا یا اس پر جبر کرے گا جس سے وہ معاف کر دے گی، مگر یاد رہے کہ ایسی معافی عند اللہ ہرگز معتبر اور مقبول نہیں، اس صورت میں یہ عند اللہ بدستور

[۱] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۱۴۲۔ [۲] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۱۴۴۔ [۳] انفاس عیسیٰ، ج:۲،ص:۳۰۱۔

ذمہ داری کے بوجھ تلے رہے گا۔[1]

نابالغہ بیوی کا مہر معاف نہیں ہوسکتا

بعض لوگ ایسے ہی یا طلاق دیتے وقت نابالغ زوجہ سے مہر معاف کرا لیتے ہیں سو یہ معافی معتبر نہیں ''لِاَنَّ تبرُّعَ الصَّغِيْرِ بَاطِلٌ'' نابالغ کا تبرع کرنا باطل ہے۔[2] اگر ولی (باپ، دادا) بھی منظور کرے تب بھی مہر معاف نہیں ہوسکتا۔[3]

مہر عورت کا حق ہے اس کا مانگنا عیب کی بات نہیں

ایک عملی غلطی یہ کہ عورتیں مہر مانگنے کو یا بے مانگے لینے کو عیب سمجھتی ہیں اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس کو بدنام کرتی ہیں، سو (خوب سمجھ لینا چاہئے کہ) اپنے حقِ واجب کا مانگنا یا وصول کر لینا جب شرعاً کچھ عیب نہیں تو محض اتباعِ رسم کی وجہ سے اس کو عیب سمجھنا گناہ سے خالی نہیں۔[4]

عرب اور ہندوستان کے دستور کا فرق

عرب میں مہر کے متعلق یہ رسم ہے کہ عورتیں مردوں کی چھاتی پر چڑھ کر مہر وصول کرتی ہیں اور ہندوستان میں اس کو بڑا عیب سمجھا جاتا ہے، ہندوستان کی عورتیں مہر کو زبان پر بھی نہیں لاتیں اور خاوند کے مرتے وقت اکثر بخش ہی دیتی ہیں۔[5]

مہر وصول کر لینے سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا اور حقوق ختم نہیں ہوتے

عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اگر ہم نے مہر لے لیا تو پھر ہمارا کوئی حق خاوند (شوہر) کے ذمہ نہ رہے گا، یعنی نان ونفقہ اور دوسرے حقوقِ معاشرت سب ساقط ہو جائیں گے

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۱۲۴۔ [2] ایضاً، ج:۲،ص:۱۲۴۔ [3] امداد الفتاویٰ، ج:۲،ص:۳۰۵۔
[4] اصلاح انقلاب، ج:۱،ص:۱۳۹۔ [5] التبلیغ، ج:۷،ص:۵۱۔

یہ اعتقاد سراسر غلط ہے، سب حقوق الگ الگ ہیں، ایک حق دوسرے حق پر مبنی نہیں، مہر لینے سے دوسرا کوئی حق ساقط نہیں ہوتا، بہت سی عورتوں کا گمان یہ ہے کہ اگر ہم مہر لے لیں گے تو پھر نفقہ میں ہمارا کچھ نہ رہے گا اس وجہ سے خود مانگنا تو درکنار بعض خدا کی بندیاں تو مرد کے دینے پر بھی اس ڈر کے مارے نہیں لیتیں، یہ بالکل غلط اور باطل امر ہے، اس اعتقادِ باطل کا اثر یہ ہوتا ہے کہ شوہر مہر ادا کرتا ہے اور عورت نہیں لیتی اور نہ معاف کرتی ہے ایسی صورت میں اگر شوہر پر حق کی ادائیگی کا غلبہ ہو تو پریشان ہوتا ہے کہ ذمہ داری سے براءت کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔[1]

اگر عورت مہر نہ قبول کرے اور نہ معاف کرے تو خلاصی کس طرح ہو

سوال: ایک عورت اپنا مہر نہ لیتی ہے نہ معاف کرتی ہے ایسی حالت میں مرد کس طرح سبکدوش ہو سکتا ہے؟

جواب: اس صورت میں شوہر مہر کا مال بیوی کے سامنے اس طرح رکھ دے کہ اگر وہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکے اور رکھ کر یہ کہہ دے کہ یہ تمہارا مہر ہے اور یہ کہہ کر اس مجلس سے ہٹ جائے تو مہر ادا ہو گیا، مرد سبکدوش ہو جائے گا پھر اگر وہ عورت نہ اٹھائے گی کوئی اور اٹھائے گا تو اس عورت کا روپیہ ضائع ہوگا، شوہر سبکدوش ہو جائے گا اور اگر ضائع ہونے کے خیال سے پھر شوہر نے اٹھالیا تو وہ شوہر کے پاس امانت رہے گا، شوہر کی ملک نہ ہوگا اس میں شوہر کو تصرف کرنا جائز نہ ہوگا۔[2]

---

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۱۴۹۔ [2] امداد الفتاویٰ، ۳۰۳/۲، اصلاح انقلاب، ۱۳۹/۲۔

شوہر کے انتقال کے وقت عورت کا مہر معاف کرنا

ایک کوتاہی یہ کہ شوہر کے مرض الموت میں عورت مہر معاف کر دیتی ہے اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر خوشی سے معاف کر دے تو معاف ہو جاتا ہے اور اگر عورتوں کی زبردستی گھیرا گھیری سے معاف کرے تو عند اللہ معاف نہیں ہوتا، اور اوپر والوں کو (یعنی بڑوں بوڑھوں کو) اس طرح مجبور نہ کرنا چاہئے۔[1]

شوہر کے انتقال کے بعد عورت کو مہر معاف کرنا بہتر ہے یا نہیں؟

ظاہراً تو معاف کر دینا بہتر معلوم ہوتا ہے لیکن نظر غائر سے (معلوم ہوتا ہے کہ) لینا افضل ہے کیونکہ (شوہر کے ورثاء کا) اس معافی چاہنے کی بنیاد حرص ہے جو کہ مذموم ہے اور معاف کرنا اس مذموم کی اعانت ہے۔[2]

بعض مواقع پر معاف کرنا مصلحت بھی نہیں ہوتا مثلاً بیوی کی میراث کا حصہ اس کی بسر کے لئے کافی نہ ہو اور ورثاء سے رعایت و کفالت (یعنی اخراجات برداشت کرنے) کی امید نہ ہو ایسے موقع پر تو بجائے معافی کی ترغیب کے معاف نہ کرنے کی رائے دینا مناسب ہے۔[3]

بیوی کا اپنے انتقال کے وقت مہر معاف کرنا درست نہیں

اکثر عورتیں اپنے مرض الموت میں مہر معاف کر دیتی ہیں اور اس معافی سے شوہر بالکل بےفکر ہو جاتا ہے، سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ معافی وارث کے لیے وصیت کی ایک صورت ہے اور یہ بغیر دوسرے ورثاء کی رضامندی کے ناجائز ہے پس اس معافی سے مہر معاف نہ ہوگا البتہ شوہر کو جس قدر (مہر کی) میراث میں حصہ پہنچے گا وہ بےشک معاف ہو جائے گا، باقی اس کے ذمہ واجب الاداء رہے گا، جو دوسرے وارثوں کو

[1] اصلاح انقلاب، ص:۱۳۹۔ [2] امداد الفتاویٰ ۲/۳۰۴۔ [3] اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۱۳۸۔

دیا جائے گا، البتہ اگر سب ورثاء اس معافی کو جائز رکھیں تو کل معاف ہوجائے گا اور اگر بعض نے جائز رکھا یا بعض (ورثاء) نابالغ ہوں تو ان کے حصے کے بقدر معاف نہ ہوگا۔[1]

بیوی کے انتقال کے بعد اس کے مہر میں ورثاء کا حق

مہر کے بارے میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ اگر متوفی بیوی کے ورثاء اس کے ماں باپ یا بھائی وغیرہ ہوتے ہیں تب تو ان کے مطالبہ پر شوہر ان کا حصہ، مہر (کی میراث میں سے) دیتا ہے اور اگر خود اسی شوہر کی اولاد وارث ہوئی تو چونکہ وہ مطالبہ نہیں کرسکتے (چھوٹا ہونے کی وجہ سے) اور یہ ان کا حق ادا نہیں کرتا یہ فعل سراسر ظلم اور خیانت ہے، ان کا حق امانت ہے اسے اولاد کے نام سے جمع رکھنا چاہئے اور خاص ان کے مصالح میں صرف کرنا چاہئے، خود (اپنے اوپر) خرچ کرنا حرام ہے، اسی طرح ان بچوں کی ان کی ماں سے جو میراث پہونچی ہو ان سب کی حفاظت اس کے ذمہ فرض ہے اس میں بے جا تصرف کرنا حرام ہے۔[2]

مہر مانع زکوٰۃ نہیں

بعض لوگ دینِ مہر کو مانع وجوبِ زکوٰۃ (یعنی زکوٰۃ کے وجوب کو روکنے والا) سمجھتے ہیں یعنی جس شخص کے ذمہ مہر واجب ہو وہ یوں سمجھتا ہے کہ چونکہ میں اتنے کا قرض دار ہوں اس لیے مجھ پر اتنے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ مانع نہیں چنانچہ شامی نے کہا ہے ''وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ غَيْرُ مَانِعٍ''[3]

خلاصہ یہ ہے کہ مہر نہ مانع زکوٰۃ ہے یعنی اس قرض کے ہوتے ہوئے بھی شوہر پر زکوٰۃ واجب رہتی ہے (اگر نصابِ زکوٰۃ موجود ہو) اور مہر نہ موجب زکوٰۃ ہے (یعنی عورت پر بھی اس کی زکوٰۃ واجب نہیں) جب تک کہ وصول نہ ہوجائے اور وصول ہونے کے بعد بھی گذشتہ زمانہ کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی تازہ زکوٰۃ ہوگی۔[4]

---

[1] اصلاح انقلاب، ۲/۱۳۷۔ [2] اصلاح انقلاب، ۲/۱۳۸۔ [3] ۲/۸۔ [4] ایضاً، ۲/۱۴۰۔

باب (۱۲)

جہیز کا بیان

طلب وخواہش کے بغیر خلوص کے ساتھ اگر لڑکے کو کچھ ملے تو اللہ کی نعمت ہے

اگر خلوص کامل سے شوہر کی خدمت کی جائے، بغیر اس کے کہ شوہر کو اس کی خواہش (یا طلب) یا اس پر نظر یا اس کی نگرانی اور انتظار ہو تو مضائقہ نہیں (جس کی دلیل یہ آیت قرآنی ہے):

''وَوَجَدَکَ عَائِلًا فَاَغْنٰی'' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا، سو مالدار بنایا۔

وَاشْتُرِطَ عَدَمُ التَّطَلُّعِ وَالتَّشَرُّفِ بِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَا اَتَاکَ مِنْ غَیْرِ اَشْرَافٍ فَخُذُوْہُ وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْہُ نَفْسَکَ اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ.

اور مال ملنے کا انتظار اور اس پر نظر نہ ہونا شرط ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ تمہارے پاس بغیر اشرافِ نفس (یعنی خواہش و طلب کے بغیر) آجائے اسے لے لو اور جو تمہارے پیچھے نہیں آتا اس کے پیچھے نہ پڑو۔[1]

[1] (اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۴۶)۔

جہیز کی حقیقت اوراس کا حکم

بری اور جہیز یہ دونوں درحقیقت زوج (لڑکے والوں) کی طرف سے زوجہ یا اہل زوجہ (لڑکی والوں) کو ہدیہ ہے۔

اور جہیز جو درحقیقت اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے فی نفسہ امر مباح بلکہ مستحسن ہے۔[1]

اگر خدا کسی کو دے تو بیٹی کو خوب جہیز دینا برا نہیں، مگر طریقہ سے ہونا چاہئے جو لڑکی کے کچھ کام بھی آئے۔[2]

جہیز دینے میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے

جہیز میں ان امور کا لحاظ رکھنا چاہئے:

(۱) اول اختصار یعنی گنجائش سے زیادہ کوشش نہ کرے۔

(۲) دوم ضرورت کا لحاظ کرے یعنی جن چیزوں کی سردست ضرورت واقع ہو وہ دینا چاہئے۔

(۳) اعلان نہ ہو کیونکہ یہ تو اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے دوسروں کو دکھلانے کی کیا ضرورت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے جو اس روایت میں مذکور ہے۔ تینوں امر ثابت ہیں۔[3]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز یہ تھا دو یمنی چادر، دو نہالی، جس میں السی کی چھال بھری تھی، اور چار گدے، چاندی کے دو باز و بند اور ایک کملی، اور تکیہ اور ایک پیالہ اور ایک چکی اور ایک مشکیزہ، اور پانی رکھنے کا برتن یعنی گھڑا اور بعض

[1] اصلاح الرسوم، ص:۵۶۔ [2] حقوق البیت، ص:۵۳۔ [3] اصلاح الرسوم، ص:۹۳۔

روایتوں میں ایک پلنگ بھی آیا ہے[۱]

مروجہ جہیز کے مفاسد اور خرابیاں

مگر اب جس طور سے اس کا رواج ہے اس میں طرح طرح کی خرابیاں ہوگئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ اب ہدیہ مقصود رہا نہ صلہ رحمی بلکہ ناموری اور شہرت اور رسم کی پابندی کی نیت سے کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بری اور جہیز دونوں کا اعلان ہوتا ہے معیّن اشیاء ہوتی ہیں، خاص طرح کے برتن بھی ضروری سمجھے جاتے ہیں، جہیز کے اسباب بھی معین ہیں کہ فلاں فلاں چیز ضروری ہو، اور تمام برادری اور گھر والے اس کو دیکھیں گے جہیز کی تمام چیزیں عام مجمع میں لائی جاتی ہیں اور ایک ایک چیز سب کو دکھلائی جاتی ہے اور زیور (اور جہیز) کی فہرست سب کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے (آپ خود) فرمائیے کہ یہ پوری ریا (دکھلاوا) ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ زنانہ کپڑوں کا مردوں کو دکھلانا کس قدر غیرت کے خلاف ہے۔

اگر صلہ رحمی مقصود ہوتی تو کیف ما اتفق جو میسر آتا اور جب میسر آتا بطور سلوک کے دے دیتے۔

اسی طرح ہدیہ اور صلہ رحمی کے لیے کوئی شخص قرض کا بار نہیں اٹھاتا لیکن ان دونوں رسموں کو پورا کرنے کے لیے اکثر اوقات مقروض بھی ہوتے ہیں گو سود ہی دینا پڑے، اور گو باغ ہی فروخت یا گروی ہو جائے پس اس میں التزام مالا یلزم، نمائش، شہرت اور اسراف وغیرہ سب خرابیاں موجود ہیں اس لئے یہ بھی بطریق متعارف (مروجہ طریقہ سے) ممنوعات کی فہرست میں داخل ہوگیا۔

---

[۱] ازالۃ الخفاء، اصلاح الرسوم، ص:۹۳۔

سامان جہیز

(آج کل جہیز میں) بعض چیزیں ایسی دی جاتی ہیں جو کبھی کام نہیں آتیں سوائے اس کے کہ گھر کی جگہ گھیر لیں، مثلاً چوکی، اور نواڑ کا پیڑھا کہ یہ اس تکلف کی ہوتی ہیں کہ ان کو کام میں لاتے ہوئے ترس آتا ہے۔ اور حقیقت میں وہ کام کے قابل ہوتے بھی نہیں، کیونکہ تکلف کی چیز نازک ضرور ہوا کرتی ہے اس کی نزاکت اور خوبصورتی کی وجہ سے ایک طرف احتیاط سے رکھ دیا جاتا ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ رکھے رکھے گل سڑ جاتے ہیں اور کبھی کام نہیں آتے۔

اگر بیٹی کو لخت جگر سمجھ کر دینا ہے تو کیا ایسی ہی چیز دینی چاہئے تھی جو اس کے کام کبھی نہ آئے، اصل یہ ہے کہ یہ چیزیں بیٹی کو دی ہی نہیں جاتیں، صرف تفاخر اور دکھلاوے کے لیے دی جاتی ہیں اس میں جتنا جس کا حوصلہ ہوتا ہے بڑھ کر قدم رکھتا چلا جاتا ہے، ایک نے دس برتن اور پچاس جوڑے دیئے تو دوسرا نو برتن اور انچاس جوڑے نہیں دے گا ایک بڑھا کر ہی دے گا گو قرض دار ہی ہو جائے سود پر قرض لینا گوارہ کرتا ہے.......... برادری کے دباؤ سے غریب آدمی بھی عاقبت برد باد کرتا ہے، اور غریب ہی کی کیا تخصیص ہے غریب کے اخراجات غریب جیسے ہوتے ہیں اور امیر کے اخراجات امیر کے سے ہوتے ہیں امیر لوگ بھی ان رسموں کی بدولت قرض نہیں بچتے[1]

مروجہ جہیز کی بنیاد محض تفاخر اور نام نمود پر ہے

غور کر کے دیکھا جائے تو رسموں کی بناء اور اصل بھی تفاخر ہے، حتیٰ کہ بیٹی کو جو چیز جہیز میں دی جاتی ہے اس کی اصل بھی یہی ہے بیٹی لخت جگر کہلاتی ہے ساری عمر تو اس کے ساتھ یہ برتاؤ رہا کہ چھپا چھپا کر اس کو کھلاتے تھے کہ اچھا ہے کوئی لقمہ ہماری بیٹی کے

[1] منازعۃ الہویٰ، ص: ۴۵۰۔

پیٹ میں پڑ جائے گا تو کام آئے گا، دوسرے کو دکھانا بھی پسند نہ تھا کہ شاید نظر لگ جائے ، اور نکاح کا نام آتے ہی ایسا کایا پلٹ ہوا کہ ایک ایک چیز مجمع کو دکھائی جاتی ہے، برتن جوڑے اور صندوق حتی کہ آئینہ کنگھی تک شمار کر کے دکھلائے جاتے ہیں، شاید وہ پہلے لخت جگر تھی اور اب نہیں رہی یا اب ہے اور پہلے نہ تھی، جواب کے اور پہلے کے برتاؤ میں بالکل الٹا فرق ہو گیا۔

اگر آپ غور کریں گے تو اس کی وجہ صرف تفاخر پائیں گے، برادری کو دکھلانا ہے کہ ہم نے اتنا دیا، یہ منظور نہیں کہ ہماری بیٹی کے پاس سامان زیادہ ہو جائے۔

دل کا چور

اور اسی واسطے جوڑے اور برتن غرض تمام جہیز ایسا تجویز کیا جاتا ہے کہ ظاہری بناوٹ میں بہت اجلا ہو اور قیمت کے اعتبار سے یہی کوشش کی جاتی ہے کہ سب چیزیں ہلکی رہیں، جب بازار میں خریدنے جاتے ہیں تو دکاندار سے کہا جاتا ہے کہ شادی کا سامان خریدنا ہے لینے دینے کا سامان دکھاؤ۔

اگر اصل بیٹی کے ساتھ ہمدردی تھی تو گو جہیز تعداد میں کم ہوتا مگر سب چیزیں اچھی اور کار آمد ہوتیں بجائے اس کے کہ وہ چیزیں دی جاتی ہیں جو برتنے (اور استعمال میں لانے) کے قابل نہیں ہوتیں صرف ظاہری شمار بڑھا کر دی جاتی ہیں[1]

ریا اور تفاخر کی مختلف صورتیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم جہیز کو دکھاتے تک نہیں، دیکھو ہم نے رسمیں چھوڑ دیں سو جناب اس میں کیا کمال، اپنی بستی میں تو برسوں پہلے سے سامان جمع کر کے ایک ایک کو دکھلا چکی ہو، جو مہمان آتی ہے اس کو بھی اور جو رشتہ دار آتی ہے اس کو بھی ایک ایک چیز دکھلائی جاتی ہے اور خود سامان آنے میں جو شہرت ہوتی ہے وہ الگ، آج دہلی سے کپڑا

[1] منازعۃ الہویٰ، ص:۴۴۹۔

آ رہا ہے اور مراد آباد گئے تھے وہاں سے برتن لائے ہیں، اور اسکے بعد وہ دولہا کے گھر جا کر کھلتا ہے اور عام طور پر دکھایا جاتا ہے اور اسی واسطے لڑکی کے ہمراہ بھیجا جاتا ہے، تو یہ قصداً اعلان نہیں تو اور کیا ہے۔[1]

بجائے جہیز کے زمین، جائداد، باغ یا تجارت کے لیے نقدی رقم دینا

میں نے ایک تعلق دار کی حکایت سنی ہے، جو بہت بڑے مالدار ہیں کہ انہوں نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا اور جہیز میں صرف ایک پالکی دی اور ایک قالین اور ایک قرآن مجید، اس کے سوا کچھ نہ دیا، نہ برتن، نہ کپڑے، بلکہ اس کے بجائے ایک لاکھ روپیہ کی جائداد بیٹی کے نام کر دی، اور کہا کہ میری نیت اس شادی میں ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی تھی اور یہ رقم اس واسطے پہلے تجویز کر لی تھی، خیال تھا کہ خوب دھوم دھام سے شادی کروں گا، مگر پھر میں نے سوچا کہ اس دھوم دھام سے میری بیٹی کو کیا نفع ہوگا، بس لوگ کھا پی کر چل دیں گے میرا روپیہ برباد ہوگا اور میری بیٹی کو کچھ نہ حاصل ہوگا، اس لیے میں نے ایسی صورت اختیار کی جس سے بیٹی کو نفع پہنچے، اور جائداد سے بہتر اس کے لیے کوئی نفع کی چیز نہیں اس سے وہ اور اس کے اولاد پشتہا پشت تک بےفکری سے عیش کرتے رہیں گے، اور اب کوئی مجھے بخیل اور کنجوس بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں نے دھوم دھام نہیں کی تو رقم اپنے گھر میں بھی نہیں رکھی دیکھو یہ ہوتا ہے عقلاء کا طرز۔

اگر خدا کسی کو دے تو بیٹی کو جہیز میں بہت دینا برا نہیں مگر طریقہ سے ہونا چاہئے جو لڑکی کے کچھ کام بھی آئے، مگر عورتوں کو کچھ نہیں سوجھتا یہ تو ایسی بے ہودہ ترکیبوں سے برباد کرتی ہیں جس سے نہ ان کو کچھ وصول ہوتا ہے نہ لڑکی کو۔[2]

---

[1] اصلاح النساء ملحقہ حقوق الزوجین، ص:۱۸۶۔ [2] حقوق البیت، ص:۵۲۔

کاش جس قدر بے ہودہ روپیہ اُڑایا ہے ان دونوں کے لیے اس سے کوئی جائداد خرید کردی جاتی یا تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا تو کس قدر راحت ہوتی [۱]

جہیز میں بہت زائد کپڑے دینا اور رشتہ دار عورتوں کے جوڑے بنوانا

جہیز میں اس قدر کپڑے دیئے جاتے ہیں کہ ایک بار میں ضلع میرٹھ کے ایک گاؤں گیا تھا معلوم ہوا کہ وہاں ایک بہو صرف کپڑا پندرہ سو روپیہ کا لائی ہے (جو آج کل پچاس ہزار سے بھی زائد ہوں گے) برتن اور زیور اور لچکے گوٹے اس سے الگ تھے۔

میں نے بعض گھروں میں دیکھا ہے کہ جہیز میں اتنے کپڑے دیئے گئے تھے کہ لڑکی ساری عمر بھی پہنے تو ختم نہ ہوں اب وہ کیا کرتی ہے، اگر سخی ہوئی تو بانٹنا شروع کر دیا، ایک جوڑا کسی کو دیا ایک کسی کو، اور اگر بخیل ہوئی تو صندوق میں بند کر کے رکھ لئے، پھر بہت سے جوڑوں کو تو پہننا بھی نصیب نہیں ہوتا وہ یوں ہی رکھے رکھے گل جاتے ہیں اس طرح فضول خرچی کے ساتھ عورتیں مال برباد کرتی ہیں۔

بھلا جہیز میں اتنے کپڑے دینے کی کیا ضرورت ہے، مگر کیوں نہ دیں اس میں بھی نام ہوتا ہے کہ فلانی نے اپنی بیٹی کو ایسا جہیز دیا اور اتنا اتنا دیا، بس شیخی کے واسطے گھر برباد کیا جاتا ہے [۲]

اکثر ایسا ہوا ہے کہ دلہن مرگئی اور یہ سب سامان ہزاروں روپیہ کا ضائع ہوا۔

پھر دلہن کے کپڑوں کے علاوہ تمام کنبہ (خاندان والوں) کے جوڑے بنائے جاتے ہیں اور بعض دفعہ ان کو پسند بھی نہیں آتے، اور ان میں عیب نکالے جاتے ہیں کس قدر بے لطفی ہوتی ہے، اور اس پر دعویٰ یہ کہ ہم نے رسمیں چھوڑ دی ہیں [۳]

---

[۱] اصلاح النساء، ص:۱۸۵۔ [۲] حقوق البیت، ص:۵۲۔ [۳] اصلاح النساء، ص:۱۸۵۔

جہیز دینے کا صحیح طریقہ

جہیز کب دینا چاہیے

فرمایا: لڑکی کو جو کچھ دینا ہو اس کو رخصتی کے وقت نہ دینا کیونکہ وہ اس کو دینا نہیں ہے بلکہ وہ تو ساس سسرے کو دینا ہے۔

(جہیز کا سامان) اگر لڑکی کے ہمراہ نہ کیا جاتا تو عقل کے موافق تھا کیونکہ یہ سب سامان لڑکی ہی کو دیا جاتا ہے اور اس وقت وہ قبضہ نہیں کرتی اور نہ اس کو خبر ہوتی ہے، اس کو دینا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سر دست اپنے گھر رکھو، جب وہ خوب گھل مل جائے اور پھر جب وہ اپنے گھر آئے اس وقت وہ تمام سامان اس کے سامنے رکھ دو، اور کہو کہ یہ سب چیزیں تمہاری ہیں ان میں سے جتنی ضروری ہوں اور جتنا تیرا دل چاہے اور جب جی چاہے اپنی سسرال لے جانا اور جتنی چیزیں یہاں رکھنا چاہو یہاں رکھ لو پھر جو چیزیں وہ تمہارے سپرد کرے ان کو احتیاط سے اپنے یہاں رکھ لینا۔

اور مصلحت یہی ہے کہ وہ ابھی (سامان جہیز) نہ لے جائے کیونکہ اس وقت تو اس کو کوئی ضرورت نہیں، کسی وقت جب ضرورت ہوگی لے جائیں گے، (یہ طریقہ) عقل کے موافق ہونے کے ساتھ اس میں ریاء بھی نہیں مگر چونکہ اس میں کوئی تفاخر اور دکھاوا نہیں ہے، اس لیے ایسا کوئی بھی نہیں کرتا، اور اگر کوئی ایسا کرے تو لوگ اسے برا بھلا کہیں اور کنجوس بھی بنا دیں، اور کہیں گے کہ خرچ سے بچنے کے لیے شریعت کی آڑ پکڑی ہے (لیکن شریعت اور عقل کے موافق صحیح طریقہ یہی ہے جو اوپر بیان ہوا)[1]

---

[1] حسن العزیز، ج:۲،ص:۴۸، اصلاح النساء،ص:۱۸۶۔

عورت کے سامان جہیز میں شوہر کو بھی اس کی دلی مرضی کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں

کیونکہ دونوں کی ملک جدا جدا ہیں یہ شوہر کے لیے ظلم ہوگا کہ عورت کے مال میں اس کی رضا کے بغیر (یعنی اس کی دلی اجازت کے بغیر) تصرف کرے اور عورت کے لیے بھی خیانت ہوگی اگر مرد کے مال میں بلا اس کی رضاء کے تصرف کرے۔[1]

دلی رضامندی کسے کہتے ہیں

رضامندی سے مراد سکوت کرنا (یعنی خاموش رہنا) یا ناراضی کا ظاہر نہ کرنا یا پوچھنے کے بعد رضامندی (محض شرما حضوری میں) ظاہر کر دینا نہیں ہے تجربہ سے ثابت ہے کہ اکثر اوقات کراہت اور گرانی کے باوجود شرم و لحاظ اور مروت کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے۔ (یعنی اجازت دے دی جاتی ہے)۔

ورنہ رضامندی وہ ہے کہ پختہ غیر مشکوک قرائن سے مالک کا طیب خاطر جزم کے ساتھ (یعنی یقینی طور پر دلی رضامندی کے ساتھ) معلوم ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلاَ لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْہُ'' ''خبردار! مسلمان کا مال بغیر اس کی دلی رضامندی کے حلال نہیں ہے۔[2]

---

[1] اصلاح النساء، ص:۱۸۶۔ [2] بیہقی، اصلاح انقلاب، ص:۱۸۶۔

باب (۱۳)

بیہواری لین دین کا بیان

مروجہ رسمی لین دین میں فائدہ سے زیادہ نقصانات ہیں

سب سے عمدہ رسم جس کے بہت فوائد بیان کئے جاتے ہیں کہ صاحب نیوتہ (بیہواری طور سے لین دین کی رسم) تو نہایت عمدہ رسم ہے، تھوڑا تھوڑا دینے میں شادی والے کا کام ہو جاتا ہے، اور دینے والوں میں سے کسی پر بار نہیں ہوتا یہ تو مستحسن (پسندیدہ) ہے اس کو قبیح کیسے کہہ دیا؟ اس کی شادی ہوگئی یہ تھوڑی بات ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے ایک فائدہ کو تو دیکھ لیا اور دوسرے مفاسد جو اس کے اندر ہیں ان کو چھوڑ دیا اگر ایک فائدہ ہے تو مفاسد کتنے ہیں ان مفاسد کو بھی تو دیکھنا چاہئے۔

اور اول تو جو فائدہ اس عمل میں سوچا گیا ہے وہ بھی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ آج کل کی شادیوں میں خرچ اتنا کیا جاتا ہے کہ نیوتہ (بیہواری لین دین) اس کے لیے کافی نہیں ہوتا[۱]

رسمی لین دین سے محبت نہیں ہوتی

تهادى إلى العروس (یعنی شادی کے موقع پر لڑکا لڑکی کو کچھ دینا) یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے......اور ہر چند کہ **تَهَادِیْ اِلَی الْعُرُوْسِ فِیْ نَفْسِہٖ** موجب زیادتی محبت (یعنی محبت کو بڑھانے کا ذریعہ) ہے لیکن رسم کے طریقہ پر

[۱] التبلیغ احکام المال، ج:۱۵،ص:۸۸۔

بھیجنا بغض کو بڑھاتا (اور تعلقات کو خراب کرتا) ہے تجربہ اس پر دلالت کرتا ہے ہاں خلوص کے ساتھ بھیجنے سے محبت بڑھتی ہے جیسا کہ دو دوست آپس میں کبھی کبھی ہدیہ بھیج دیا کریں اور رسم سے محبت نہیں بڑھتی۔[1]

نیوتہ اور بیہواری لین دین کی حقیقت اور اس کی مصلحت

شادیوں میں کئی موقع پر نیوتہ جمع ہوتا ہے ....سلامی کے وقت بطور نیوتہ کے روپیہ جمع کر کے دولہا کو دیئے جاتے ہیں۔

نیوتہ کی اصل یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلے زمانہ میں کسی غریب آدمی کو کوئی تقریب پیش آئی (یعنی شادی کرنا ہوئی) تو اس کے عزیزوں نے بطور امداد کے کچھ جمع کر کے دے دیا چونکہ اس وقت ان امور میں اس قدر طول نہ تھا تھوڑے سے سرائے میں سب ضروری کام انجام پا گئے، نہ اس کو بار ہوا، نہ دینے والوں پر گراں ہوا کسی کا زیادہ خرچ نہیں ہوا۔

اگر بطور تبرع واحسان کے دیتے ہوں گے تو اس کا عوض نہ چاہتے ہوں گے گو دوسرا شخص ''هَلْ جَزَاءُ الاحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ'' (احسان کا بدلہ احسان ہے) کے قاعدہ سے اس کی ضرورت کے وقت بغیر کسی کمی وبیشی کا لحاظ کئے ہوئے بشرط گنجائش اس کی اعانت کر دیتا ہو۔

اور اگر بطور قرض کے ہوتا ہوگا تو اس کو یہ قرض بتدریج (آہستہ آہستہ) ادا کرنا آسان ہوتا تھا، واقعی اس وقت یہ مصلحت نہایت مفید تھی اور اب تو اس میں کوئی بھی مصلحت نہیں رہی جس قدر (شادی میں) خرچ ہوتا ہے اس کا جز ومعتد بہ (قابل شمار ایک حصہ) بھی نیوتہ میں جمع نہیں ہوتا پھر ناحق مقروض بننے سے کیا فائدہ، بے ضرورت مقروض ہونا بھی منع ہے پھر گنجائش کے وقت ادا نہیں کر سکتے جب دوسرے شخص کے

[1] تطہیر رمضان، ص:۴۱۶، ملحقہ فضائل صوم وصلوٰۃ۔

یہاں کوئی تقریب ہوتب ہی ادا کرنا ممکن ہے اور اگر تقریب کے وقت پاس نہ ہو تو بعض اوقات سودی قرض لے کر دینا پڑتا ہے یہ بھی گناہ ہے، جس دستور میں اتنے گناہ ہوں بیشک وہ واجب الترک ہے۔ (یعنی اس کا چھوڑنا واجب ہے)۔[1]

نیوتہ لینے دینے کا شرعی حکم

نیوتہ قرض ہے پس وہ احکام جو عقدِ قرض پر خدا تعالیٰ نے مرتب کئے ہیں اس پر عائد ہوں گے اور وہ یہ کہ بلاضرورت قرض نہ لیا جائے یہ نیوتہ کیسا قرض ہے کہ ضرورت کا تو کیا ذکر، دینے والے کو اختیار سے دیا جاتا ہے (جس کا لینا گویا ضروری ہوتا ہے) اور نہ لینے سے برادری برا مانتی ہے، کہیں آپ نے ایسا قرض دیکھا ہے کہ دینے والا زبردستی تھوپ دے اور دوسرا مقروض بن جائے؟ یہ حکم تو لینے کے وقت کا ہے۔[2]

نیوتہ لینے دینے کے بعد کا شرعی حکم

یہ حکم تو لینے کے وقت کا ہے اور دینے کے وقت احکام سنیئے قرآن شریف میں ہے، ''وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ''یعنی اگر مقروض تنگدست ہو تو اس کو مہلت دینی چاہئے جب تک کہ وہ دے سکے، لیکن آپ کے اس قرض (کی ادائیگی) کا وہ وقت مقرر ہے جب کہ (دینے والے کے یہاں) شادی ہو خواہ کسی کے پاس ہو یا نہ ہو۔

اور ایک حکم یہ ہے کہ مقروض جس وقت ادا کرنا چاہے اس وقت ادا ہو سکتا ہے، اگر کوئی ایک مدت کا وعدہ بھی کر کے قرض لے اور اس مدت سے پہلے ادا کرے تو دائن (قرض خواہ) کو نہ لینے کا اختیار نہیں، اسی وقت لینا پڑے گا، اور آپ کے اس نیوتہ کو اگر کوئی بلاتقریب کے واپس کرنا چاہے تو نہیں لیا جاتا یہ کیسا قرض ہے؟ یہ حق تعالیٰ کے احکام میں مداخلت ہے۔[3]

---

[1] اصلاح الرسوم، ص:۱۷۔ [2] حقوق الزوجین، ص:۴۶۷۔ [3] منازعۃ الھویٰ ملحقہ حقوق الزوجین، ص:۴۶۷

مروجہ نیوتہ کی حقیقت محض قرض ہے

لوگ کہتے ہیں کہ نیوتہ سلوک ہے گویا صلہ رحمی میں داخل کرنا چاہتے ہیں یاد رکھئے کہ یہ قرض ہے کیونکہ صلہ رحمی میں شرط عوض (یعنی بدل) کی قید نہیں ہوتی، اور اس میں یہ قید ہے صراحۃً ہو یا تعاملاً دیکھ لیجئے نیوتہ جبر کے ساتھ وصول کیا جاتا ہے۔

ایک صاحب کے یہاں شادی ہوئی تو اس میں نیوتہ کم آیا، انہوں نے کاغذ نکال کر دیکھا تو بہت سے آدمی نیوتہ دینے سے رہ گئے تھے، شادی ختم ہوگئی مگر انہوں نے ایک تنخواہ دار نوکر کئی مہینہ تک تنخواہ دے کر نیوتہ وصول کرنے کے لیے مقرر کیا، یہ کیسا صلہ رحم تھا جو اس طرح وصول کیا جاتا ہے؟ خوب سمجھ لیجئے! کہ یہ صرف تاویل ہے، درحقیقت نیوتہ قرض ہے، اس کو کسی اور عقد میں داخل کرنے کی گنجائش نہیں، جب یہ قرض ہے تو اس پر قرض کے شرعی احکام جاری ہوں گے، ان احکام میں آپ کو کوئی اختیار نہیں کہ کوئی تغیر و تبدل کر سکیں، جیسا کہ حاکم وقت کسی معاملہ کو ایک عقد میں داخل کر کے اس کے احکام جاری کرتا ہے تو وہ جبراً تسلیم کرنے پڑتے ہیں اس میں آپ کو اختیار نہیں ہوتا کہ ان احکام میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کر دیں............... جب دنیا کے بادشاہ کا ایک معاملہ پر حکم مرتب کرنا لازم ہو جاتا ہے، جس میں ابھی یہ بھی ثابت نہیں ہوا کہ یہ عقلاً صحیح ہے یا نہیں تو خدا احکم الحاکمین کے قرار دادہ احکامِ معاملات کیوں لازم نہ ہوں گے۔؟[1]

نیوتہ اور بیہواری لین دین کے مفاسد

اس کے اندر بہت سے مفاسد ہیں چنانچہ ان میں سے ایک مفسدہ یہ ہے کہ جب لوگ کسی کے یہاں نیوتہ دیتے ہیں تو نیوتہ لینے والا اتنے لوگوں کا مقروض ہوتا ہے، اور

[1] منازعۃ الہویٰ، ص: ۴۶۷۔

حدیث میں صاف موجود ہے کہ مقروض جنت میں نہ جائے گا تاوقتیکہ اہل حق کا حق ادا نہ ہو جائے۔[1]

نیوتہ کے قرض میں میراث بھی جاری ہونا چاہئے

اور ایک فساد اس میں بہت بڑا ہے اور وہ مفسدہ تو بالکل لا علاج ہی ہے، اس کا علاج ہی نہیں سوائے اس کے کہ اس رسم کو چھوڑ دیا جائے وہ یہ کہ جب نیوتہ قرض ہوا تو قرض میں میراث جاری ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ عورت مرجاتی ہے تو اس کے وارث خاوند پر نالش کر کے مہر کا روپیہ وصول کر لیتے ہیں، تو نیوتہ میں بھی میراث جاری ہونا چاہئے اور شرعی حصہ کے موافق سب وارثوں کو پہنچنا چاہئے مگر اس کا کوئی اہتمام نہیں کرتا۔[2]

مثال سے وضاحت

(مثال کے طور پر) ایک شخص مرا اس نے دو بیٹے چھوڑے اور اس نے مثلاً پانچ روپیہ نیوتہ میں دیئے تھے تو وہ پانچ روپیہ بھی مردہ کی میراث ہیں جب وصول ہوں گے تو ان کا ورثاء پر تقسیم کرنا واجب ہوگا، اب وہ وصول کس طرح سے ہوں گے، جب ان کے یہاں کوئی شادی ہوگی تو وہ بطور نیوتہ کے دیئے جائیں گے، اب ایک بیٹے کی شادی ہوئی اور وہ پانچ روپیہ آئے تو وہ پورے پانچ روپیہ اس کے نہیں بلکہ یہ صرف ڈھائی روپیہ کا مستحق ہے، اور باقی ڈھائی روپیہ دوسرے بھائی کا حصہ ہے، لہذا وہ اس کو دینے لازم ہیں مگر وہ اس کو نہیں دیئے جاتے اس لیے دینے والے کے ذمہ سے پانچوں روپیہ ادا نہ ہوئے بلکہ صرف ڈھائی روپیہ ادا ہوئے اور دوسرے بیٹے کے ڈھائی روپیہ رہ گئے، پھر وہ مرگیا تو اب ڈھائی روپیہ کی میراث چلے گی اسی طرح آگے اولاد ہوگی اور یہی

[1] التبلیغ، ج:۱۵، ص:۹۲۔ [2] منازعۃ الہوی، ص:۴۶۷۔

سلسلہ چلے گا تو اس ڈھائی روپیہ کے ہزاروں آدمی مستحق بن گئے، قیامت میں اس شخص کی جان پر بنے گی۔ اس لیے ایک ایک پیسہ اور کوڑی کا دعویٰ ہوگا آخر اس کا علاج کیا سو چا ہے؟ یہ مفاسد ہیں اس خبیث نیوتہ میں، مگر چونکہ لوگوں کو شریعت کا علم نہیں اس لیے ان خرابیوں میں مبتلا ہوتے ہیں[1]

درحقیقت یہ میراث کے احکام کو بدلنا ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں ارشاد ہے فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ یعنی میراث کی تقسیم خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ ہے........اور آگے ارشاد ہے جو کوئی اللہ و رسول کے حکم کو مانے گا اللہ اس کو جنت میں داخل کریں گے اور جو نہ مانے گا اس کو دوزخ میں ڈالیں گے اس آیت میں احکام میراث میں تشدد پیدا ہوتا ہے، اب دیکھئے نیوتہ میں کیا ہوتا ہے.....بہت جگہ اگر نیوتہ دینے والا نیوتہ چھوڑ کر مر جاتا ہے تو وہ نیوتہ بڑے بیٹے کی شادی کے وقت ادا کیا جاتا ہے اور وہ اس کو اپنی شادی میں خرچ میں لاتا ہے حالانکہ یہ سب وارثوں کا مال ہے جو ایک کے خرچ میں آرہا ہے، اس سے کھانا کھایا جاتا ہے اور سب برادری کھاتی ہے، اس میں دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوئی اور ان کی بلا اجازت کھانے والوں نے کھایا یہ حق العبد ہوا، اور اگر ان وارثوں میں کچھ نابالغ بچے بھی ہیں تو ان کا حصہ بھی کھایا، اس حق العبد ہونے کے ساتھ اتنا اور اضافہ ہے کہ یتیموں کا مال ظلماً کھایا، جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے ''اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا وَّسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا'' یعنی جو لوگ یتیموں کا مال بلا کسی حق کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔ کیا کوئی مسلمان ان وعیدوں کے سننے کے بعد اس کے جاری رکھنے کی جرأت کرے گا؟ دنیا تو درکنار یہ ایسی وعیدیں ہیں کہ ان کے خوف سے اپنا آتا ہوا بھی وصول کرنا بھول جائے، یہ ہیں آپ کے نیوتہ کے مختصر نتائج جن میں ساری برادری والے گرفتار ہیں[2]

[1] التبلیغ، ج:۱۵، ص:۹۳ [2] منازعۃ الہوی، ص:۴۴۹۔

رسمی لین دین نہ کرنے سے تعلقات کی خرابی کا شبہ

ایک صاحب نے رسمی لینے دینے کی بابت عرض کیا کہ اگر یہ بند کر دیا جائے تو مغایرت (دوری) پیدا ہو جائے (اور تعلقات خراب ہو جائیں) فرمایا کہ جو رسمی لین دین ہوتا ہے اس کے آثار ونتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت نہیں بڑھاتا بلکہ محبت کم کرتا ہے جو لوگ دیتے ہیں اکثر دباؤ (اور شرما حضوری میں رواج کی وجہ) سے دیتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ملنا جلنا کم ہو جاتا ہے کیونکہ جب تک پاس نہ ہو ملنے کیا جائیں (اسی موقع پر) دینا ضروری سمجھتے ہیں، اس لیے اس کو موقوف کرنا چاہئے [1]

لین دین کا صحیح اور مناسب طریقہ

اور اگر کسی عزیز کے ساتھ احسان وسلوک کرنا ہو، کچھ دینا ہو تو اگر رسم کی صورت سے نہ ہو تو مضائقہ نہیں، اور تقریبات (شادی) کے موقع پر نہ دے، وقت ٹال کر دے، جب کہ توقع بھی نہ رہے بلا توقع کے اگر دو روپیہ بھی ملتے ہیں تو بہت خوشی ہوتی ہے، اور محبت بڑھتی ہے صمیمِ قلب (دل کی گہرائی) سے مسرت ہوتی ہے، طبیعت اندر سے کھل جاتی ہے، اور اگر رسم کے طور پر دیا تو صرف انتظار کی تکلیف ختم ہو گئی، گویا عذاب سے نجات ہوئی دوزخ سے نجات ہوئی لیکن جنت نہیں ملی، (یعنی بدنامی اور ملامت کا ڈر نہ رہا لیکن خوشی نہ ہوئی) [2]

شادی کے موقع پر شادی خرچ دینے کا حکم

شادی وغیرہ کے موقع پر جو دولہا کی طرف سے (یا دلہن والوں کی طرف سے) خرچ دیا جاتا ہے اس کے متعلق ایک بڑے عالم نے اعتراض کیا کہ اگر طیب خاطر (دلی رضامندی) سے دیا جائے تو جائز ہے اس میں کیا خرابی ہے جو لوگوں کو عام طور پر منع کیا جاتا ہے؟

---

[1] ملفوظات اشرفیہ، ص: ۲۰۹، ۲۱۰، حسن العزیز، ۳۱۸/۱ [2] التبلیغ، ج: ۱۵، ص: ۹۱

جواب میں ارشاد فرمایا کہ اسی میں تو کلام ہے کہ طیب خاطر ہوتا ہے یا نہیں؟ بدنامی کے خیال سے دباؤ میں آکر دیتے ہیں، اندر سے جی پر بار ہوتا ہے پھر طیب خاطر کہاں رہا۔[1]

رخصتی کے موقع پر رسمی طور سے شادی خرچ دینے کا حکم

ایک کوتاہی بعض علاقوں میں یہ ہے کہ شوہر (لڑکے والوں سے یا لڑکی والوں سے جیسا بھی رواج ہو) نکاح یا رخصتی کے قبل کچھ روپیہ اس غرض سے لے لیتے ہیں کہ شادی کے مصارف (اخراجات) میں خرچ کریں گے یہ رشوت اور حرام ہے۔[2]

رسم ورواج کے مطابق دیئے ہوئے سامان کا شرعی حکم

شرما حضوری یا دباؤ و بدنامی کے خوف سے دیا ہوا مال حلال نہیں

بیہقی ودارقطنی کی حدیث ہے ''قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَایَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْہُ''۔ (بیہقی)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خبردار ہو جاؤ! ظلم نہ کرو! خبردار! کسی انسان کا مال اس کی دلی مرضی کے بغیر حلال نہیں، بعض لوگوں سے اس میں یہ غلطی ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ ہماری کیا وجاہت اور دباؤ ہے جو شخص دے گا خوشی سے دے گا حالانکہ مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے، اس کا حال دینے والے سے معلوم ہو سکتا ہے ،کوئی تیسرا آدمی جو اس سے بے تکلف ہو اس سے قسم دے کر پوچھے کہ تو نے خوشی سے دیا ہے یا ناخوشی سے؟ بہت آسانی سے اس کا فیصلہ ہو جائے گا اور اسی سے حکم معلوم ہو جائے گا ان رقوم (نقدی رقم یا دیئے ہوئے سامان) کا جو لڑکی والے شادی کے موقع

[1] دعوات عبدیت، ج:۱۹،ص:۱۲۹۔ [2] اصلاح الرسوم، ج:۲،ص:۱۳۸۔

پرلڑکے والے سے (یا لڑکے والے لڑکی والے سے) فرمائش کر کے لیتے ہیں، وہ لوگ خواہ رسم کی پابندی سے یا مجمع کے شرم سے یا محرک (مانگنے والے) کے لحاظ سے دیتے ہیں، بعض لوگ بلا تحریک (بے مانگے از خود) دیتے ہیں، لیکن دینے کی بناء وہی رسم ہے کہ جانتے ہیں کہ نہ دینے سے یا تو مانگا جائے گا یا بدنام کیا جائے گا، سو اس قسم کی رقمیں (اور سامان) شرعاً حلال نہیں ہوئیں اور اس طرح سے مانگنا اور لینا درست نہیں ہوتا اور یہ رقوم (اور سامان) سب واجب الرد ہیں (یعنی ان کا واپس کرنا ضروری ہے) [1]

شادی کے موقعہ پر اگر کسی نے لڑکی کے عوض روپیہ لیا تو یہ حرام ہے کیونکہ شریعت نے بیٹی کی کوئی قیمت نہیں رکھی۔[2]

[1] حقوق العلم، ص:۸۔ [2] التبلیغ، ج:۱۵، ص:۵۷۔

باب (۱۴)

بارات اور شادی کا بیان

بارات ہندوؤں کی ایجاد اور ان کی رسم ہے

اصل میں یہ بارات وغیرہ ہندوؤں کی ایجاد ہے کہ پہلے زمانہ میں امن نہ تھا اکثر راہزنوں اور قزاقوں (ڈاکوؤں) سے دوچار ہونا پڑتا تھا اس لیے دولہا، دلہن اور اسبابِ زیور وغیرہ کی حفاظت کے لیے ایک جماعت کی ضرورت تھی اور حفاظت کی مصلحت سے بارات لے جانے کی رسم ایجاد ہوئی، اور اسی وجہ سے فی گھر ایک آدمی لیا جاتا تھا کہ اگر اتفاق سے کوئی بات پیش آئے تو ایک گھر میں ایک ہی بیوہ ہو اور اب امن کا زمانہ ہے اب اس جماعت کی کیا ضرورت ہے اب حفاظت وغیرہ تو کچھ مقصود نہیں صرف رسم کا پورا کرنا اور نام آوری مدنظر ہوتی ہے۔[۱]

بارات کی قطعاً ضرورت نہیں

صاحبو! ان رسموں نے مسلمانوں کو تباہ کر ڈالا ہے اسی لئے میں نے منگنی کا نام قیامت صغریٰ اور شادی (بارات) کا نام قیامت کبریٰ رکھا ہے۔

اب تو بارات بھی شادی کا رکن اعظم سمجھا جاتا ہے (اور اس کے بغیر شادی ہی نہیں ہوتی) اس کے لیے کبھی دولہا والے اور کبھی دولہن والے بڑے بڑے اصرار اور تکرار کرتے ہیں اور اس سے غرض ناموری (شہرت) اور تفاخر ہے، حضور صلی اللہ علیہ

[۱] عضل الجاہلیہ، ص: ۳۶۷، اصلاح الرسوم، ص: ۶۲۔

وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ کیا اور رشتہ (طے کرنے) کے وقت تو حضرت علیؓ موجود تھے لیکن نکاح کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی موجود نہ تھے، بلکہ معلق نکاح ہوا تھا کہ ''اِنْ رَضِیَ عَلِیٌّ''یعنی اگر علی رضامندی ظاہر کریں، چنانچہ جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں کہا: ''رَضِیْتُ''اب نکاح تام ہوا۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ اس قصہ کو سن کر دولہا بھاگ جایا کرے، شاید بعض لوگ ایسی سمجھ کے بھی ہوں مطلب یہ ہے کہ بارات وغیرہ کے تکلف کی ضرورت نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود نوشہ کے ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی، پھر بارات کا ہونا کیوں ضروری سمجھا جائے؟[1]

بارات کے چند مفاسد

بارات نااتفاقی اور ذلت کا سبب ہے

اس بارات کے لیے کبھی دولہا والے کبھی دلہن والے بڑے بڑے اصرار و تکرار کرتے ہیں اور اس سے مقصود صرف ناموری اور تفاخر ہے، اکثر اس میں ایسا بھی کرتے ہیں کہ بلائے پچاس اور جا پہنچے سو (۱۰۰)، سو اول تو بلا بلائے اس طرح کسی کے گھر جانا حرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دعوت میں بلا بلائے جائے وہ گیا تو چور ہو کر اور نکلا لٹیرا ہو کر یعنی ایسا گناہ ہوتا ہے جیسے چوری اور لوٹ مار کر (کھانے پینے کا ہوتا) ہے۔

پھر دوسرے شخص کی اس میں بے آبروئی بھی ہو جاتی ہے، کسی کو رسوا کرنا یہ دوسرا گناہ ہوا۔

پھر ان امور کی وجہ سے اکثر جانبین میں ایسی ضدا ضدی اور بے لطفی (و کدورت

---

[1] عضل الجاہلیہ، ص: ۳۶۶، اصلاح الرسوم، ص: ۶۲۔

بلکہ بسا اوقات رنجش) ہوتی ہے کہ عمر بھر قلوب میں اس کا اثر باقی رہتا ہے، چونکہ نا اتفاقی حرام ہے اس لیے اس کے اسباب بھی حرام ہوں گے اس لیے یہ فضول رسم ہرگز ہرگز جائز نہیں [1]

اب تو ان رسموں کی بدولت بجائے محبت والفت کے جو کہ میل ملاپ سے اصلی مقصود ہے اکثر رنج وتکرار اور شکایت کی نوبت آجاتی ہے پرانے کینوں کا تازہ کرنا اور صاحب تقریب کی عیب جوئی اور تذلیل کے درپے ہونا۔ اور اس طرح کی دوسری خرابیاں دیکھی جاتی ہیں اور چونکہ ایسا لینا دینا، کھانا کھلانا عرفاً لازم ہو گیا ہے اس لیے کچھ فرحت ومسرت بھی نہیں ہوتی، نہ دینے والے کو کہ وہ ایک بے گارسی اتارتا ہے نہ لینے والے کو کہ وہ اپنا حق ضروری یا معاوضہ سمجھتا ہے، پھر لطف (ومحبت) کہاں اس لیے ان تمام خرافات کا حذف کرنا واجب ہے [2]

میں بارات کی رسم کو کیوں منع کرتا ہوں؟

یہ خرابیاں ہیں بارات میں جن کی وجہ سے بارات کو منع کیا جاتا ہے اور میں جو پہلے باراتوں میں جایا کرتا تھا اس وقت تک میری سمجھ میں خرابیاں نہ آئی تھیں، اب میں ان رسموں کو بالکل حرام سمجھتا ہوں اور اگر تمہارے سمجھ میں نہ آئے تو اصلاح الرسوم (دوسرے باب کی چھٹویں فصل اور امداد الفتاویٰ جلد پنجم ص ۲۷۹) دیکھ لو، اس میں میں نے تفصیلی دلائل لکھ دیئے ہیں خدا نے میرے قلم سے بعض باتوں کی خرابیاں ظاہر کروادیں جو دوسروں نے ظاہر نہیں کیں اسی لیے لوگ مجھے سخت مشہور کرنے لگے (ان خرابیوں کی تفصیل آگے آرہی ہے) [3]

---

[1] اصلاح الرسوم، ص:۶۳۔ [2] ایضاً، ص:۸۸۔ [3] عضل الجاہلیہ حقوق الزوجین، ص:۳۶۸۔

بیاہ شادی، بارات میں اگر آمد ورفت نہ ہوتو میل جول کی کیا صورت ہو؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر یہ رسوم (بارات) وغیرہ موقوف ہو جائیں تو پھر میل ملاپ کی کوئی صورت ہی نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو میل ملاپ کی مصلحت سے معاصی (گناہوں) کا ارتکاب کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا، پھر یہ کہ میل ملاپ اس پر موقوف بھی نہیں، بلا رسوم کی پابندی (اور بارات) کے اگر ایک دوسرے کے گھر جائیں یا اس کو بلائیں اس کو کھلائیں پلائیں کچھ امداد وسلوک کریں جیسے یار دوستوں میں راہ رسم جاری ہیں تو یہ ممکن ہے (اور اس سے ہمدردی ومحبت باقی رہے گی)۔[۱]

بارات وغیرہ تمام رسموں کے ناجائز ہونے کی شرعی دلیل

میرے نزدیک جو مجموعی ہیئت اس وقت تقریبات کی ہورہی ہے اس کے ہر جزء کی قریب قریب اصلاح ضروری ہے ....تمام رسوم میں بجز اتلاف مال (مال کو برباد کرنے) وارتکاب معاصی کے مثلاً ریا، تفاخر، اسراف، اور دوسروں کے لیے موجب تکلیف ہو جانا، اور مقتداء معاصی بن جانا، (ان رسموں میں) کوئی دنیا کا بھی معتد بہ (لائق اعتبار) نفع نہیں، اس لیے میرے نزدیک ان کی قباحت بڑھی ہوئی ہے، میرے خیالات کا خلاصہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ ہیئت متعارفہ (مروجہ طریقہ) کے تمام اجزاء بدلنے کی ضرورت ہے گو اکثر اجزاء اگر فرادیٰ (علیحدہ) نظر سے دیکھے جائیں تو مباح نکلیں گے۔

مگر یہ قاعدہ شرعی بھی ہے اور عقلی بھی کہ جو مباح معصیت کا ذریعہ اور معینِ جرم بن جائے وہ بھی معصیت اور جرم ہو جاتا ہے، ان تقریبات کی بدولت کیا مسلمان

---

[۱] اصلاح الرسوم، ص: ۸۷۔

مقروض نہیں بن جاتے ؟ کیا مہاجنوں کو سود نہیں دیتے ؟ کیا ان کی جائداد و مکان نیلام نہیں ہو جاتے ؟ کیا اہل تقریب کی نیت میں اظہارِ تفاخر و نمائش نہیں ہوتا؟ اگر عام مجمع میں اظہار نہ ہو تو کیا خاص مجمع کے خیال سے (کہ گھر پہنچ کر سب زیور و اسباب دیکھا جائے گا، اس کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا) سامان نہیں کیا جاتا؟ پھر ان رسموں میں تسلسل و ترتب کچھ اس قسم کا ہے کہ ایک کو کر کے پھر سب ہی کو آہستہ آہستہ کرنا پڑتا ہے، کیا ان قیود و پابندیوں کو قیود شرعیہ سے زیادہ ضروری عملاً نہیں سمجھا جاتا؟ نماز با جماعت فوت ہونے سے کیا کبھی ایسی شرمندگی ہوئی ہے جیسی جہیز میں چوکی پلنگ کے نہ دینے سے ہوتی ہے؟ گو اسکی ضرورت نہ ہو، جہیز میں ضروری سامان کا لحاظ کرنے میں شرعاً و عقلاً مضائقہ نہ تھا مگر بہت یقینی امر ہے کہ ضروریات کی فہرست ہر جگہ جدا بنے گی، لیکن جہیز کی ایک ہی فہرست ہر جگہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رواج کی پابندی اس کی علت ہے ضرورت پر اس کی بنیاد نہیں تو اس درجہ کی پابندی نہ عقلاً جائز نہ شرعاً درست، پس جب ان میں اس قدر مفاسد ہیں تو عقل یا نقل (یعنی شریعت) کب اس کی اجازت دے سکتی ہے؟[1]

صاحب حیثیت مالدار کے لیے بھی بارات وغیرہ کی رسمیں درست نہیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب جس کو گنجائش ہو وہ کرے جس کو نہ ہو وہ نہ کرے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو گنجائش والوں کو بھی گناہ کرنا جائز نہیں، جب ان رسوم کا معصیت ہونا ثابت ہو گیا پھر گنجائش سے اجازت کب ہو سکتی ہے؟

دوسرے یہ کہ جب گنجائش والے کریں گے تو ان کی برادری کے

[1] امداد الفتاویٰ، ج:۵، ص:۳۷۹۔

غریب آدمی بھی اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے ضرور کریں گے، اس لیے ضروری امر اور مقتضا یہی ہے کہ سب ہی ترک کر دیں۔[1]

اگر یہ کہا جائے کہ کسی کو اگر گنجائش ہو تو دنیوی مذکورہ مضرتوں سے بھی محفوظ رہے اور نیت کی درستی اختیاری امر ہے، ہم نہ ان امور کو ضروری سمجھتے ہیں نہ تفاخر اور نمائش کا ہم کو خیال ہے پس ایسے شخص کے لیے تو یہ سب امور جائز ہونے چاہئے۔

سو اول تو ذرا اس کا تسلیم کرنا مشکل ہے، تجربہ اس کو تسلیم نہ کرنے دے گا کیسا ہی گنجائش والا ہو کچھ نہ کچھ گرانی اس پر ضرور ہوگی اور نیت میں بھی فساد ضرور ہوتا ہے لیکن اگر اس میں منازعت ومزاحمت نہ کی جائے تو سو میں ایک دو شخص ایسے مشکل سے نکل سکتے ہیں۔

جب یہ حالت ہے تو یہ قاعدہ سننے کے قابل ہے کہ کسی شخص کے مباح فعل سے جو حد ضرورت سے ادھر نہ ہو، (یعنی واجب نہ ہو) دوسرے شخص کو ضرر پہنچنے کا غالب گمان یا یقین ہو تو وہ فعل اس کے حق میں بھی مباح نہیں رہتا، تو اس قاعدہ سے یہ اعمال و افعال اس محفوظ شخص کے حق میں بھی اس وجہ سے کہ دوسرے لوگ تقلید کر کے خراب ہو ں گے ناجائز ہو جائیں گے۔

قومی ہمدردی کا تقاضہ

اس شرعی قاعدہ کا حاصل وہ ہے جس کو عقلی قانون میں قومی ہمدردی کہتے ہیں یعنی ہمدردی کا مقتضا یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دوسروں کو نفع پہونچائے، اگر یہ بھی نہ ہو تو دوسروں کو نقصان تو نہ پہنچائے۔

کیا کوئی باپ جس کے بچہ کو حلوا نقصان کرتا ہے اس کے سامنے بیٹھ کر حلوا کھانا محض مزے کے لیے پسند کرے گا؟ کیا اس کو خیال نہ ہوگا کہ میری حرص سے شاید بچہ

[1] اصلاح الرسوم، ص: ۸۷۔

بھی کھائے اور بیماری بڑھ جائے؟ کیا ہر مسلمان کی ہمدردی اسی طرح ضروری نہیں؟ اس سے عقلاً ونقلاً سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ کسی کے لیے بھی ان رسوم کی اجازت نہیں [۱]

چونکہ ان خرابیوں کی برائی بدیہی ہے اس لیے زیادہ دلائل قائم کرنے کی حاجت نہیں، پس مسلمانوں کو فرض وواجب اور ایمان وعقل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان خرابیوں کی برائی جب عقلاً ونقلاً ثابت ہوگئی تو ہمت کر کے سب کو خیر باد کہے اور نام وبدنامی پر نظر نہ کرے، بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عزت ونیک نامی ہوتی ہے [۲]

بارات مجموعۂ معصیت ہے

جو رسوم شریعت کے خلاف اکثر شادیوں میں ہوا کرتے ہیں ان ہی سے وہ مجمع معصیت کا مجمع ہو جاتا ہے وہاں نہ بیٹھے، اور رسوم تو الگ ہیں۔ آج کل خود بارات ہی مجمع معصیت ہے، اگر کوئی خرابی نہ ہو تو یہ خرابی تو ضرور ہی باراتوں میں ہوتی ہے کہ (عموماً) باراتی مقدار دعوت سے زائد جاتے ہیں جس کی وجہ سے بے چارے میزبان کو سخت دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہیں قرض لیتا ہے کہیں اور کچھ فکر کرتا ہے، غرض بہت خرابی ہوتی ہے [۳]

شادی میں لڑکی والوں کے یہاں مجمع

فرمایا کہ بھائی منشی اکبر علی صاحب کی ایک لڑکی کی شادی میں میں اس لیے شریک نہیں ہوا تھا کہ ان کے گھر والوں نے مجمع کا اہتمام کیا تھا، انہوں نے پھر مجھ سے کہا کہ ہم مجمع نہ کریں گے میں نے کہا: اس میں تمہاری اہانت ہوگی اور ان کی دل شکنی ہو گی، کیونکہ پہلے ان کو مہمان بنالیا گیا ہے انہوں نے غایت خوش فہمی سے میری عدم

[۱] امداد الفتاویٰ، ج:۵، ص:۲۷۹۔ [۲] اصلاح الرسوم، ص:۸۷۔ [۳] حقوق وفرائض، ص:۴۹۹۔

شرکت منظور کرلی اور کہا کہ تم صاحبِ منصب ہو تمہارے متعلق دین کا کام ہے میں دین میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا۔[1]

آج کل حتی الامکان بیاہ شادی میں شرکت سے بچنا ہی بہتر ہے

تقریبات (شادیوں) میں اگر اور کوئی رسم نہ بھی ہو تب بھی یہ تو ضرور ہے کہ جس کا کھاؤ گے اس کو کھلانا بھی پڑے گا، اور یہی جڑ ہے تمام رسموں کی اس لیے اس کا ٹال دینا بہتر ہے جہاں تک ہو سکے ٹال ہی دو، مگر دل شکنی کسی کی مناسب نہیں، لطافت سے کوئی حیلہ کر دینا چاہئے۔

اور کسی عزیز کے ساتھ احسان کرنا ہو اور رسم کی صورت سے نہ ہو تو اس کا مضائقہ نہیں لیکن اس کے لیے خود جانے کی کیا ضرورت ہے یہاں سے بھی تو بھیج سکتے ہو (بعد میں بھی دے سکتے ہو)۔[2]

شرعی دلیل

ایک حدیث میں شرکت کرنے والوں کے لیے بھی صاف ممانعت وارد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دو شخصوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے جو باہم فخر کے لیے کھانا کھلاتے ہوں، اور ظاہر ہے کہ ممانعت کی علت فخر اور ریا کے سواء کچھ نہیں۔

تو ایسی تقریبات (شادیوں) کی شرکت اس سے صراحۃً ممنوع ہوگئی جن میں دعوت وغیرہ سے فخر وریا کا قصد ہو۔[3]

---

[1] حسن العزیز، ص:۳۴۳۔ [2] ملفوظات اشرفیہ، ص:۳۱۔
[3] اسباب الغفلہ ملحقہ دین ودنیا، ص:۴۸۴)

مقتدا اور علماء دین کو چاہیے
کہ رسوم ورواج والی شادی میں شرکت نہ کریں

فرمایا: میری علاّتی (باپ شریکی) ہمشیرہ کی جو شادی ہوئی تھی اس میں سب مروجہ رسوم ہوئی تھیں اس کا قصہ یہ ہے کہ اس کی والدہ کو عورتوں نے بہکایا اور یہ کہا کہ تمہاری ایک ہی تو بچی ہے دل کھول کر شادی کرنی چاہیے، اگر یہ اندیشہ ہے کہ وہ یعنی میں شادی میں شرکت نہ کروں گا تو نکاح میں تو شرکت ہو ہی جائے گی، اور جن رسموں کو برا کہیں گے اس میں شرکت نہ کریں گے، نکاح تو سنت ہے اس میں تو ضرور ہی شریک ہوں گے، والدہ بے چاری بہکائے میں آگئیں برات آنے کا دن جمعہ کا دن تھا.......... میں نے جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھی اور باہر ہی باہر بہلی (گاڑی) میں بیٹھ کر بھینسانی پہونچ گیا یہاں پر کسی سے ذکر نہیں کیا حتی کہ گھر والوں تک کو بھی خبر نہ کی، جب مغرب کا بعد ہوا تب نکاح پڑھانے کے لیے تلاش ہوئی میں نہ ملا صبح کو وہیں پر رہا صبح دیر کر کے چلا، اس خیال سے کہ ایک براتی ....کی بھی صورت نہ دیکھوں۔

پھر تو میری شرکت نہ کرنے کی وجہ سے سارے خاندان نے توبہ کی اور کہا: بڑی واہیات (حرکت) ہوئی، اب کبھی ایسا نہ کریں گے جب سے اللہ کا فضل ہے کہ خاندان میں کبھی کوئی رسم نہیں ہوئی۔[1]

---

[1] الافاضات الیومیہ، ج:۲،ص:۳۶۲۔

باب (۱۵)

بارات وغیرہ رسموں کا حکم اصولی حیثیت سے

قاعدہ (۱):

جس کام کے لیے لوگوں کو بلانا سنت سے ثابت نہ ہو اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنا خلاف سنت ہے۔

مسند احمد میں حسن سے روایت ہے کہ حضرت عثمان ابن ابی العاص کو کسی نے ختنہ میں بلایا، آپ نے تشریف لے جانے سے انکار فرمادیا، آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی آپ نے جواب دیا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ختنہ میں نہیں جاتے تھے، اور نہ اس کے لیے بلائے جاتے تھے۔[۱]

اس سے معلوم ہوا کہ جس کام کے لیے لوگوں کو بلانا سنت سے ثابت نہیں (مثلاً شادی کی بارات وغیرہ) اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنا خلاف سنت ہے اس کے لیے بلانے کو صحابی نے ناپسند فرمایا اور جانے سے انکار کیا۔

اس میں بہت سی رسمیں آ گئیں جن کے لیے لمبے چوڑے اہتمام ہوتے ہیں (مثلاً) رخصتی کے لیے لمبی چوڑی بارات جانا پھر چوتھی والوں کی بارات کا جانا، یعنی بعض علاقوں میں شادی کی تاریخ مقرر کرنے یا بات پختہ کرنے کے لیے اہتمام سے ساری برادری کے لوگوں کو جمع کرنا اور اس کام کے لیے بھی ضرورت سے زائد کافی آدمیوں کا آنا اور راز اس کا یہ ہے کہ (جن موقعوں میں بلانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[۱] مسند احمد۔

ثابت نہیں اس میں) بلانا اہتمام کی دلیل ہے، تو شریعت نے جس امر کا اہتمام نہیں کیا اس کا اہتمام کرنا دین میں ایجاد کرنا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو جب مسجد میں چاشت کی نماز کے لیے مجتمع دیکھا تو براہ انکار اس کو بدعت فرمایا اور اسی بناء پر فقہاء نے نفل جماعت کو مکروہ کہا ہے۔[1]

بیاہ شادی عہد صحابہ میں

صحابہ کے وقت میں بیاہ شادی ایسی سمجھی جاتی تھی جیسے اور (ضرورت زندگی) کھانے پینے کی باتیں ہیں، دیکھئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کو خبر نہ ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے پر زرد داغ (رنگ) دیکھ کر پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ اِنِّیْ تَزَوَّجْتُ الخ (یعنی میں نے شادی کر لی ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ (اس وقت بیاہ شادی کی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کو خبر نہیں کرتے تھے۔[2]

بیاہ شادی کی بعض رسمیں اگر پہلے جائز تھیں تو اب ناجائز کیوں ہوگئیں

یہ ممکن ہے کہ کسی عمل کو ایک زمانہ میں جائز کیا جائے کیونکہ اس وقت اس میں کراہت وممانعت کے وجوہ نہیں تھے، اور دوسرے زمانہ میں ناجائز کہہ دیا جائے اس لیے کہ اس وقت کراہت وممانعت کی علت پیدا ہوگئی یا ایک مقام پر اجازت دی جائے اور دوسرے ملک میں منع کر دیا جائے۔

---

[1] اصلاح الرسوم ص: ۱۱۰ و ۴۶۔ [2] مقالات حکمۃ مطبوعہ پاکستان، ص: ۱۶۵۔

یا اسی فرق کی وجہ سے ایک مفتی جائز کہے (کیونکہ) اس کو اطلاع نہیں کہ عوام نے اس میں اعتقادی یا عملی کیا کیا خرابی پیدا کر دی ہیں، اور دوسرا مفتی اس کو ناجائز کہے کیونکہ اس کو اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے عوام کے مبتلا ہونے کا علم ہو گیا ہے تو حقیقت میں یہ اختلاف ظاہری ہے حقیقی نہیں، اور (دونوں کے حکم وفتوے میں) صورۃً تعارض ہے معنیً نہیں، حدیث وفقہ میں اس کے بے شمار نظائر ہیں۔

دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجدوں میں آ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی (کیونکہ) اس وقت فتنہ کا احتمال نہ تھا اور صحابہ نے بدلی ہوئی حالت دیکھ کر ممانعت فرمادی[1]

قاعدہ (۲):

جس جائز کام سے عوام کے فساد میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو وہ بھی ناجائز ہو جاتا ہے

ممکن ہے کہ ایک فعل فی نفسہ مباح (جائز) ہو مگر دوسری حیثیت سے اس میں قباحت آ جائے اور دوسری حیثیت ہے افضاء الی المعصیت یعنی گناہ کا ذریعہ بن جانا[2]

قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس مباح سے عوام کے فساد میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو اس مباح کا ترک واجب ہوتا ہے[3]

مباح تو مباح اگر کسی مستحب میں بھی یہ احتمال ہو کہ عوام کہیں اس کو مستحب کے درجہ سے بڑھا کر مؤکد یا واجب نہ سمجھنے لگیں (خواہ اعتقاد میں خواہ عمل میں) تو اس مستحب کو بھی مکروہ قرار دیا جائے گا[4]

---

[1] اصلاح الرسوم، ص:۱۱۶۔ [2] التبلیغ، ص:۲۳، تقلیل الاختلاط۔
[3] انفاس عیسیٰ، ص:۳۱۷۔ [4] الافاضات الیومیہ، ۸۰/۱۰۔

فقہاء اور صوفیاء نے اس قاعدہ کا بہت لحاظ کیا ہے کہ جو مباح یا مستحب مفضی الی المعصیت ہوجائے (یعنی گناہ کا ذریعہ بن جائے) وہ بھی ممنوع ہے[1]

اسی لیے حدیث شریف میں عشاء کے بعد باتیں کرنے کی ممانعت آئی ہے شراح حدیث نے اس کی وجہ یہی لکھی ہے کہ اس سے صبح یا تہجد کی نماز میں خلل پڑے گا[2]

بعض لوگ فقہاء پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے بعض مباحات (جائز کاموں) کو بھی حرام کردیا ہے، مگر وہ اس راز سے بے خبر ہیں، حقیقت میں فقہاء نے مباح کو حرام نہیں کیا بلکہ مقدمۂ حرام (یعنی حرام کے ذریعہ اور سبب) کو حرام کہا ہے اور عقلاً بھی یہ قاعدہ مسلم ہے کہ واجب کا ذریعہ واجب اور حرام کا ذریعہ حرام ہوتا ہے، تو وہ مباح جس سے فقہاء منع کرتے ہیں حرام کا مقدمہ (اور سبب) ہونے کی حیثیت سے مباح کا فرد ہی نہیں رہا بلکہ اس حیثیت کے لحاظ سے وہ حرام کا فرد بن گیا[3]

قاعدہ (۳):

جائز بلکہ مستحب کام بھی مفاسد کی وجہ سے ناجائز ہوجاتا ہے

مباح یعنی جائز کام بلکہ مستحب بھی کبھی غیر مشروع (ناجائز امر) کے مل جانے سے ممنوع اور ناجائز ہوجاتا ہے، جیسے دعوت میں جانا مستحب بلکہ سنت ہے لیکن وہاں اگر کوئی امر خلاف شرع ہو، اس وقت جانا ممنوع ہوجائے گا۔ جیسے احادیث میں آیا ہے، اور ہدایہ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

اسی طرح نفل پڑھنا مستحب ہے مگر مکروہ اوقات میں ممنوع اور گناہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جائز کام بھی ناجائز امور کے مل جانے کی وجہ سے ناجائز ہوجاتا ہے۔

---

۱ التبلیغ تقلیل الاختلاط، ص:۲۳۔ ۲ اصلاح الرسوم، ص:۱۱۱۔ ۳ وعظ تقلیل الاختلاط، ص:۲۳۔
۴ اصلاح الرسوم، ص:۱۱۴۔

البتہ وہ فعل خود اگر شرعاً ضروری ہے تو اس فعل کو ترک نہ کریں گے بلکہ اس میں جو مفاسد پیدا ہو گئے ہیں ان کی اصلاح کر دی جائے گی، مثلاً جنازہ کے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی عورت ہو تو اس کی وجہ سے جنازہ کے ساتھ جانا ترک نہ کریں گے بلکہ خود اس نوحہ (چیخنے چلانے) والی عورت کو منع کریں گے کیونکہ جنازہ کے ساتھ جانا ایک ضروری امر ہے اس عارضی کراہت کی وجہ سے اس کو ترک نہ کیا جائے گا۔

بخلاف دعوت قبول کرنے کے کہ وہاں مکروہ امر کے اقتران (شامل ہو جانے) کی وجہ سے خود دعوت ترک کرنا ضروری ہے، کیونکہ وہ امر ضروری نہیں، علامہ شامی نے ان مسئلوں میں بھی فرق کیا ہے۔[1]

قاعدہ (۴):

غیر ضروری کام کو بھی اگر ضروری کی طرح پابندی سے کیا جائے تو وہ بھی منع ہو جاتا ہے

کسی غیر ضروری امر کو (جو شرعاً واجب اور ضروری نہ ہو) اپنے عقیدہ میں ضروری اور مؤکد سمجھنا، یا عمل میں اس کی پابندی اصرار کے ساتھ اس طرح کرنا جس طرح فرائض یا واجبات کی کی جاتی ہے اس کے نہ کرنے کو برا جاننا اور نہ کرنے والے کو قابل ملامت وشناعت جاننا یہ دونوں امر ممنوع ہیں، کیونکہ اس میں شرعی حکم کو توڑنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرے گا پس ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم میں ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے وہ اس طرح کہ نماز کے بعد داہنے طرف پھرنے کو ضروری

[1] اصلاح الرسوم، ص: ۱۱۵، وتقویم الزیغ، ص: ۲۹۔

سمجھنے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بسا اوقات بائیں جانب بھی پھرتے دیکھا ہے، اس روایت کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

طیبی شارح مشکوۃ نے کہا کہ اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب پر اصرار کرے اور اس کو عزیمت اور ضروری قرار دے اور کبھی رخصت پر یعنی اس کی دوسری مقابل پر عمل نہ کرے تو ایسے شخص سے شیطان اپنا حصہ گمراہ کرنے کا حاصل کر لیتا ہے۔

صاحب مجمع نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بات نکلی کہ امر مندوب بھی مکروہ ہو جاتا ہے اگر یہ اندیشہ ہو کہ یہ اپنے رتبہ سے بڑھ جائے گا اسی بناء پر فقہاء حنفیہ نے نمازوں میں سورت مقرر کرنے کو مکروہ فرمایا ہے خواہ عقیدہ میں پابندی ہو یا عمل میں، فتح القدیر میں اس کی تصریح ہے۔[1]

التزام مالا یلتزم (کا مفہوم اور اس) کی آسان تعبیر یہ ہے کہ غیر ضروری کو ضروری سمجھنا، التزام خواہ اعتقادی ہو یا عملی دونوں ممنوع ہیں، التزام اعتقادی یہ کہ عقیدہ میں اس کو ضروری سمجھے اور التزام عملی یہ ہے کہ اس کے ترک پر (یعنی جو ایسا نہ کرے اس پر) ملامت کریں۔

التزام سے وہی التزام مراد ہے جس کے ترک کو عیب اور موجب ملامت اور لعن وطعن سمجھا جائے، اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے تارک پر ملامت کرتا ہے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں اگر اس کو اعتقاداً دین سمجھتا ہے تو وہ اقبح (یعنی بہت ہی برا) ہے اور اگر اعتقاداً دین نہیں سمجھا جاتا مگر پابندی ایسی کی جاتی ہے جیسے ضروریات دین کی تو یہ بھی قبیح (برا) ہے مگر پہلی قسم کے برابر نہیں۔[2]

---

[1] اصلاح الرسوم، ص: ۱۱۴۔ [2] امداد الفتاویٰ ملتقطاً، ۲۸۵/۵، ۳۰۸، ۳۳۰-۴/۳۳۰، ۴۷۰۔

قاعدہ (۵):

دوسرے مسلمانوں کو نقصان سے بچانے کے لیے بعض جائز اور پسندیدہ کام بھی ممنوع ہو جاتے ہیں

شرعی قاعدہ ہے کہ چونکہ دوسرے مسلمانوں کو ضرر (نقصان) سے بچانا فرض ہے اس لیے اگر خواص کے کسی غیر ضروری فعل سے عوام کے عقیدہ میں خرابی پیدا ہوتی ہو تو وہ فعل خواص کے حق میں بھی مکروہ و ممنوع ہو جاتا ہے، خواص کو چاہئے کہ وہ فعل ترک کر دیں۔

حدیث شریف میں قصہ آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حطیم کو بیت اللہ کے اندر داخل کرنے کا ارادہ فرمایا مگر اس خیال سے کہ جدید الاسلام (یعنی جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں ان) کے دلوں میں خلجان پیدا ہوگا، اور خود حطیم کا اندر داخل ہونا کوئی ضروری امر نہ تھا اس لیے آپ نے ارادہ کو ملتوی فرما دیا، اور صراحۃً یہی وجہ ارشاد فرمائی حالانکہ حطیم کو کعبہ کے اندر داخل فرما دینا مستحسن (پسندیدہ) تھا مگر عوام کے نقصان کے اندیشہ سے اس کو ترک فرما دیا۔

اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ کا قول ہے کہ اہل میت کو اول روز کھانا دینا سنت ہے مگر جب لوگ رسم سمجھنے لگے تو ممنوع ہو گیا، دیکھئے خواص نے بھی عوام کے دین کی حفاظت کے لیے اس کو ترک کر دیا[1]

اسی وجہ سے فقہاء نے بہت سے مواقع میں بعض مباحات (جائز کاموں) کو سداً للذرائع (یعنی عوام کی حد بندی اور ان کو نقصان سے بچانے کے لیے جائز کاموں کو بھی) تاکید سے روکا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً ہیضہ اور وبا کے زمانہ میں ضلع

[1] اصلاح الرسوم، ص: ۱۱۵۔

کے حاکم کو یہ معلوم ہو کہ امرود اور ککڑی سے مرض پیدا ہوگا (اور اس سے ہیضہ، کالرا پھیلے گا) تو وہ عام حکم دے دے گا کہ کوئی شخص امرود اور ککڑی نہ کھائے، اور نہ اسے فروخت کرے، اور اگر پولیس کسی کے پاس دیکھے گی تو فوراً تلف کر دے گی۔ اس وقت اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ میں تندرست صحیح مزاج کا ہوں مجھے اجازت دے دی جائے، یا کوئی بیچنے والا یوں کہے کہ میں تندرست اور صحیح مزاج کے ہاتھوں بیچوں گا تو کیا ان کو اجازت ہوجائے گی؟ ہرگز نہیں۔

بلکہ حکم عام رہے گا اسی طرح یہاں بھی حکم عام رہے گا، اس لیے (ان رسموں کے) منع کرنے میں ہم پر الزام عائد نہیں ہوسکتا۔ (دعوات عبدیت، ص:۱۲۴، ۱۴)

اس کی ایسی مثال ہے جیسے آپ کا بچہ بیمار ہے اور اس کو ڈاکٹر نے حلوا نقصان دہ بتایا ہے تو آپ اس کو نقصان سے بچانے کے لیے یہاں تک اہتمام کریں گے کہ آپ خود بھی حلوا نہیں کھائیں گے۔ دیکھئے گو آپ کے لیے ڈاکٹر نے حلوے کو نقصان دہ نہیں کہا لیکن پھر بھی چونکہ بچہ سے آپ کو محبت ہے اس لیے اگر آپ کا جی چاہے گا تب بھی حلوا نہ کھائیں گے، تاکہ آپ کو دیکھ کر آپ کے بچہ کا بھی کہیں جی نہ للچائے اور کھا کر نقصان میں مبتلا ہوجائے، اس کی حفاظت کے لیے آپ نے اپنی مرغوب بلکہ مفید شئ کو اپنے لیے ناجائز کرلیا۔

یہی مطلب ہے کہ ان فقہاء نے بعض مستحب افعال کو مکروہ کہہ دیا۔

اب فقہاء احناف پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے فعل کو مکروہ کہتے ہیں (اور منع کرتے ہیں) جس کی فضیلت حدیث میں آئی ہے (یا مثلاً وہ فعل جائز ہے) اعتراض کرنے والے حضرات یہی نہیں سمجھے کہ کیوں مکروہ کہتے ہیں، میں نے جو مثال دی ہے اس میں کبھی نہ اعتراض کیا کہ حلوے سے منع تو کیا تھا بچہ کو اور گھر کے ذمہ دار نے منع کر دیا گھر والوں کو بھی۔[1]

---

[1] الافاضات الیومیہ، ۱۰/۸۰۔

شادی میں ہونے والے گناہوں کی تفصیل

گناہ کی دو قسمیں ظاہری و باطنی

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ'' اورتم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں۔ظاہری گناہ اور باطنی گناہ۔ظاہری گناہ کی تفصیل یہ ہے کہ جو دوسروں کو بھی محسوس ہو، اور باطنی گناہ وہ ہے جو دوسروں کو محسوس نہ ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ جو ظاہری گناہ ہیں (مثلاً زنا، چوری، شراب وغیرہ) صرف یہی گناہ نہیں ہیں، بلکہ اور بھی گناہ ہیں جو محسوس ہیں یعنی ہاتھ پاؤں، آنکھ زبان وغیرہ ان اعضاء سے جو گناہ ہوتے ہیں چونکہ یہ اعضاء محسوس (اور دکھائی دیتے) ہیں اس لیے ان کے افعال بھی محسوس ہوتے ہیں، اور باطنی گناہ ایسے محل کے ہیں جو خود محسوس نہیں ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ (گناہ) غیر محسوس ہیں اور وہ محل کون ہے؟ قلب اور نفس، تو معلوم ہوا کہ بعض گناہ قلب (دل) اور نفس کے بھی ہیں۔

اب ذرا مہربانی کر کے ان گناہوں کے نام بتلائیے جو قلب اور نفس سے متعلق ہیں؟ آپ تو کیا بتلائیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتلاتے ہیں اور اللہ بتلاتے ہیں۔[2]

''يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ''۔ (بقرۃ)

یعنی اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتلا کر تکلیف پہنچا کر برباد نہ کرو،

---

[1] سورۂ انعام، بیان القرآن [2] نقد اللبیب فی عقد الحبیب، ملحقہ مواعظ میلاد النبیؐ ص: ۵۷۳

جس طرح وہ شخص برباد کرتا ہے جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے خرچ کرتا ہے۔[1]

اس آیت سے ریا (دکھلاوے) کا گناہ ہونا معلوم ہوا (اس کے علاوہ اور بھی حدیثیں و آیتیں ہیں)۔

کپڑوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور ہماری حالت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص شہرت کے لیے کپڑا پہنتا ہے اس کو حق تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا کپڑا پہنائیں گے۔ یعنی شہرت کی غرض سے جو کپڑا پہنا جائے تاکہ لوگ انگشت نمائی کریں کہ کیسا بڑھیا کپڑا پہنا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کپڑا اس نیت سے پہنا جائے کہ ہمارا نام ہو، ہماری شہرت ہو تو اسے قیامت میں ذلت کا لباس پہنایا جائے گا، حالانکہ ہر جوڑا بہت قیمتی بھی نہیں ہوتا۔

(اور آج کل شادی کے موقع پر جو کپڑے آتے ہیں اور دیئے دلائے جاتے ہیں ان میں) شہرت کی نیت علامتوں سے ظاہر ہوتی ہے چنانچہ بازار سے کپڑا چھانٹ کر لاتے ہیں، یہ نہیں دوسرا دکھایا، یہ نہیں، تیسرا دکھایا یہ بھی نہیں، یہ ساری چھان پھٹک صرف اس لیے ہوتی ہے کہ وہ کپڑا کم از کم ایسا تو ہو جو کہ ہمارے خاندان میں تو کسی کے پاس نہ نکلے تاکہ ہمارا امتیاز اور خصوصیت ہو، ہماری عزت شہرت ہو، روز کے استعمالی کپڑوں میں زیادہ خرچ بھی نہیں، جب اس میں فخر کی نیت ہونے سے حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے تو جہاں ہزاروں کا خرچ کر دیا جاتا ہو وہاں تو کیا پوچھنا۔

---

[1] بیان القرآن۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان رسموں میں آج کل بڑے بڑے عقلمند بھی مبتلا ہیں، (اور اس میں کوئی گناہ نہیں سمجھتے) اور کیا کہوں کہتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے علماء بھی ان رسموں میں ڈھیلے ہیں، میرے پاس ایسے خطوط آتے ہیں کہ اگر شادی میں مجمع کرلیا یا کھانا کھلا دیا آپس میں کچھ دے دلا دیا تو اس میں شریعت کے خلاف کون سی بات ہوگئی۔ جب ہمارے حکیم ہی مریض ہیں تو پھر مریضوں کا علاج کون کرے وہ بیچارے کہاں جائیں؟

اور حقیقت یہ ہے کہ رسمیں دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ جو شرک وبدعت ہیں، دوسرے وہ جو تفاخر (ریا، شہرت) کی ہیں، میں کہتا ہوں کہ شرک و بدعت والی رسمیں تو بے شک گھٹ گئی ہیں، لیکن فخر وریا والی رسمیں پہلے سے زیادہ بڑھ گئیں۔

اب تو حالت یہ ہے کہ اگر کوئی جوڑا دوسو سے کم کا ہو (اور آج کل دو ہزار سے کم کا ہو) تو وہ جوڑا ہی نہیں، اس کا نام کفن رکھا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ جوڑا کیا دیا، جیسے کفن ڈال دیا، اور اکثر جو جوڑے دوسرے رشتہ داروں کو دیئے جاتے ہیں وہ ہوتے بھی ایسے ہی ہیں کیونکہ اب تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ عدد میں دس ہونا چاہئے چاہے ہوں کفن (بالکل گھٹیا) جیسے، یہ بہو کے ماں باپ کا ہے، یہ نانی نانا کا ہے، یہ خاک کا ہے، یہ بلا کا ہے، غرض عدد کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے حالانکہ ضرورت ایک کی بھی نہیں[1]

فخر کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور ہماری حالت

فخر و دکھلاوے کے متعلق ایک حدیث یاد آئی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کی دعوت قبول کرنے سے ممانعت فرمائی ہے جو ایک دوسرے سے بڑھنا چاہیں اور بحثا بحثی میں کھانا کھلائیں، (یعنی موازنہ اور مقابلہ کرلے) یہ مصیبت ہم نے قصبوں میں بہت دیکھی ہے اور شہروں میں دوسری طرح کی مصیبتیں ہیں، قصبوں

[1] نقد اللبیب، ص:۲۷۵۔

میں تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی نے شادی میں دو قسم کا کھانا دیا ہے تو دوسرا شخص اپنے یہاں تین قسم کا کھانا دے گا۔ تیسرا چار قسم کا، اس کا اتنا اہتمام ہوتا ہے کہ کھانے کی فہرستیں نکال کر دیکھی جاتی ہیں، کہ فلاں شخص کی شادی میں کتنے کھانے تھے، اگر چار تھے اور چار ہی ہماری شادی میں ہوئے، تو نام ہی کیا ہوگا، اور اس کا تذکرہ ہی کیا ہوگا، کیونکہ کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی، چار کی جگہ چھ ہونے چاہئیں ورنہ پانچ تو ضرور ہوں۔ اب پھر یہ تفاخر نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ اس سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اس سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔[1]

اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے

قرآن پاک کی متعدد آیتیں اور حدیثیں فخر اور ریاء (دکھلاوے) کو حرام بتلاتی ہیں اور یہ دونوں گناہ نفس اور قلب سے متعلق ہیں، اس کا تو کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا کہ ریا اور فخر بھی گناہ ہیں، کیونکہ قرآن اور حدیث سے ان کا گناہ ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

اب اس کے بعد واقعات کو دیکھ لیجئے کہ ان شادیوں میں کیا نیت ہوتی ہے کیا یہ نیت نہیں ہوتی کہ شان ظاہر ہو، شہرت ہو، نام ہو، ہماری بات لوگوں میں رہے گو سب کی نیتیں اس میں بھی یکساں نہیں ہوتیں، یعنی یہ ضرور ہے کہ انیس بیس کا فرق ہوتا ہے اور اگر فرق بھی مان لیا جائے تب بھی کیا ہوتا ہے، جس کی نیت میں زیادہ فساد نہیں ہے، وہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہماری نیت بالکل پاک وصاف ہے، کچھ تو ضرور فساد ہوتا ہے۔

ہمارے قصبہ میں ایک پردیسی صاحب نے اپنی بہن کی شادی کی اور ہمت کر کے انہی کپڑوں میں رخصت کر دیا اس کی والدہ کے پاس کل آٹھ سو روپے تھے اسی میں ان کو حج بھی کرنا تھا، لڑکی کی ماں کی یہ تجویز تھی کہ لڑکی کو پانچ سو کا زیور دوں گی، جوڑے دوں گی، پھر حج کروں گی۔ بہر حال ان کے بہت ہی طوفان برپا کرنے کے

[1] نقد اللبیب فی عقد الحبیب، ص: ۵۷۷، ملحقہ مواعظ میلا دالنبیؐ۔

ارادے تھے ہمارے گھر رات کو مشورہ کرنے کے لیے آئیں۔صاحبزادہ نے موقع غنیمت سمجھا داماد کو بلالائے اور لڑکی کو گاڑی میں بٹھلا کر عزت سے رخصت کر دیا، یہ خبر جب ان کو ہوئی تو کوسنا شروع کر دیا، رونا پیٹنا مچایا ایک آفت برپا کر دی، میں نے کہا خبردار! ہمارے گھر میں رونا پیٹنا مت مچاؤ، اپنے گھر جا کر روؤ پیٹو، اس کے بعد میں نے کہا خیر جو کچھ ہونا تھا وہ تو اب ہو چکا لڑکی تو اپنے گھر پہنچ گئی، اب یہ کرو کہ جوڑے اب بنا کر بھیج دو، وہ کہنے لگی ہائے میں یوں دیتی اس طرح کرتی، میں نے کہا خیر ابھی کچھ نہیں ہوا، میں کپڑے والے کو بلا دوں خوب اعلیٰ سے اعلیٰ (اچھے سے اچھے) کپڑے بنا کر بھیج دو، اس کے آنے سے پہلے سرخ رو ہو جاؤ گی، کیونکہ تم یہ کہہ سکو گی کہ جب ہمیں خبر ہوئی تب ہم نے کپڑے بھیج دیئے، یہ سن کر وہ کیا کہتی ہے کہ واہ صاحب اب کیا ہوتا ہے اصلی موقع تو دینے کا نکل ہی گیا، اب کیا نام ہوگا، وہ تو اب بات ہی ختم ہوگئی، اب تو میں کچھ بھی نہ کروں گی۔

صاف کہتی ہے کہ واہ صاحب اب تو کچھ بھی نہ کروں گی۔

آپ نے دیکھ لیا کہ یہ تو زبان سے اقرار ہے (کہ سب کچھ لین دین، نام نمود، دکھلاوے اور شہرت کے لیے ہوتا ہے) اچھا ہوا بچاری کے روپئے بچ گئے ورنہ حج ہی رہ جاتا۔

غرض جو کچھ شادیوں میں کیا جا رہا ہے سب ناموری کے لیے کیا جا رہا ہے، گو سب کی نیتیں اس میں بھی برابر نہیں ہوتیں یعنی یہ ضرور ہے کہ انیس بیس کا فرق ہوتا ہے اور اگر زیادہ فرق مان لیا جائے تب بھی کیا ہوتا ہے، جس کی نیت میں زیادہ فساد بھی نہیں ہے وہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہماری نیت بالکل پاک وصاف ہے کچھ تو فساد ضرور ہوتا ہے۔

تو اب بتلایئے یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے، اور یہ سوال کہاں تک صحیح ہے کہ ان چیزوں میں ناجائز کی کیا بات ہے؟ یہ بالکل غلط ہے، اگر گناہ کی حقیقت سے واقف ہوتے تو ہرگز ایسا نہ سمجھتے۔ (نقد اللبیب فی عقد الحبیب، ملحقہ مواعظ میلاد النبی، ص:۵۷۹)

بیاہ شادی میں کھلانا پلانا، دینا دلانا، مجمع کرنا (جیسا کہ آج کل دستور ہے یہ سب چھوڑنے کے قابل) واہیات ہے، سب ہی میں خرابی ہے، کسی میں تھوڑی کسی میں بہت، اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے، تو اکثر تو یہی ہے کہ کھانا کھلانا پلانا، مجمع کرنا، دور دراز سے لوگوں کو بلانا، جوڑے لینا دینا یہ سب صرف نام نمود اور شہرت کے لیے ہوتا ہے، نہ کسی کے ساتھ ہمدردی مقصود ہے نہ کچھ، ہر شخص اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ لے[1]

بیاہ شادی میں اسراف کا گناہ

دوسری خرابی جو (بیاہ شادی کے موقعہ پر) لازم ہے وہ اسراف ہے، (جو کہ حرام ہے کیونکہ) اسراف کہتے ہیں معصیت (یعنی گناہ کے کام) میں خرچ کرنے کو آپ کا خیال ہوگا کہ ہم کون سی معصیت میں خرچ کررہے ہیں، ہمارے یہاں ناچ نہیں، گانا نہیں، باجہ نہیں۔

اے صاحبو! تفاخر، ریا (نام ونمود اور دکھلاوا) بھی تو معصیت ہے پس فخر کے لیے خرچ کرنا، معصیت ہی میں خرچ کرنا ہے، اس لیے اسراف میں یقیناً داخل ہے، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ معصیت ناچ گانے میں منحصر نہیں بلکہ بہت سے گناہ دل سے متعلق بھی ہیں، چنانچہ تفاخر اور ریا ان ہی دل کے گناہوں میں سے ہیں، لہٰذا اس میں خرچ کرنا بھی گناہ ہی میں خرچ کرنا ہے، اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ معصیت (یعنی گناہ) میں خرچ کرنا اسراف ہے، پس یہ بھی اسراف ہے، اور اسراف کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ) بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، پس اسراف قطعاً مذموم (برا) ہوگا۔

اب اگر کوئی شخص اپنی نیت درست بھی کرلے اور تفاخر، نام نمود، ریا وغیرہ سے بچ بھی جائے تو شریعت کا ایک قاعدہ اور بھی ہے وہ یہ کہ جس امر مباح (یعنی جائز کام)

[1] نقد اللبیب، ص: ۵۸۴۔

کے کرنے سے دوسرا کوئی شخص کسی شرعی محذور (معصیت) میں مبتلا ہوجاتا ہو تو وہ مباح مباح نہیں رہتا۔

اب اگر کسی نے اپنی نیت درست کر بھی لی مگر دوسرے لوگ جن کی نیت درست نہیں ان کو تو اس شخص کے عمل سے قوت اور تائید ہوگی، اس لیے نیت درست ہونے کے باوجود یہ افعال اس شخص کے حق میں بھی ناجائز ہوجائیں گے۔ اس کی مزید تفصیل آگے بھی آئے گی[1]

بیاہ شادی میں مجمع اور بارات وغیرہ رسموں کی گنجائش ہے یا نہیں؟

اگر کوئی شخص کہے کہ ہم نے تو خوب غور کرکے دیکھ لیا، ہماری نیت تو بالکل ٹھیک ہے، ہم کو نام نمود، شہرت، ہرگز مقصود نہیں، ہمیں تو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا تو میں اس کو جھوٹا نہیں کہتا، واقعی بعض لوگ نیک نیت بھی ہوتے ہیں مگر میں خواہ مخواہ ان کو کیوں الزام دوں، اور جو مصلحتیں لوگ بیان کرتے ہیں، وہ ایک حد تک ٹھیک بھی ہیں، کہتے ہیں کہ روز تو رشتہ داروں سے کہاں ملنا ہوتا ہے شادیوں میں سب سے ملاقات ہوجاتی ہے، غریبوں کو کھانا پہنچ جاتا ہے یہ بے شک اچھی نیت ہے۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ اول تو ایسے خالص نیت کے لوگ ہیں ہی کتنے پھر جو ہیں بھی انہوں نے بس ایک مصلحت کو تو دیکھا اور ہزاروں مفاسد (خرابیوں) پر نظر نہیں کی، ایک چیز پر نظر کی اور دوسری بہت سی چیزیں نظر سے غائب کردیں۔

حضرات سنئے! اس کے متعلق بھی شریعت نے قوانین وضوابط مقرر کردیئے ہیں شریعت کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے، نہایت منضبط اور مکمل قانون ہے۔

---

[1] نقد اللبیب فی عقد الحبیب، ص:۵۷۶۔

اکثر حضرات یہ مصلحتیں بیان کرتے ہیں کہ میں ان تقریبات (شادیوں) میں کچھ گنجائش نکال دوں، صاحب اگر شریعت میرے اختیار میں ہو تو مجھ سے رعایت کی درخواست بھی کی جائے لیکن شریعت میرے گھر کی چیز تو نہیں ہے، میں خواہ مخواہ اپنی طرف سے رعایت بھی کر دوں تو اس سے کیا ہوگا، جو امر ناجائز ہے وہ میرے کہنے سے جائز تھوڑی ہو جائے گا، بلکہ الٹا مجھ ہی سے سوال ہوگا کہ تم کون تھے جائز کرنے والے تو میں کیوں مصیبت میں پڑوں۔[1]

شریعت کا قاعدہ

سنئے! شریعت نے ایسے موقع کے لیے کیا حدود اور قواعد مقرر کئے ہیں سو منجملہ ان کے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب کسی چیز میں مصلحت اور مفسدہ دونوں جمع ہوں تو اعتبار مفسدہ کا ہوتا ہے یعنی اگر کسی چیز میں مصلحت بھی ہے اور مفسدہ بھی ہے، تو اس حالت میں مصلحت کو نہ دیکھا جائے گا بلکہ مفسدہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

پھر اس کی بھی ایک حد ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصلحت دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو وہ مصلحت جس کا حاصل کرنا واجب ہو، وہاں تو یہ حکم ہے کہ اس مصلحت کو حاصل کرو اور مفسدہ کو روکنے کی کوشش کرو۔

مثلاً نماز میں جماعت کے لیے آتے ہیں لیکن فرض کرو کہ امام ایسا ہے کہ قرآن غلط پڑھتا ہے یا اور کوئی ایسی ہی کمی ہے جس کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے تو ہم کوشش تو یہ کریں گے کہ وہ شخص امامت سے معزول کر دیا جائے، لیکن جب تک ہم اس کوشش میں کامیاب نہ ہوں گے اس وقت تک اسی کے پیچھے نماز پڑھتے رہیں گے، یہ نہ کریں گے کہ جماعت چھوڑ دیں کیونکہ جماعت یا تو سنت مؤکدہ ہے یا واجب۔ تو مسجد میں جماعت کے لیے آنا ایک ایسی مصلحت ہے جو ضروری ہے مگر اس کے ساتھ یہ

---

[1] نقد اللبیب، ص:۵۸۵۔

مفسدہ بھی شامل ہوگیا کہ امام ایسا ہے جس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے اب یہاں مصلحت بھی ہے مفسدہ بھی ہے مگر مصلحت ایسی ہے کہ اس کا حاصل کرنا واجب ہے، تو اس صورت میں حکم یہ ہوگا کہ جماعت کو نہ چھوڑو، بلکہ اس مفسدہ کا علاج کرو، یعنی امام کو الگ کرو، مگر الگ کرو، خوش تدبیری سے، فتنہ فساد کی اجازت نہیں ایسی باتوں کے لیے لڑنا نہیں چاہئے کیونکہ لڑنے بھڑنے کے مفاسد اس کراہت کے مفسدہ سے بھی زیادہ ہیں۔

اور ایک مصلحت ایسی ہوتی ہے کہ وجوب کے درجہ میں نہیں (یعنی جس کا حاصل کرنا واجب نہیں) جیسے شادی میں بہت سے بھائیوں کا آپس میں مل لینا یا غریبوں کو خاص وقت میں کھانا مل جانا، یہ مصلحت شرعاً واجب نہیں ہے، اور اس کے ساتھ مفاسد بہت سے موجود ہیں، جیسے تفاخر، ریا، نام نمود، شہرت وغیرہ۔

جہاں ایسی مصلحت جو واجب نہ ہو کسی مفسدہ کے ساتھ جمع ہو جائے گی وہاں اس مصلحت ہی کو چھوڑ دیں گے، بلکہ ایسی ہزاروں مصلحتیں بھی (جو واجب نہ ہوں) اگر کسی ایک مفسدہ کے ساتھ جمع ہو جائیں، ان کو بھی چھوڑ دیا جائے گا، اور قانون ہمارے قبضہ میں نہیں ہے کہ تمہاری مصلحتوں کی رعایت کی وجہ سے اس میں وسعت کر دی جائے، یہ قانون تو خدا کا بنایا ہوا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اس قانون کی تصریح موجود ہے، ارشاد ہے:

"یَسْـأَلُوْنَکَ عَنِ الْخَـمْـرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا"۔

یعنی لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ شراب اور جوے کا کیا حکم ہے آپ کہہ دیجئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور ان میں کچھ فائدے بھی ہیں، اور وہ گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں، اس لیے دونوں چھوڑنے کے قابل ہیں[1]

[1] بیان القرآن۔

دیکھئے خود آیت میں اس بات کی تصریح ہے کہ جوے اور شراب میں مصالح (و فوائد) موجود ہیں لیکن چونکہ گناہ بھی موجود ہے، اس واسطے حکم اس کی حرمت کا ہی ہوا، تو یہ قاعدہ قرآن مجید سے ثابت ہوگیا کہ جہاں مفسدہ اور ایسی مصلحت جو شرعاً واجب نہ ہو جمع ہوں وہاں ترجیح مفسدہ ہی کو ہوگی۔

لیجئے! اب تو اس قانون کے انکار کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہی، جب حنفی مذہب میں یہ قاعدہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اگر کسی کام میں مفسدہ اور مصلحت دونوں جمع ہوں تو ترجیح مفسدہ کو ہوگی بشرطیکہ اس مصلحت کا حاصل کرنا واجب نہ ہو، بس اس بناء پر ہم ان رسموں کو منع ہی کریں گے۔ (مثلاً برات وغیرہ) اب اس کا بھی جواب ہوگیا کہ اس میں مصلحتیں ہیں کیونکہ جہاں مصلحتیں ہیں وہاں مفسدے بھی تو موجود ہیں [1]

جن کی نیت بالکل پاک صاف ہو ان کے لیے بیاہ شادی میں مجمع کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن کی نیت میں نہ فخر ہے نہ تکبر ہے نہ شہرت نہ کوئی اور خرابی بالکل پاک وصاف ہیں۔ وہ البتہ کہہ سکتے ہیں کہ صاحب ہمارے فعل میں (یعنی ہم جو شادی کرتے ہیں اس میں) تو مصلحتیں ہی مصلحتیں ہیں، مفاسد ہیں ہی نہیں، سب مصلحت ہی مصلحت ہے مفسدہ بالکل نہیں، اللہ گواہ ہے ہماری نیت نہ تفاخر کی ہے، نہ ریا کی ہماری نیت میں کوئی خرابی نہیں، ہماری نیت تو بالکل پاک وصاف ہے۔

سو اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو ہم اس کو جھوٹا نہیں کہتے، ممکن ہے کسی کی نیت ایسی پاک وصاف ہو اور اسراف (فضول خرچی) کا جو مفسدہ تھا اس کا وہ یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ہمیں رائی برابر بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا (لیکن) اول تو اس کا تسلیم ہی کرنا مشکل

[1] نقد اللبیب، ص:۵۸۹۔

ہے کہ نقصان نہیں پہنچتا میں اگر انکار کرنے پر آ جاؤں تو کہہ سکتا ہوں کہ قرض ہو ہی جاتا ہے اور میں واقعات سے ثابت کرسکتا ہوں کہ ایسے موقعوں پر بڑے بڑے لوگ بھی مقروض ہو جاتے ہیں کیونکہ ہر شخص اپنی حیثیت سے بڑھ کر ہی ان شادیوں میں خرچ کیا کرتا ہے، مگر خیر میں اس کو بھی مانتا ہوں کہ اسراف نہیں ہوتا، بلاضرورت میں کیوں اس بحث میں پڑوں مگر جو بات کہنے کی ہے وہ تو ضرور کہی جائے گی، کیا میں حقائق (اور شرعی احکام) کو بھی ظاہر نہ کروں؟

سو سنئے! میں نے مانا کہ آپ اپنی نیک نیتی کی بنا پر اس قاعدہ سے ایک درجہ میں بچ گئے کہ جہاں مفسدہ اور مصلحت دونوں جمع ہو جائیں وہاں ترجیح مفسدہ کو ہوتی ہے خیر اس قاعدے سے تو آپ جیسے تیسے بچ گئے۔ لیکن حضرات ابھی پیچھا نہیں چھوٹا اب ایک اور قاعدہ بھی موجود ہے اور وہ بھی ہماری شریعت ہی کے اصول میں سے ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

شریعت کا اہم قاعدہ

شرعی قاعدہ ہے کہ ہمارے جس مباح (جائز) عمل سے کسی دوسرے مسلمان کو دین کا نقصان پہنچے تو ہمارے لیے بھی وہ عمل مباح (جائز) نہ رہے گا، حتیٰ کہ اگر کسی مندوب و مستحب فعل سے بھی کسی مسلمان کے اعتقاد یا عمل میں کوئی خرابی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس مستحب عمل کو ترک کر دیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے بعض احادیث پر عمل کو ترک کرا دیا۔

مثلاً حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی، جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم تنزیل اور سورہ دہر پڑھنے کی، اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا، چنانچہ شافعیہ اب بھی پڑھتے ہیں، ابتک ان کا یہی معمول ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا التزام (یعنی اس کی پابندی) کرنا مناسب

نہیں، دیکھئے حدیث شریف میں وارد ہے مگر امام صاحب اس کو منع کرتے ہیں۔

اصل میں امام صاحب کے اس قول کا حاصل یہ ہے کہ یہ عمل واجب تو ہے نہیں محض مستحب ہے، اور اس مستحب سے دوسروں کے واسطے ایک خرابی پیدا ہو جاتی ہے امام صاحب کو عوام کی کیفیت کا مشاہدہ ہوا کہ بعض مستحب افعال بھی ان لوگوں کو شبہ میں ڈال دیتے ہیں، چنانچہ اس معمول کے متعلق بھی امام صاحب نے سمجھا کہ جب کسی جمعہ میں بھی ناغہ نہ ہوا اور کبھی اس کے خلاف کرتے نہ دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ یہ عمل لازم اور واجب ہے یہ تو اعتقادی خرابی ہوئی۔

دوسرے ممکن ہے کہ ایک اور بھی خرابی کا مشاہدہ ہوا ہو اور وہ عملی خرابی ہے وہ یہ ہے کہ بعض دفعہ نماز میں مجمع بہت ہو جاتا ہے اور دور والوں کو سنائی نہیں دیتا (اور اگر سنائی بھی دے لیکن عوام کو معلوم نہیں ہوتا) کہ امام نے سجدہ کی آیت پڑھی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امام نے تو سجدہ کیا اور مقتدی گئے رکوع میں اور وہ اٹھا سجدے سے اور کہا اللہُ اکبر۔ انہوں نے سمجھا سمع اللہ لمن حمدہ، گڑبڑی ہو جاتی ہے، چنانچہ مکہ معظّمہ میں ایک دفعہ یہی گڑبڑ ہوئی۔ جمعہ کے دن ایک دفعہ شافعی امام نے فجر کی نماز میں معمول کے مطابق الم تنزیل سورہ پڑھی (جس میں سجدہ کی آیت بھی ہے) وہ سجدہ کی آیت پر پہنچ کر سجدہ میں چلے گئے اب جنہیں معلوم نہیں کہ یہ سجدہ تلاوت کیا ہے وہ سمجھے کہ امام نے رکوع کیا ہے، وہ رکوع میں گئے بڑی گڑبڑ ہوئی کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدہ میں ہے، کسی نے نیت توڑ دی، کوئی سمجھا کہ امام نے تین رکعتیں پڑھیں، چنانچہ ایک شخص گھر لوٹ کر گیا اس نے کہا کہ شافعیوں نے تو قرآن کے بالکل خلاف عمل کیا، مغرب کی طرح فجر میں بھی تین رکعت پڑھتے ہیں۔

تو آپ نے دیکھا کہ نوبت کہاں تک پہنچی، بس امام صاحب نے ایسے ہی واقعات دیکھ کر فرمایا کہ جو عمل واجب بھی نہیں اور عوام میں اس کے کرنے سے گڑبڑ ہوتی ہو تو کیا ضرورت ہے کہ اس کو کیا ہی جائے۔

غرض ایسی بات کرنا جس سے عوام میں گڑ بڑ ہو جائے (یعنی عوام فتنہ میں مبتلا ہو جائے) درست نہیں، تو قاعدہ شرعی یہ ٹھہرا کہ جس مباح (جائز) سے اور جس مستحب سے عوام کسی دین کی خرابی میں پڑ جائیں وہ فعل خواص کے لیے بھی جائز نہیں رہتا، حالانکہ وہ خود اس خرابی سے بچے ہوئے ہیں۔ ایسے موقع پر خواص کو لازم ہے کہ وہ خود بھی ایسے مباح یا مندوب عمل کو بھی چھوڑ دیں جس سے عوام کی خرابی کا اندیشہ ہو۔

حقیقت میں یہ قاعدہ وہ پہلا ہی قاعدہ ہے کہ مصلحت اور مفسدہ جب جمع ہو جائیں تو مفسدہ کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ دوسرے شخص کا خرابی میں پڑ جانا یہ بھی تو مفسدہ ہے۔

جب یہ قاعدہ سمجھ میں آ گیا تو اب سمجھئے کہ آپ کو وسعت ہے پانچ ہزار خرچ کرنے کی اور آپ کو خدا نے علم بھی دیا ہے جس کی وجہ سے آپ کو نفس پر قدرت بھی ہے کہ آپ نے اپنے نفس کو ریا سے، فخر سے، تکبر سے سب سے بچالیا، شادی میں کوئی بے انتظامی بھی نہیں ہوئی کوئی نماز بھی قضا نہیں ہوئی، بلکہ کوئی جماعت بھی فوت نہیں ہوئی۔

ہم نے مانا کہ آپ نے اپنے آپ کو ہر طرح کی برائی سے بچالیا، مگر حضور یہ بھی تو دیکھئے کہ آپ کے عمل کا نتیجہ کیا ہوا؟ آپ کو دیکھ کر آپ کے وہ بھائی اور برادری کے لوگ جو آپ سے وسعت میں (مالداری میں) اور علم میں کم ہیں، مگر برابری کے دعویٰ میں بڑھے ہوئے ہیں، وہ بھی شادی کو اسی طرح کریں گے اور کہیں گے کہ ہم کیوں ان سے گھٹے رہیں، آپ نے تو گھر سے پچاس ہزار نکال کر خرچ کر ڈالا، اور ان کے گھر میں روپے کہاں، انہوں نے جائداد گروی رکھ کے خرچ کیا، اب زمین گروی ہوئی ہے اس کی آمدنی گروی رکھنے والا کھا رہا ہے، اور وہ سود ہے، اور وہ سود لینے والا اور تم سود دینے والے ہوئے اور حدیث میں دونوں پر لعنت آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے کھانے والے اور کھلانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے، بلا ضرورت لعنت خریدی اور یہ کس کی بدولت ہوا؟ آپ کے فعل کی بدولت نہ آپ ایسا کرتے اور نہ وہ اس مصیبت میں پڑتے۔ (نقد اللبیب فی عقد الحبیب، ملحقہ مواعظ میلاد النبی)

ایک صاحب کا سوال اور حضرت تھانویؒ کا جواب

ایک صاحب کہنے لگے کہ رئیسوں مالداروں کو (بارات وغیرہ کی رسموں سے) کیوں منع کیا جاتا ہے، ان کے پاس روپیہ کافی ہوتا ہے شادیوں میں خرچ کرنے سے ان پر کیا بار ہوتا ہے، البتہ غریبوں کو منع کرنا چاہئے۔

میں نے کہا: سبحان اللہ! معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں ذرا بھی ہمدردی نہیں، میں پوچھتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ کبھی آپ کا بیٹا بیمار ہو اور حلوا کھانا اس کو نقصان دہ ہو اس وقت آپ کیا کریں گے؟ کیا آپ یہ کریں گے کہ آپ تو حلوا بنا کر کھایا کریں اور وہ دیکھا کرے؟ میں تو نہیں سمجھتا کہ کوئی باپ ایسا ہوگا کہ اس کے سامنے حلوا پکائے گا۔ حضرت اس وقت یہ حالت ہوگی کہ حلوا کھانا چاہیں گے بھی تو حلق سے نہ اترے گا، اگر ایسا ہی کوئی سخت دل ہوگا تو خیر بازار میں جا کر کھالے گا لیکن گھر میں تو حلوے کا نام بھی نہ آنے دے گا، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

وجہ ظاہر ہے کہ یہی ہے اگر گھر میں حلوا پکے گا یا گھر میں آئے گا تو یہ نہیں ہو سکے گا کہ صرف وہی لوگ کھائیں جن کو حلوا نقصان نہیں کرتا، بلکہ دوسروں کو کھاتا دیکھ کر اس کو بھی حرص ہوگی اور یہ بھی کھائے گا۔ اور بدپرہیزی کرے گا چونکہ اس سے محبت ہے اور اس کا نقصان ہرگز گوارا نہیں اس کی خاطر سارے گھر والوں پر حلوے کا پرہیز ہو جائے گا۔

لیجئے اس کی بناء اسی قاعدہ شرعی پر تو ہوئی کہ جو فعل مباح (جائز) ہے وہ ہمارے لیے بھی ناجائز ہو جاتا ہے جب کہ دوسروں پر اس کا اثر برا پڑتا ہو۔

پس اگر آپ کو مسلمانوں سے محبت اور ہمدردی ہوتی تو ایسا کبھی نہ کرتے، بلکہ یہ سوچتے کہ میں تو کروں گا اس وجہ سے کہ مجھ کو وسعت (گنجائش) ہے اور دوسرا غریب بھائی کرے گا برابری کا دعویٰ کی وجہ سے اور وہ ہو جائے گا تباہ، لہٰذا میں ہی ہاتھ روک

لوں۔ اگر محبت وہمدردی ہوتی تو اپنے بھائیوں کو ضرور تباہی سے بچایا جاتا۔[1]

بیاہ شادی سب سے آسان عمل ہے ہم نے اس کو دشوار بنادیا

غور کرنے کی بات ہے کہ انسان کو جتنی ضرورتیں پیش آتی ہیں سب میں کچھ نہ کچھ خرچ کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً آدمی کسی کام سے جائے تو کھانا تو ضرور ہی کھائے گا، پانی سب سے سستی چیز ہے، مگر اس میں بھی خرچ ہوتا ہے، خود پانی کی کوئی قیمت نہ سہی، مگر لانے والے کی اجرت تو دینا ہی پڑتی ہے، غرض ہر چیز میں کچھ نہ کچھ خرچ کی ضرورت ہوتی ہے سوائے نکاح کے کیونکہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ ایک پیسہ پر بھی موقوف نہیں کیونکہ اس کی حقیقت ایجاب وقبول ہے اور یہ محض دو بول ہیں ان میں کسی خرچ کی ضرورت نہیں اور مہر ادھار ہے اس وقت اس کا کوئی تقاضا نہیں نفس نکاح میں یہ خرچ شامل نہیں۔

اب فرمایئے سب سے زیادہ سستی چیز اگر کوئی تھی تو نکاح تھا، مگر اللہ بھلا کرے ہمارے بھائیوں کا سب نے آپس میں کمیٹی کر کے اس کو ایسا مہنگا کر دیا ہے کہ غریب آدمی کے لیے تو مصیبت ہوگئی اور اس میں شریعت کا بھی مقابلہ ہے اور عقل کا بھی، بھلا یہ کونسی عقل کہہ سکتی ہے کہ جس چیز میں بالکل روپے کی ضرورت نہ ہو اس میں فضول اس قدر روپیہ خرچ کر ڈالا جائے۔

ادھر شریعت کہتی ہے ’’اِنَّ اَعْظَمَ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مَؤُنَۃً‘‘۔ حدیث شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ نکاح سب سے زیادہ برکت والا ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو، یہ ارشاد ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

[1] نقد اللبیب فی عقد الحبیب، ص: ۵۸۵ تا ۵۹۵۔

اس میں نکاح کے سارے خرچ آ گئے، حتیٰ کہ مہر کی کمی بھی جس کی خصوصیت کے ساتھ فضیلت بھی وارد ہے۔[1]

ایک لطیفہ

میرٹھ میں ایک مرتبہ ایک رئیس کے یہاں شادی تھی وہ دیندار تھے شریعت کے پابند تھے، پوری سادگی کے ساتھ انہوں نے شادی کی، نہ ڈھول نہ تماشا، نہ باجہ، نہ گانا، ایک صاحب چپکے سے بولے ارے میاں (یہ شادی ہے یا جنازہ، خوشی کا موقع ہے یا غمی کا) بس چنوں کی کسر ہے۔ ان رئیس صاحب نے بھی کہیں سن لیا، فوراً خدمت گاروں کو حکم دیا کہ ایک روپیہ کے چنے لے آؤ جب وہ لے آیا تو کہا کہ ان کے سامنے رکھ دو، اور کہا کہ کلمہ شریف پڑھئے کیا حرج ہے۔ اور برکت ہوجائے گی، کلمہ شریف کی برکت ہی حاصل کرنے کے لیے تو اس میت کے واسطے پڑھتے ہیں، تو میری شادی میں بھی برکت ہوجائے گی۔[2]

شادیوں میں نماز کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نہ عشاء کی نماز ہے نہ صبح کی نماز ہے، جماعت تو کوئی چیز نہیں، اگر یہ نہیں تو گپڑ سپڑ تو ضرور ہے کہ نمازیں ٹھیک وقت پر ادا نہیں ہوتیں۔[3]

---

[1] نقد اللبیب فی عقد الحبیب، ص: ۵۹۸۔ [2] نقد اللبیب فی عقد الحبیب ص: ۵۶۶۔
[3] نقد اللبیب فی عقد الحبیب، ص: ۵۹۴۔

تجربہ کاروں کے تجربے سے ہوشیار ہو جاؤ جن پر گذر چکی ہے ان سے سبق حاصل کرو

ایک کلکٹر صاحب کی داستان:

تجربہ کاروں کا قول زیادہ ماننے کے قابل ہے[1]

حضرت اقدس مولانا مدظلہ (یعنی حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کا ایک ایک لفظ پر معنی ہے، اور بڑے تجربہ پر مبنی معلوم ہوتا ہے چونکہ میرے لڑکے حبیب الرحمٰن سلمہ کی شادی کے موقعہ پر یہ وعظ ''نقد اللبیب فی عقد الحبیب'' ہوا تھا اس لیے میں نے اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر اب یہ رائے قائم کی ہے کہ شادی کے موقع پر احباب اور برادری کا ہجوم مردوں اور عورتوں کا بے حد تکلیف دہ ہے، اور عزت کے بجائے ذلت و پریشانی ہوتی ہے، میرے یہاں شادی کے موقع پر ایسی کوئی رسم نہیں ہوئی جیسے کہ اور جگہوں پر ہوا کرتی ہے، صرف خاص برادری اور رشتہ داروں مردوں عورتوں کو اطلاع دے دی گئی تھی اس پر بھی بڑا ہجوم ہو گیا اور چار پانچ دن تک مہمان داری رہی جس میں صرف کھانے کے انتظامات میں وہ پریشانیاں اٹھانی پڑی ہیں کہ میرا دل ہی جانتا ہے، میں نے اپنے خیال میں کوئی رسم ادا نہیں کی مگر صرف دعوت ولیمہ اور برادری کے لوگوں کو جمع کرنے ہی میں مجھے تجربہ ہو گیا کہ حضرت اقدس کا ایک ایک لفظ بالکل صحیح ہے اور ہرگز ہرگز کبھی اس اہتمام سے شادی نہیں ہونی چاہئے۔

شادی کے اخراجات (خرچ) کا جو اندازہ میں نے کیا تھا اس سے چار گنا زیادہ خرچ ہو گئے۔ اور اکثر رشتہ داروں کو شکایت ہی رہی، کہ ان کی خاطر تواضع نہیں کی گئی

[1] اصلاح انقلاب۔

کھانے کے لیے ہوشیار باورچیوں کا انتظام کیا گیا لیکن نہ معلوم کس طرح زردہ میں مٹی کے تیل کی نا قابل برداشت بدبو ہوگئی جس کی وجہ سے عین کھانے کے وقت جس قدر میری ذلت ہوئی ہے میرا ہی دل جانتا ہے۔ اتنی کافی مقدار میں چاول جس میں گھی میوے پڑے ہوئے تھے مٹی کے تیل کی بدبو ہو جانے کی وجہ سے بھنگنوں اور چماروں کو بٹوا دینا دل کو بڑا شاق ہوا، بلکہ اس سے بھنگنوں اور چماروں میں بھی بدنامی ہوئی کہ کشمیر کے گورنر صاحب کے لڑکے کی شادی میں ایسا زردہ پکا میرا تو ہزاروں روپیہ خرچ ہوگیا اور ذلت و بدنامی اس کے بدلہ نصیب ہوئی، میں نے اسی وقت سے پکا عہد کر لیا کہ آئندہ انشاء اللہ کسی بچہ کی شادی اس طرح سے نہ کروں گا۔ بلکہ حضرت اقدس (تھانوی) کے مواعظ کو خوب غور سے پڑھ کر ان پر عمل کروں گا اور کبھی شادی کے موقع پر بھی برادری وغیرہ کا اجتماع نہ کروں گا، میں سچے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں جو اس موقع پر مجھ سے ہوئی، حالانکہ میرے بھائی خواجہ عزیز الحسن صاحب نے مجھے بہت اصرار سے اس شادی میں برادری کا اجتماع کرنے سے منع کیا تھا، مگر میں نے یہ سمجھا کہ کوئی رسم خلاف شرع تو میں کروں گا نہیں صرف احباب اور خاص خاص برادری کے لوگوں کو دعوت دوں گا، مگر یہ نہ معلوم تھا کہ یہ بھی وبال جان ہو جائے گا۔

ذلت خواری کے علاوہ منتظمین کی اکثر نمازیں وقت پر نہ ہوئیں بے پردگی بھی خوب ہوئی پردہ کا اگرچہ بہترین انتظام کیا گیا تھا مگر میں نے خود دیکھا کہ خود میری ہی نظر اکثر غیر محرم عورتوں پر پڑ رہی تھی جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ ایسے موقع پر پردہ کا انتظام کما حقہ کرنا ناممکن ہے۔

میرے بہت سے برتن، کشمیری لباس (چادر وغیرہ) جو بڑے قیمتی تھے گم ہوگئے جس کا مجھے بڑا افسوس ہے، غرض شادی سے فارغ ہو کر جو میں نے غور کیا تو میرے گھر دلہن تو آئی مگر مجھے ذلت اور نقصان بہت برداشت کرنا پڑا، کاش میں اپنے بھائی خواجہ عزیز الحسن کے کہنے پر عمل کرتا تو دلہن تو آتی مگر یہ ذلت اور نقصان برداشت کرنا نہ پڑتا،

جو کافی روپیہ میں نے خرچ کر دیا اور اس سے لڑکوں کی تعلیم میں مجھے آسانی ہوتی جس کی پریشانی اب مجھ کو محسوس ہو رہی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ میرے اس عریضہ کو شائع کر دیا جائے تا کہ جو صاحب اس کو پڑھیں وہ میرے ذاتی تجربہ پر بھروسہ کر کے آئندہ ایسی دعوت اور برادری کا اجتماع وغیرہ کی رسموں سے احتراز کریں، اور ذلت ونقصان سے بچیں ایسا ہی تلخ تجربہ میرے بھانجہ ڈپٹی کلکٹر کو بھی ہوا۔[1]

ہمت سے کام لیجئے

فرمایا: یہ رسم ورواج بھی کتنی بُری چیز ہے، بڑے بڑے پڑھے لکھے اور عقلمندوں تک ان میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور عام رواج ہو جانے کی وجہ سے بہت سے لوگ اپنے اندر اس کے خلاف کرنے کی ہمت نہیں پاتے مگر یہ تو بڑی کمزوری کی بات ہے ہمت اور قوت سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ اس کے بغیر ان کا بند ہونا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ عادۃً محال ہے۔[2]

[1] نقد اللبیب، ص: ۶۱۸۔ [2] الافاضات الیومیہ، دوم، ص: ۴۵۸۔

باب (۱۶)

دستور العمل شادی

بیاہ شادی میں بھی ہم شریعت کے پابند ہیں

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ شریعت کو شادی غمی سے کیا تعلق (اس میں تو ہم آزاد ہیں جس طرح چاہیں کریں، یہ خیال بالکل غلط ہے) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:
''اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدیً''۔ (سورۂ قیامۃ پ:۲۹)
کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اس کو بیکار چھوڑ دیا جائے گا؟
اس آیت میں اس خیال پر نکیر فرماتے ہیں کہ انسان مہمل اور بیکار چھوڑ دیا گیا۔
(النقد اللبیب ص:۶۱۵)

دین وشریعت کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے، نہایت مکمل قانون ہے، شریعت نے ہر حالت کے متعلق ضروری قواعد بتلائے ہیں اور اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ شریعت کامل ہے، اور کسی قانون کا مکمل ہونا یہ ہے کہ اس کے تمام حالات کے متعلق اس میں قواعد ہوں، پس شریعت کا کمال یہی ہے کہ اس میں تمام انسانی حالات کے متعلق مفصل قواعد موجود ہیں زندگی کا کوئی شعبہ اور کوئی جزء ایسی نکلنی ممکن نہیں جس میں شریعت کا کوئی حکم نہ ہو۔[1]

[1] حقوق السراء والضراء ملحقہ التبلیغ ص:۱۸۰۔

یہ خیال ہرگز صحیح نہیں کہ شریعت نے ہمارے افعال سے تعرض نہیں کیا شریعت نے ہر ہر چیز سے تعرض کیا ہے، لیجئے قرآن مجید میں ہے:

''لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ''یعنی آپس میں ایک دوسرے کا مال غلط طریقہ پر نہ کھاؤ، مطلب یہ کہ حلال حاصل کر کے کھاؤ۔

اورارشاد ہے: ''اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ''یعنی اللہ نے بیع کو جائز کیا اور سود کو حرام کیا، یہ معاملات کے متعلق حکم ہوا۔

مال خرچ کرنے کا بھی قانون ہے: ''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ''یعنی کھاؤ پیو اور فضول مت خرچ کرو۔

معاشرت کے متعلق بھی قانون ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا''۔ (سورہ نور پ:۱۸)

اے ایمان والو! کسی کے گھر میں نہ جاؤ جب تک کہ ان سے میل نہ کرلو اور ان سے سلام نہ کرلو، یہ معاشرت کے احکام ہیں۔

اورارشاد ہے کہ:

''يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا''۔ (سورۂ مجادلہ پ:۲۸)

''اے ایمان والو! جب تم سے کسی مجلس میں کہا جائے جگہ دو تو جگہ دے دو، مطلب یہ کہ دب کر بیٹھ جاؤ، اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ''۔

یہ مجلس کے آداب ہیں۔

دعوت میں جانے کا بھی قانون ہے۔

''يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّا اَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِيْنَ اِنَاهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا

وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ''۔ (سورۂ احزاب پ:۲۲)

اے مسلمانو! کھانا پکنے کے انتظار میں پہلے سے جا کر نہ بیٹھو، جب بلایا جائے تب جاؤ، اور جب کھانا کھا چکو چلے آؤ، وہاں بیٹھ کر باتیں نہ بگھارو۔

غرض ہر کام کا قانون ہے آپ نے دیکھا یہ سارے عادات اور معاشرت ہی تو ہیں، تو دیکھ لیجئے ہر چیز کا مکمل قانون موجود ہے۔

اب اس کے بعد کیا یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ شریعت کو ہماری شادی غمی سے کیا تعلق، اس کو تو ہماری رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے، جب یہ ہے تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سب چیز کا قانون ہو اور بیاہ شادی کا کوئی قانون ہی نہ ہو، خوب سمجھ لیجئے کہ شادی بیاہ کا بھی شریعت میں قانون ہے جس کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق شادی کرنے کی ضرورت

شریعت نے نکاح کو مسنون قرار دیا ہے اور رسوم کا اس کو جزء نہیں قرار دیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقریب کو کر کے دکھلایا اور قرآن شریف میں ہے: ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ''۔

جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کی ذات مبارک میں اچھا نمونہ دیا ہے، نمونہ دینے سے کیا غرض ہوتی ہے، یہی کہ اس کے موافق دوسری چیز تیار ہو۔

خوب یاد رکھیئے! کہ حق تعالیٰ نے احکام نازل کئے جو بالکل مکمل قانون ہے اور ان کا عملی نمونہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا، سو اگر آپ کے اعمال نمونے کے

[1] نقد اللبیب فی عقد الحبیب، ص: ۶۱۵، ملحقہ مواعظ میلاد النبیؐ۔

موافق ہیں تو صحیح ہیں ورنہ غلط ہیں، اگر نماز آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے موافق ہے تو نماز ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔

اسی طرح معاملات اور طرز معاشرت کو سمجھ لیجئے سب میں یہی حکم ہے حق تعالیٰ نے ہمارے پاس کسی فرشتہ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا اس میں حکمت یہی ہے کہ اگر فرشتہ آتا تو وہ ہمارے لیے نمونہ نہیں بن سکتا تھا، اس کو نہ کھانے کی ضرورت ہوتی نہ پہننے کی نہ ازدواج (بیاہ شادی) کی نہ معاشرت کی، ان چیزوں کے احکام میں وہ صرف یہ کرتا کہ ہم کو پڑھ کر سنا دیتا۔

حق تعالیٰ نے یہ نہیں کیا بلکہ ہماری جنس سے پیغمبر بنائے کہ وہ ہماری طرح کھاتے پیتے بھی ہیں ازواج وتعلقات بھی رکھتے ہیں، تمدن ومعاشرت کے بھی خوگر ہیں اور ان کے ساتھ کتابیں بھیجیں تا کہ کتاب میں احکام ہوں اور وہ خود بنفس نفیس ان کی تعمیل کر کے دکھائیں تا کہ ہم کو سہولت ہو............... جتنی باتیں انسان کو پیش آتی ہیں سب آپ کو پیش آئیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیبیاں رکھیں اور اپنی اولاد کا نکاح کیا..........اب آپ دیکھ لیجئے کہ کون سا فعل ہمارا نمونہ کے موافق ہے، کوئی تقریب خوشی کی ہوتی ہے تو ہم یہ نہیں دیکھتے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے) دستور العمل میں کیا ہے۔[1]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اور رخصتی

نکاح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرما دیا کہ جو کوئی مل جائے اسے بلا لو، پہلے سے کوئی اہتمام نہ کیا، نہ اس کے لیے مجمع کیا گیا اور نہ کوئی خاص اہتمام ہوا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آسمان کے فرشتوں کو بھی بلا لیتے، آپ نے صرف چند آدمیوں کو بلایا ان میں حضرت انس، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی

[1] منازعۃ الہویٰ، ص: ۴۵۰، ۴۵۶۔

اللہ عنہم اور ایک دو صحابی اور تھے اور یہ سن کر حیرت ہوگی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے، آپ کی غَیبَت میں نکاح معلق کر دیا گیا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی تب آپ نے قبول کیا۔

اب رخصتی سنیے! نکاح کے بعد ام ایمن سے فرمادیا کہ حضرت فاطمہ کو پہنچادو، برقعہ چادر پہنا کر ہاتھ پکڑ کر پہنچا آئیں.............الغرض: حضرت فاطمہ کو ام ایمن کے ہمراہ حضرت علی کے یہاں پہنچوادیا، نہ پالکی تھی، نہ رتھ تھا، نہ عماری (ہودج) تھی اپنے پاؤں چلی گئیں۔

صاحبو! یہ دونوں جہاں کی شہزادی کی رخصتی ہے جس میں نہ دھوم دھام نہ میانہ پالکی نہ بکھیر، (نہ بارات) ہم لوگوں کو لازم ہے کہ اپنے پیغمبر سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں اور اپنی عزت کو حضور کی عزت سے بڑھ کر نہ سمجھیں [1]

رخصتی کرتے وقت مناسب وقت کا لحاظ کرنا چاہئے

(آج کل) رخصتی کے وقت ماں باپ کچھ خیال نہیں کرتے کہ یہ وقت (رخصتی کے لیے) مناسب ہے یا نہیں، جب چاہیں برات کے ساتھ کر دیتے ہیں چاہے راستہ میں ڈاکو ہی مل جائیں، بھلا لڑکے والوں کو تو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان باتوں کا خیال کریں، مگر لڑکی والوں کو تو سمجھ کر رخصت کرنا چاہئے۔

اکثر عصر کے وقت برات چلتی ہے اور لڑکی کے ماں باپ بھی غضب کرتے ہیں کہ اسی وقت رخصت کر دیتے ہیں، شاید یہ سمجھتے ہوں کہ اب ہماری چیز نہیں رہی ورنہ حفاظت کی اب پہلے سے زیادہ ضرورت ہے کیونکہ زیب و زینت کی حالت میں ہے خدا جانے کیا بات پیش آئے، جب انسان دین چھوڑتا ہے تو عقل بھی رخصت ہو جاتی ہے [2]

[1] حقوق الزوجین، ص: ۳۴۸۔ [2] حقوق الزوجین، ص: ۳۶۷، ۳۴۸۔

بیاہ شادی تو سب سے آسان عمل ہے

اس کے متعلق شریعت میں کتنی راحت کی تعلیم ہے، برخلاف ان رسوم کے جو ہم نے ایجاد کرر کھے ہیں کہ ان چیزوں میں کتنی مشکلات ہیں، دیکھئے نکاح کتنا مختصر ہے کہ کوئی چیز ایسی مختصر نہیں ہے سب میں پیسہ لگتا ہے مگر اس میں ایک پیسہ بھی صرف نہیں ہوتا، آدمی کو رہنے کے لیے مکان کی ضرورت ہوتی ہے اس میں بھی پیسہ لگتا ہے کھانے پینے میں پیسہ لگتا ہے، لیکن نکاح میں ایک پیسہ بھی نہیں لگتا کیونکہ نکاح کا رکن ہے ایجاب وقبول، صرف زبان سے دو لفظ کہنا ہے اس میں کیا لگا۔

اگر یہ کہو کہ نکاح میں لگتا کیوں نہیں؟ چھوارے تقسیم ہوتے ہیں اور مہر میں تو پیسہ لگتا ہی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ چھوارے تقسیم کرنا واجب نہیں، رہا مہر سو اکثر ادھار ہوتا ہے، اصل چیز جس سے مفر نہیں وہ عقد ہے اور عقد نکاح میں ایک پیسہ کا بھی خرچ نہیں۔

رہا ولیمہ سو وہ بھی سنت ہے واجب اور فرض نہیں پھر وہ نکاح کے بعد کا قصہ ہے اور ولیمہ بھی پہلے زمانہ میں سنت تھا (اور آج کل ہم نے اس کو واجب سمجھ رکھا ہے)۔ اس وقت جو اکثر رسمی ولیمہ ہوتا ہے وہ محض تفاخر کے لیے ہوتا ہے اس میں روپیہ بالکل برباد ہی جاتا ہے غور کیا جائے تو ہمارا زیادہ تر روپیہ تفاخر ہی میں برباد ہوتا ہے۔[1]

بیاہ شادی میں سادگی ہی مطلوب ہے

احادیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ نکاح نہایت سادی چیز ہے بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ مجلس میں موجود بھی نہ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھ کر یوں فرمایا تھا: ''اِنْ رَضِیَ عَلِیٌّ بِذٰلِکَ ''، یعنی اگر علی اس نکاح کو منظور کریں، جب حضرت علی کو خبر ہوئی تو انہوں

[1] الاتمام لنعمۃ الاسلام ملحقہ محاسن اسلام، ص: ۲۲۴۔

نے فرمایا کہ میں نے قبول کیا، کیسا سادہ نکاح ہے جہاں دولہا بھی موجود نہ تھے۔

بعض لوگ اس سادگی کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ آپ کے پاس تھا ہی کیا، فقر و فاقہ کی حالت تھی، جہاں جبرئیل دربانی کریں، اگر آپ چاہتے تو ملائکہ آتے جنت سے جوڑے جہیز میں لاتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کیا پوچھتے ہو، اولیاء اللہ عجیب عجیب شان کے ہوئے ہیں کہ ان کی مرادیں مسترد نہیں ہوئیں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواہش کرے اور وہ مسترد ہوتی؟ حاشا وکلا (ہرگز نہیں) [۱]

شادی کا مختصر نہایت آسان اور سادہ طریقہ

منگنی میں زبانی وعدہ کافی ہے، نہ حجام کی ضرورت نہ جوڑا، نشانی اور شیرینی کی حاجت اور جب دونوں (لڑکا لڑکی) نکاح کے قابل ہو جائیں زبانی یا بذریعہ خط و کتابت کوئی وقت ٹھیرا کر دولہا کو بلالیں ایک اس کا سرپرست اور ایک خدمت گزار اس کے ہمراہ کافی ہے نہ بَری کی ضرورت نہ برات کی حاجت۔

نکاح کے فوراً یا ایک آدھ روز مہمان رکھ کر اس کو رخصت کر دیں اور اپنی گنجائش کے بقدر جو ضروری (سامان) اور کارآمد چیزیں جہیز میں دینا منظور ہوں بلا اعلان کے اس کے گھر بھیج دیں، یا اپنے گھر میں اس کے سپرد کر دیں نہ سسرال کے جوڑوں کی ضرورت، نہ چوتھی بھوڑوں کی حاجت، اور جب چاہیں دلہن والے بلالیں اور جب موقع ہو، دولہا والے بلالیں اگر توفیق ہو تو شکریہ میں حاجت مندوں کو دیدو۔

کسی کام کے لیے قرض مت کرو، البتہ ولیمہ مسنون ہے وہ بھی خلوص نیت و اختصار کے ساتھ نہ کہ فخر و اشتہار کے ساتھ، ورنہ ایسا ولیمہ بھی جائز نہیں، حدیث میں ایسے ولیمہ کو "شَرُّ الطَّعَامِ" فرمایا گیا ہے نہ ایسا ولیمہ جائز نہ اس کا قبول کرنا جائز۔ [۲]

---

[۱] العاقلات الغافلات، ص: ۳۴۶۔ [۲] اصلاح الرسوم، ص: ۸۸۔

سادگی اور سہولت کے ساتھ شادی کرنے کا عمدہ نمونہ

فرمایا: میاں محمد مظہر (حضرت تھانویؒ کے سب سے چھوٹے بھائی) کی شادی بالکل سادی ہوئی تھی صرف ایک بہلی (یعنی بیل گاڑی) تھی اس میں تو مظہر اور ایک مولوی شبیر جو اس وقت بچے تھے ان کو اس لیے ساتھ لے لیا تھا کہ شاید گھر میں آنے جانے یا کسی بات کے کہلانے کی ضرورت ہو وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں بھی کوئی گڑبڑ نہیں، صرف خاص خاص عزیزوں کی دعوت ہے جن کی تعداد چھ سات سے زائد نہ تھی اور یہ لوگ بھی وہ تھے جو خاندان کے تھے، مگر یہ لوگ محض اس وجہ سے خفا تھے کہ رسوم کیوں نہیں کی گئیں، مجھ کو جب یہ معلوم ہوا تو میں نے لڑکی والوں سے کہا کہ صاف کہہ دو، اگر جی چاہے شریک ہو جائیں ورنہ اپنے گھر بیٹھے رہیں، ہمیں ان کو شریک کرنے کی ضرورت نہیں ان لوگوں نے دعوت ہی قبول نہ کی تھی مگر میرا یہ صفائی کا جواب سن کر سب سیدھے ہو گئے اور سب ہاتھ دھودھو کر دسترخوان پر آ کے بیٹھ گئے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکی کی ماں اس اختصار (اور سادگی) سے بڑی شکر گزار ہوئیں، اور کہنے لگیں اگر زیادہ بکھیرا ہوتا میرے پاس ایک سونے کا ہار تھا وہ بھی جاتا اور قرض لینا پڑتا۔

یہ لڑکی کی ماں میرے بڑے گھر کی حقیقی خالہ ہوتی تھیں اس لیے میں بھی ان کو عرفاً خالہ ہی کہتا تھا میں نے ان سے پوچھا کہ لڑکی کو کس وقت رخصت کرو گی، کہنے لگیں جلدی تو ہو نہیں سکتی اس لیے کہ جلدی میں نہ تو کچھ کھاؤ گے نہ ٹھہرو گے، میں نے کہا کہ کھانا تو پکا کر ساتھ کر دو........ جہاں بھوک لگے گی کھا لیں گے، اور ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جب انہوں نے پھر اپنی رائے کا اعادہ کیا، تب میں نے کہا بہت اچھا جب تم رخصت کرو گی ہم اسی وقت چلے جائیں گے لیکن یہ بات یاد رکھو کہ اگر دیر سے رخصت کیا تو ظہر کی نماز کا وقت راستہ میں ہوگا اور میں اپنے اہتمام میں لڑکی کی نماز قضا

نہ ہونے دوں گا تو لڑکی کو گاڑی سے اترنا پڑے گا اور یہ بھی تم سمجھتی ہو کہ لڑکی نئی نویلی ہوگی اور پہنے اوڑھے ہوگی، عطر تیل خوشبو وغیرہ بھی لگا ہوگا اور یہ مشہور ہے کہ کیکر وغیرہ کے درخت پر بھتنی (چڑیل) وغیرہ رہا کرتی ہیں، سو اگر کوئی بھتنی چمٹ گئی تو میں ذمہ دار نہیں، چونکہ عورتوں کے مذاق کے مطابق گفتگو تھی، سمجھ میں آ گئی فوراً کہنے لگیں نہ بھائی میں نہیں روکتی جب تمہارا جی چاہے جا سکتے ہو، میں نے کہا فجر کی نماز کے بعد فوراً سوار کر دو، انہوں نے کہا قبول کر لیا۔

پیسے بکھیرنے اور لٹانے کی رسم

اب جب صبح ہوئی اور چلنے کا وقت ہوا تو ایک رسم ہے ''بکھیر'' کہ دلہن کو رخصت کے وقت بستی کے اندر اندر کچھ روپے پیسے کی بکھیر کی جاتی ہے، (یعنی لٹائے جاتے ہیں) میں نے یہ کہا کہ کچھ روپے مساکین میں تقسیم کر دیئے جائیں اور کچھ مسجدوں میں دے دیئے جائیں محض اس وجہ سے کہ لوگ بخل و دناءت کا شبہہ نہ کریں۔

اس سادگی کے متعلق یہ روایت سنی گئی ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ شادی اس کو کہتے ہیں کہ قلب کے اندر تازگی، شگفتگی اور انشراح معلوم ہوتا ہے، یہ دنیا داروں نے کہا، واقعی شریعت پر عمل کرنے سے ایک نور پیدا ہوتا ہے[۱]

ایک نکاح میں حضرت تھانویؒ کی سرپرستی کا قصہ

ہم ایک شادی میں دولہا کے سرپرست بن کر گئے تھے اور یہ پہلے سے طے ہو گیا تھا کہ کوئی رسم نہ ہوگی خیر عصر کے بعد نکاح تو ہو گیا اور مغرب کے بعد کھانا آیا تو نائی ہاتھ دھلا کر منتظر تھا کہ اب کچھ ملے گا مگر کچھ بھی نہ ملا، کھانے کے بعد پھر منتظر رہا، آخر ایک طباق میرے سامنے رکھ کر (گویا جھولی اور دامن پھیلا کر) زبان سے کہا: حضور ہمارا حق

[۱] الافاضات الیومیہ، ۲/ ۳۶۰-۳۶۱۔

دیجئے ہم نے کہا کہ کیسا حق ؟ حق قانونی یا حق رسمی؟ میں نے کہا: اپنے آقا سے کہو انہوں تمام رسموں کے بند ہونے کو کیوں منظور کر لیا تھا؟ اس وقت ایک مولوی صاحب بھی کھانے میں موجود تھے انہوں نے آہستہ سے کہا یہ تو رسم نہیں ہے بلکہ حق خدمت ہے، خدمت گذار کو دینا اچھی بات ہے مگر میں نے بآواز بلند کہا کہ حق خدمت اپنے خادم کو دیا جاتا ہے یا دنیا بھر کے خادموں کو؟ میرے نائی نے میری خدمت کی اس کو اگر ہم کچھ دیں تو اس کا حق ہوسکتا ہے دوسرے کی خدمت گذار کا ہم پر کیا حق ہے؟ اس تقریر سے مولوی صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔

صبح ہوئی تو فرد خرچ کے متعلق گفتگو ہوئی، اہل رسوم میں ایک فرد ہوتی ہے کمینوں کی جس میں ان کا نیگ لکھا ہوا ہوتا ہے مگر کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ ہمارے سامنے پیش کرے، میرے ایک دوست تھے ان کے ذریعہ سے پیش ہوئی انہوں نے کہا: اس میں کیا رائے ہے میں نے کہا وہی رات کی رائے۔

اور میں نے یہ بھی کہا کہ لوگوں کو شرم نہیں آتی، فرد پیش کرتے ہوئے کہ نائی سے کام تو خود اپنا کرایا، سقے سے پانی بھرایا اور اجرت دیں ہم؟

اپنے مہمان سے اجرت دلانا کس قدر بے غیرتی کی بات ہے، مگر ان رسموں کی پابندی میں عقل تو رخصت ہوئی تھی غیرت بھی جاتی رہی۔

اب رخصتی کا وقت آیا لڑکی والوں نے تقاضا کیا کہ پالکی یا میانہ لاؤ، ہم بغیر پالکی یا ڈولی کے رخصتی نہ کریں گے میں نے کہا ہم (اس طرح) رخصتی ہی نہیں چاہتے ساتھیوں نے کہا کیا رائے ہے؟ میں نے کہا رائے یہی ہے کیونکہ نکاح تو ہو ہی چکا ہے ہم اپنے گھر جاتے ہیں تم خود دلہن کو ہمارے پیچھے پیچھے لاؤ گے اب سیدھے ہو گئے۔

پھر کہنے لگے جہیز کے لیے چھکڑا لاؤ میں نے کہا ہم جہیز ہی نہیں لے جاتے، آخر چھکڑا بھی خود لائے، عورتیں کوستی رہیں، مگر ہم مظلوم تھے ظالم کے کوسنے سے مظلوم کا نقصان نہیں ہوتا، غرض ایسی برکت کا نکاح ہوا کہ دونوں طرف کا نکاح ہوا ایک پیسہ خرچ

نہ ہوا(کیونکہ برکت والا نکاح وہی ہوتا ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے)۔

اسی دولہا کے ایک دوسرے بھائی کا نکاح رسم کے ساتھ ہوا تو وہ قرض دار ہو گیا، میں نے کہا: ایک نکاح ہوا تو اس میں قرض ہوا اور دوسرا ہوا تو ختم ہی ہو جائے گا، اس قرض دار کی دلہن کو ستی تھی، ماں باپ کو بھی ساس سسر کو بھی کہ ان کا کیا حق نقصان ہو، روٹی کی کمی تو ہم پر ہو گئی (یعنی تنگی ہو گئی)۔[۱]

اگر میری لڑکیاں ہوتیں تو میں کس طرح شادی کرتا

اگر ایسا اتفاق مجھ کو پڑا ہوتا تو اس وقت خیال یہ ہے کہ میں یوں کرتا کہ اس کام کے لیے وطن آنے کی ضرورت نہ سمجھتا اور سفر کے مصارف میں اتنا روپیہ ضائع نہ کرتا، لڑکے والوں کو لکھ دیتا کہ لڑکا اور ایک اس کا مخدوم سرپرست اور اُس کے خادم کل چار آدمی یہاں آ جائیں اور اسی مکان میں یا کوئی اور اچھا وسیع مکان کرایہ پر لے کر ان کا قیام کراتا اور لڑکیوں کو اپنے گھر کا جوڑا پہناتا اور لڑکوں (داماد) کو مجبور کرتا کہ اپنا جوڑا پہن کر آؤ، اور نکاح کی مجلس میں کسی کو اہتمام کر کے نہ بلاتا محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سب کو لے جاتا اور نماز کے بعد کہہ دیا جاتا کہ سب صاحب ذرا ٹھہر جائیں وہی مجمع اعلان وشہادت کے لیے کافی ہوتا اور خود یا کسی عالم کی وساطت (ذریعہ) سے نکاح پڑھ دیتا اور روپیہ دو روپیہ کے خرما (چھوارے) تقسیم کر دیتا اس میں مسجد میں نکاح پڑھنے کی بھی تعمیل ہو جاتی۔

وہاں سے مکان پر آ کر اسی وقت یا جس وقت موقع ہوتا لڑکیوں کو بلا جہیز کے اس کرایہ کے مکان میں رخصت کر دیتا، اور ایک معتبر خادمہ کو ان کے ہمراہ کر دیتا اور دوسرے روز کرایہ کے مکان سے اپنے سکونت کے مکان پر بلاتا اور ایک روز دو روز رکھ کر پھر اس کے کرایہ کے مکان میں بھیج دیتا جب دیکھتا کہ لڑکیاں مانوس ہو چکی ہیں تو

[۱] الاتمام لنعمة الاسلام ملحقہ محاسن اسلام، ص: ۲۲۸۔

لڑکوں کے ساتھ ان کی بستی کو روانہ کر دیتا۔

جہیز میں پانچ پانچ جوڑے پچاس پچاس روپے کا زیور اور پانچ پانچ سو روپے کی جائداد صحرائی دیتا، برتن، پلنگ، خوان پوش، بٹوے، گوٹے، ٹھپّے، مٹھائی وغیرہ کچھ نہ دیتا اور دولہا یا دلہن کے کسی عزیز قریب کو ایک پارچہ (ٹکڑا) نہ دیتا، اور تمام عمر متفرق طور پر لڑکیوں کو وقتاً فوقتاً جو چیز دینے کو میرا دل چاہتا (نہ کہ برادری وکنبہ واہل عرف کی خواہش کی مطابق) ان کو دیتا رہتا اور جائداد اگر ان بستیوں میں ہوتی ان کو انتظام سپرد کرتا اور اگر اپنے وطن میں ہوتی خود انتظام کرتا، اور ان کو ان کے محاصل (آمدنی) ششماہی یا سالانہ حساب کے ساتھ دیتا رہتا۔

باقی میں اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا، میں قسم کھا کر کہتا ہوں میں نہ زور ڈالنا چاہتا ہوں نہ دخل دینا پسند کرتا ہوں صرف اپنے خیال کا اظہار کر دیا، دوسروں کو مجبور وتنگ نہیں کرتا اگر کوئی شخص درجہ مباح تک وسعت کرے تو اس کو دل میں برا نہ سمجھوں گا، گنہگار نہ کہوں گا شرعاً قابل ملامت نہ جانوں گا[1]

[1] امداد الفتاویٰ، ج:۵،ص:۳۸۰۔

باب(۱۷)

شادیوں کے بعض منکرات ومحرّمات

شادی کے موقع پرنوٹنکی وغیرہ کرانے اور ناچنے وگانے کی رسم

شادیوں میں دوطرح پرناچ ہوتا ہےایک تو رنڈی وغیرہ کا ناچ دوسرا وہ ناچ جو خاص عورتوں کی محفل میں ہوتا ہے یہ دونوں حرام اور ناجائز ہیں۔

رنڈی کے ناچ میں جو گناہ اور خرابیاں ہیں ان کو سب جانتے ہیں کہ نامحرم عورت کو سب مرد دیکھتے ہیں یہ آنکھ کا زنا ہے، اس کے بولنے اور گانے کی آواز سنتے ہیں یہ کان کا زنا ہے، اس سے باتیں کرتے ہیں یہ زبان کا زنا ہے، اس کی طرف دل کو رغبت ہوتی ہے یہ دل کا زنا ہے، جو زیادہ بے حیا ہیں اس کو ہاتھ بھی لگاتے ہیں یہ ہاتھ کا زنا ہے، اس کی طرف چل کر جاتے ہیں یہ پاؤں کا زنا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس طرح بدکاری زنا ہے اسی طرح آنکھ سے دیکھنا کان سے سننا پاؤں سے چلنا وغیرہ ان سب باتوں سے زنا کا گناہ ہوتا ہے پھر گناہ کو کھلم کھلا کرنا شریعت میں اور بھی برا ہے۔

حدیث شریف میں یہ مضمون آیا ہے کہ جب کسی قوم میں بے حیائی اور فحاشی اتنی پھیل جائے کہ لوگ کھلم کھلا کرنے لگیں تو ضرور ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل پڑتی ہیں جو ان کے بزرگوں میں (یعنی پہلے) کبھی نہیں ہوئیں۔

اب رہ گیا وہ ناچ جو عورتوں میں ہوتا ہے، کوئی عورت ناچتی ہے اور کولھے وغیرہ مٹکا چمکا کر تماشہ کرتی ہے بعضی عورتیں اس ناچنے والی عورت کے سر پر ٹوپی رکھ دیتی ہیں .... یہ سب ہر طرح ناجائز ہے خواہ اس میں کسی قسم کا ڈھول باجہ وغیرہ ہو یا نہ ہو، کتابوں میں بندروں تک کے تماشوں کو منع لکھا ہے تو آدمیوں کو نچانا کیوں برا نہ ہوگا، پھر کبھی گھر کے مردوں کی بھی نظر پڑتی ہے اور کبھی یہ ناچنے والی گاتی بھی ہے، اور گھر سے باہر مردوں کے کان میں آواز پہنچتی ہے جب مردوں کو عورتوں کا گانا سننا گناہ ہے تو جو عورت اس گناہ کا ذریعہ بنی وہ بھی گناہ گار ہوگی، اور چونکہ اکثر گانے والی جوان خوش آواز اور عشقیہ مضمون یاد رکھنے والی تلاش کی جاتی ہے اور اکثر اس کی آواز غیر مردوں کے کان میں پہنچتی ہے اس کا سبب عورتیں ہی ہوتیں ہیں۔

اور کبھی کبھی ایسے مضمونوں کے شعر سے بعض عورتوں کے دل بھی خراب ہو جاتے ہیں بعض دفعہ ان کے شوہر یا دولہا کی طبیعت ناچنے والی پر آجاتی ہے اور اپنی بیوی سے دل ہٹ جاتا ہے پھر یہ ساری عمر روتی پھرتی ہے۔

پھر رات رات بھر یہ شغل رہتا ہے، بہت عورتوں کی صبح کی نمازیں غارت ہو جاتی ہیں، اس لیے یہ بھی منع ہے، غرضیکہ ہر قسم کا ناچ اور راگ باجہ جو آج کل ہوا کرتا ہے سب گناہ ہے۔[1]

آتش بازی

شادی میں انار، پٹاخے اور آتشبازی چھڑانے میں کئی گناہ ہیں، اول تو یہ کہ پیسہ

---

[1] بہشتی زیور، ج:۶، ص:۳۲۵۔

فضول برباد جاتا ہے، قرآن شریف میں مال اڑانے (یعنی برباد کرنے) والوں کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے۔

اور ایک آیت میں فرمایا ہے کہ فضول مال اڑانے والوں کو اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے یعنی ان سے بیزار ہیں، دوسرے ہاتھ پاؤں کے جلنے کا اندیشہ یا مکان میں آگ لگ جانے کا خوف ہوتا ہے، اور اپنی جان یا مال کو ایسی ہلاکت اور خطرے میں ڈالنا خود شریعت میں برا ہے۔

تیسرے اکثر لکھے ہوئے کاغذ آتش بازی کے کام میں لائے جاتے ہیں، خود حروف بھی ادب کی چیز ہے، اس طرح کے کاموں میں ان کو لانا منع ہے، بلکہ بعض کاغذوں پر قرآن کی آیتیں یا حدیثیں یا نبیوں کے نام لکھے ہوتے ہیں، بتلاؤ تو سہی ان کے ساتھ بے ادبی کرنے کا کتنا بڑا وبال ہے۔[1]

بیاہ شادی میں فوٹو کھینچنا اور اس کی فلم تیار کرنا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رحمت کے فرشتے نہیں داخل ہوتے اس گھر میں جس میں کتا یا تصویر ہو۔[2]

اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سب سے زیادہ عذاب اللہ تعالیٰ کے نزدیک تصویر بنانے والے کو ہوگا۔[3]

حدیثوں سے تصویر بنانا، تصویر رکھنا سب کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے اسی لیے ان باتوں سے بہت بچنا چاہیے۔[4]

احادیث صحیحہ کی رو سے تصویر بنانا رکھنا سب حرام ہے اور اس کو زائل کرنا، مٹانا اور ختم کرنا واجب ہے، اس لیے کہ یہ معاملات سخت گناہ ہیں، تصویر بنانے کی نوکری کرنا (بھی) جائز نہیں۔[5]

---

[1] ایضاً، ج:۶، ص:۳۲۶۔ [2] ابوداؤد۔ [3] مسلم شریف۔ [4] بہشتی زیور، ص:۳۲۵۔
[5] امداد الفتاویٰ، ج:۴، ص:۲۴۳۔

کاغذ اور کپڑوں میں بنی ہوئی تصاویر کا شرعی حکم حدیث کی روشنی میں

تصویر ذی حیات (یعنی جاندار کی تصویر) بنانا علی الاطلاق حرام ومعصیت شدیدہ ہے خواہ ذوظل یعنی مجسمہ ہو (یعنی سایہ دار جسم والی ہو) خواہ غیر ذی ظل یعنی منقوشہ ہو (یعنی غیر سایہ دار ہو جیسے کپڑے وکاغذ میں)۔

لإطلاق احاديث الوعيد وخصوص النكير على الرقم غير ذى الظل وهو مافى صحيح البخارى باب ماوطئى من التصاوير ، عن عائشةؓ قالت قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم من سفر وقد سترت بقرام لى على سهوة لى فيه تماثيل فلما رآه رسول الله صلى الله عليه وسلم هتكه وقال اشد الناس عذابايوم القيٰمة يضاهون بخلق الله قالت فجعلناه وسادة او وسادتين [1]

ترجمہ: کیونکہ وعید کی حدیثیں عام ہیں اور غیر سایہ دار نقش پر نکیر کی حدیث خاص ہے۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے اور میں نے گھر کے سائبان پر ایک پردہ لٹکا رکھا تھا جس میں تصویریں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس پردہ کو دیکھا تو اسے کھینچ کر اتار دیا اور فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ لوگ مبتلا ہوں گے جو لوگ اللہ کی مخلوق کی طرح تصویر بناتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ پھر ہم نے اس پردہ کے ایک یا دو گدّے بنادیئے۔

(عن القاسم بن محمد عن عائشة رزج النبى صلى الله عليه وسلم

[1] بخارى شريف باب ما وطى من التصاوير ۲/ ۸۸۰.

أنها اشترت نمرقه فيها تصاوير فلما رآها رسول الله صلى الله عليه وسلم قام على الباب ولم يدخل فعرفت فى وجهه الكراهية، وقالت: يا رسول الله اتوب إلى الله ورسوله ماذا اذنبت؟ فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما بال هذه النمرقة؟ فقالت: اشتريتها لک لتقعد عليها وتوسدها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم أحيوا ما خلقتم ، وقال ان البيت الذى فيه الصور لا تدخله الملئكة)[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک گدّا خریا، جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو دیکھا تو دروازہ پر کھڑے ہوگئے، اندر داخل نہیں ہوئے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے آپ کے چہرے سے ناگواری کے آثار محسوس کئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں، میں نے کون سا جرم کیا (جس کی وجہ سے آپ گھر میں داخل نہیں ہورہے ہیں؟) آپ نے ارشاد فرمایا: یہ (تصویردار) گدّا کیسا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا میں نے آپ کی راحت کے واسطے اس کو خریدا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں گے، اور ٹیک لگائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس قسم کی تصویر بنانے والوں کو قیامت میں عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے تصویر بنائی ہے اس میں جان ڈالو! پھر آپ نے فرمایا کہ وہ گھر جس میں ایسی تصویریں ہوں (رحمت کے) فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے)۔

تصاویر کی حرمت ایک اجماعی مسئلہ

وللا جماع قال النووى بعد نقل حرمة صنع تصاوير الحيوانات

[1] الموطا مالک، بخاری شریف حدیث نمبر: ۲۵۵۶۲.

مانصه ولا فرق فی هذا کله بین ماله ظل ومالاظل له' هذاتلخیص مذهبنا فی المسئلة وبمعناه قال جما هیرا العلماء من الصحابة والتابعین ومن بعدهم وهو مذهب الثوری ومالک وأبی حنیفة وغیرهم وقال بعض السلف انما ینهی عما کان له ظل ولا باس بالصور التی لیس لها ظل وهذا مذهب باطل فان الستر الذی انکر النبی صلی الله علیه وسلم الصورة فیه لایشک احد انه' مذموم ولیس لصورة ظل، مع باقی الأحادیث مطلقة فی کل صورة [1]

ترجمہ: تصاویر کی حرمت ایک اجماعی مسئلہ ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حیوانات کی تصویر سازی کی حرمت تحریر فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں سایہ دار اور غیر سایہ دار تصویر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے (یعنی ہر جاندار کی تصویر حرام ہے خواہ سایہ دار ہو یا غیر سایہ دار) یہ ہمارے مسلک کا خلاصہ ہے اور جمہور صحابہ، جمہور تابعین، جمہور علماء کا قول ہے اور یہی مسلک ہے سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا، بعض علمائے سلف فرماتے ہیں کہ سایہ دار چیز کی تصویر ممنوع ہے اور غیر سایہ دار چیز کی تصویر جائز ہے ،لیکن یہ مذہب بالکل باطل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر والے پردہ پر ہی نکیر فرمائی (جس کی تصویر سایہ دار نہیں ہوتی، اسی طرح کاغذ میں بنی ہوئی تصاویر بھی) لہٰذا اس کی قباحت و مذمت میں تو کوئی شک ہی نہیں، اس کے علاوہ کئی حدیثوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کا عدم جواز علی الاطلاق بیان فرمایا ہے)۔

[1] مسلم شریف جلد ثانی ص۱۹۹ باب تحریم تصویر صورة الحیوان وتحریم اتخاذ مافیه صور غیر ممتهنة بالفرش ونحوه.

بعض حدیثوں سے غلط فہمی اور ان کا ازالہ

رہا استثناء ''إلا رقما فی ثوب'' کا (یعنی بعض احادیث سے جو معلوم ہوتا ہے کہ تصویر ناجائز ہے سوائے ان تصویروں کے جو کپڑوں میں بنی ہوں) سو چونکہ یہ استثناء دوسرے نصوص صحیحہ صریحہ، قویہ، و اجماع سے معارض ہے اور تاریخ معلوم نہیں اس لئے یا منسوخ ہے اس قاعدہ کی بنا پر:

اذاتعارض المحرم والمبیح ترجح المحرم۔

(کہ حرام اور مباح میں تعارض کے وقت حرام کو ترجیح ہوتی ہے) اور یا مأوّل یا مقیّد ہے۔

تاویل یہ ہے جس کو صاحب فتح نے ابن العربی سے نقل کیا ہے **بقوله الثالث ان کانت صورة باقیة الشکل حرم وان قطعت الراس وتفرقت الاجزاء جاز قال وهٰذا هو الاصح،**

(ترجمہ: ابن العربی کا قول یہ ہے کہ اگر تصویر مکمل شکل کی ہو تو حرام ہے اور اگر سر اور دوسرے اعضاء کٹے ہوئے ہوں تو جائز ہے یہ مسلک زیادہ درست معلوم ہوتا ہے)۔

اور نیز صاحب فتح (حافظ ابن حجرؒ) نے اس تاویل کی تائید میں فرمایا ہے:

ویؤید هذا الجمع الحدیث الذی فی الباب قبله فی نقض الصور (ای فی صحیح البخاری عن عائشةؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یکن یترک فی بیته شیئا فیه تصالیب وفی نسخة تصاویر إلانقضه اهـ) [1]

اور اس جمع و تطبیق کی تائید بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اس باب سے پہلے (یعنی بخاری شریف کے اس باب سے پہلے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

[1] بخاری شریف ۲/ ۸۸۰.

کا تصویروں کو توڑنے کا ذکر آیا ہے) باب میں ہے (جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کسی تصویر کو توڑے بغیر نہیں چھوڑتے، یعنی جو بھی تصویر آپ کو گھر میں نظر آتی آپ اس کو فوراً توڑ ڈالتے)۔

تصویردار پردے اور تکیہ پر آپ نے نکیر فرمائی اور عذاب کی خبر دی

اور تقیید یہ ہے جس کو صاحب فتح نے ابن العربی سے نقل کیا ہے **بقوله الرابع ان کان مما یمتهن جاز وان کان معلقالم یجزاه کله من الحواشی علی صحیح البخاری باب التصاویر الی "باب من کره القعود علی الصور" ولفظ حدیث الباب الأخیر، قال: ماهذه النمرقة؟ قلت: لتجلس علیها وتوسدها قال ان اصحاب هٰذه الصور یعذبون یوم القیٰمة الخ** [1]

(ترجمہ: ابن العربی کی رائے یہ ہے کہ اگر تصویر ایسی ہو کہ پامال کی جاتی ہو تو جائز ہے اور اگر لٹکی ہوئی ہو تو ناجائز ہے۔ یہ ساری تفصیلات بخاری شریف کے حاشیہ سے ماخوذ ہیں جو **باب التصاویر** سے لے کر **باب من کره القعود علی الصور** میں مذکور ہے، اس حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا یہ گدا کس لئے ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، آپ کے بیٹھنے اور اس پر ٹیک لگانے کے لئے ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔)

اور تقیید کا قرینہ یہ ہے کہ عادۃً ثوب ممتہن ہوتا ہے (یعنی کپڑے پامال ہوتے

[1] بخاری ۸۸۰/۲.

ہیں، روندے جاتے ہیں) چنانچہ جو ثوب ممتہن نہ تھا جیسا حدیث اول میں ہے **قــــد سـتـرت بقرام الخ** (یعنی تصویر دار کپڑے کا پردہ بنایا تھا جو پامال نہیں ہوتا بلکہ زینت وعزت کے لئے بھی ہوتا ہے) اس میں آپ نے جائز نہیں رکھا (بلکہ نکیر فرمائی) ۔

مفاسد اور عوارض کی بنا پر بھی کپڑے و کاغذ اور اخبار کی تصویریں حرام ہیں

اور بالفرض اس مذہب کو بھی احتمالاً اگر صحیح مان لیا جاوے تب بھی کلیات شرعیہ سے ایک دوسری قید سے اس کی تقیید ضروری ہے وہ یہ کہ اس سے کوئی محذور (یعنی شرعی خرابی) لازم نہ آئے اور یہاں محذور مشاہد ہے چنانچہ اس توسع کا عوام پر یہ اثر ہوا کہ تصویر سے مطلقاً نفرت نہیں رہی مجسمہ تک کو جائز سمجھنے لگے، شہوت انگیز اور فحش تصویریں لذت کے لئے رکھنے لگے، سو ایسی حالت میں تو مباحات متفق علیہا بھی حرام ہوجاتے ہیں چنانچہ ایسے ہی عارض سے اجنبیہ کی چادر پر نظر کرنے کو فقہاء نے حرام فرمایا اور تعجب نہیں کہ اوپر باب اخیر کی حدیث میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جلوس وتوسد (یعنی تصویر والے کپڑے پر بیٹھنے اور ٹیک لگانے) کو بھی ناپسند فرمایا اس کا یہی محمل ہو۔

اس تقریر سے ان لوگوں پر بھی کوئی اشکال نہیں رہا جو تصویر ممتہن یعنی پامال کی جانے والی تصویر کے جواز کے قائل ہیں، کیونکہ اس کی حرمت تو مفاسد وعوارض کی وجہ سے ہوگی جو ہر صورت کو شامل ہے۔

بہر حال کاغذ وغیرہ پر متعارف منقوش (ومطبوع یعنی کاغذ میں چھپی ہوئی اور دیوار یا کپڑوں میں بنی ہوئی) تصویریں یقیناً حرام ہیں خواہ **لعینها خواہ لغیرها** (خواہ اپنی ذات کے لحاظ سے یا عوارض ومفاسد کی وجہ سے) ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ سے فرشتوں اور حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی اور دیگر تمام ایسی تصاویر کو بھی بالکل مٹا دیا تھا جو غیر سایہ دار تھیں

بیت اللہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام وحضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصاویر تھیں مگر آپ نے جو ان کے ساتھ معاملہ کیا حدیثوں میں مذکور اور مشہور ہے، کہ اس کو نکال باہر کیا اور ختم کیا[1]

اہل جاہلیت نے جیسے خانہ کعبہ کے اردگرد بت کھڑے کئے تھے اسی طرح جوف کعبہ کے اندر تصاویر منقوش بھی بنائی تھیں (یعنی دیواروں میں نقش کی تھیں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قسم کی تصاویر کے ساتھ یکساں معاملہ فرمایا یعنی نہایت اہتمام کے ساتھ ان کا ازالہ فرمایا کمافی **زاد المعاد فصل فی الفتح الاعظم (فتح مکة) ثم نهض رسول الله صلی الله علیه وسلم فأقبل الی الحجر الاسود وفی یده قوس وحول البیت ثلثمائة وستون صنما فجعل یطعنها بقوس تتساقط علی وجوهها و دعا عثمان ابن طلحة فاخذمنه مفتاح الکعبه فامر بها ففتحت فدخلها فرأی فیها الصور ورأی فیها صورة ابراهیم واسمٰعیل ورأی فی الکعبة حمامة من عیدان فکسرها بیده وامر بالصور.**

(اخرجه البخاری فی المغازی باب این رکز النبی صلی الله علیه وسلم الرایة یوم الفتح(زادالمعاد مختصراً الجزء الثالث ص: ۴۰٦)

وفی سیرة ابن هشام ذکر الاسباب الموجبة للمسیر الی مکة وذکر

[1] بخاری شریف کتاب المواعظ، ص: ۲۱۸، ج: ۲۔

فتح مكة وحدثنا بعض اهل العلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل البيت يوم الفتح فرأى فيه صور الملئكة وغيرهم إلى قوله ثم امر بتلك الصور كلها فطمست اهـ[1]

ان روایات سے (معلوم ہوا) کہ غیر ذی ظل (یعنی ایسی تصویر جو سایہ دار نہ ہو جیسے کپڑے وکاغذ میں بنی ہوئی) تصویر بھی حرام ہے کیونکہ جوف کعبہ کی اکثر تصاویر ایسی ہی تھیں كمايدل عليه لفظ الصور ولفظ المحو والطمس.

یہ کہنا صحیح نہیں کہ تصویر کی ممانعت اِفضا الی الشرک کی وجہ سے تھی اور اب شرک کا خطرہ نہیں رہا لہٰذا جائز ہے

(مذکورہ تفصیل سے) اس کا جواب بھی نکل آیا جو بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ انتظامی مصلحت سے آپ نے ایسا کیا کہ یہ مفضی الی الشرک نہ ہوجائے (یعنی یہ تصویریں شرک کا ذریعہ نہ بن جائیں) جیسا سابق میں ہوا، ورنہ فی نفسہ اس کی اجازت ہے اور اب علم کی ترقی ہوجانے سے اس کا احتمال نہیں۔

جواب ظاہر ہے کہ ترقی علم سے زیادہ مانع حکومت تھی تو حکومت حقہ ہوتے ہوئے اگر تصاویر جوف کعبہ کی باقی بھی رہتیں تو ہرگز افضا الی الشرک محتمل نہ تھا، (یعنی شرک کا خطرہ نہ تھا تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی نہ رکھا، اسی طرح خود آپ کے گھر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شرک کا احتمال نہ تھا اس کے باوجود آپ نے منع فرمایا اور عذاب کی خبر دی)۔

دوسرے مفسدہ افضا الی الشرک میں تو منحصر نہیں اگر خاص یہ مفسدہ محتمل نہ رہا تو دوسرے مفاسد بھی حرمت کے لئے کافی ہیں[2]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام مختصراً [2] رسالہ تقدیس القرآن ملحقہ بوادر النوادر ص ۷۸۷ تا ۷۸۹۔

آئینہ پر قیاس کر کے بھی کیمرے کی تصاویر کو جائز نہیں کہہ سکتے

الغرض: شریعتِ اسلامیہ میں جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً معصیت (گناہ) ہے خواہ کسی کی تصویر ہو اور خواہ مجسمہ ہو یا غیر مجسمہ، اور آئینہ پر قیاس کر کے اس کو جائز کہنا (کہ فوٹو آئینہ کی طرح عکس ہے لہٰذا جس طرح آئینہ دیکھنا جائز ہے یہ بھی جائز ہے یہ قول) بالکل غلط ہے، اور قیاس مع الفارق ہے، آئینہ کے اندر کوئی انتقاش (پائیداری) باقی نہیں رہتی، زوال محاذاۃ (یعنی سامنے کی چیز ہٹانے) کے بعد وہ عکس بھی زائل ہو جاتا ہے، بخلاف فوٹو کے (کہ وہ تقابل کے بعد بھی باقی رہتا ہے) اور یہ بالکل ظاہر ہے اور پھر صنعت کے واسطے سے ہے اسی لیے (حکم میں) بالکل دستی تصویر کے مثل ہے[1]

نکاح کی فلم بنوانا

افسوس! اب تو ایسے رنج وغم کا وقت ہے کس کس چیز کو رویا جائے خصوصاً جبکہ اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں غم کا سامان جمع ہو۔

فلم کمپنی کا آلہ لہو ولعب سے ہونا تو ظاہر ہے اور آلات لہو کو مقاصد دینیہ میں برتنا دین کی سخت اہانت اور استخفاف (معمولی سمجھنا) ہے، حدیث پاک میں جاریہ مغنیہ (ایک گانے والی لڑکی) کا یہ کہنا ''وفینا نبی یعلم ما فی غدٍ'' ممنوع قرار دیا گیا ہے، چنانچہ بعض شراح نے یہ وجہ بھی لکھی ہے گو اس میں دوسرا بھی احتمال ہے مگر اس توجیہ پر بھی کسی نے نکیر نہیں کی تو اس وجہ کے مؤثر ہونے پر (یعنی اس کے ممنوع ہونے پر) اجماع ہو گیا ہے گو اس محل میں متحقق نہ ہو۔

اس میں تصویروں کا استعمال ہوتا ہے اور ان سے تلذذ (لذت حاصل کرنا) ہوتا ہے اور اس کی قباحت (وممانعت) میں کسی کو کلام نہیں گو عابدین (اور اچھے ہی لوگوں)

---

[1] امداد الفتاویٰ، ج:۴، ص:۲۵۴، ج:۴، ص:۲۵۸۔

کی تصویریں ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں جو بیت اللہ کے اندر بنائی گئی تھیں ان کے ساتھ جو معاملہ فرمایا تھا معلوم ہے (کہ سب کو نیست و نابود کر کے مٹا دیا)۔

اور کسی مسلمان کی تصویر بنانا اور زیادہ معصیت ہے کہ اس میں ایسے شخص کو آلۂ معصیت بنایا ہے جو اس کو اعتقاداً قبیح جانتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ، ج:۴، ص:۳۸۶)

(اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں) اگرچہ اس تصویر کی طرف کوئی امر مکروہ بھی منسوب نہ کیا گیا ہو محض تفریح و تلذذ ہی کے لیے ہو کیونکہ محرمات شرعیہ سے نظر کے ذریعہ تلذذ کرنا بھی حرام ہے۔

اور اگر اس تصویر کی طرف کسی نقص یا عیب کو بھی منسوب کیا جائے تو اس میں ایک دوسری معصیت یعنی غیبت بھی شامل ہوگی، کیونکہ غیبت نقوش قلم یعنی کتابت سے بھی ہوتی ہے، اسی طرح اس عیب کی ہیئت بنانے سے بھی ہوتی ہے، بلکہ یہ سب سے اشد ہے۔

اس تصویر کی کوئی خاص ہیئت بنانا ایسا ہی ہے جیسے خود اس شخص کی طرف وصف کو منسوب کرنا مثلاً مخدرات (عورتوں) کی تصویریں بے پردہ ظاہر کرنا، اور اگر وہ تصویر کسی مشتہاۃ (جوان عورت) کی ہو تو نظر بد کی معصیت کا اس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اور تصویر تو صاحب تصویر کی پوری حکایت ہے، اجنبیہ (عورت) کے کپڑے بھی بدنفسی سے دیکھنا حرام ہے۔

بالخصوص اگر غیر مسلموں کو مسلمان خواتین کی طرف بدنفسی کے ساتھ نظر کرنے کا موقع دیا جائے (تو یہ اور زیادہ حرام ہے)۔

اور اگر اس میں معازف و مزامیر (باجے) یا اجنبیہ عورت کے گانے کی آواز ہے تو اس کا سننا بھی حرام ہے، جب ایسی فلموں کی قباحتیں معلوم ہوگئیں تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنی قدرت کے مطابق ان کے بند کرنے کی کوشش کریں اور تماشا دیکھنے

والوں کو ان برائیوں سے مطلع کر کے شرکت سے روکیں ورنہ اندیشہ ہے کہ سب عذاب خداوندی میں گرفتار ہوں۔[1]

شادیوں میں تاشہ اور دف بجانا

مجھ کو بھی تحقیق کے ساتھ اس مسئلہ کی تحقیق کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لیے قول مشہور کی بنا پر جو مذکور علی لسان الجمہور ہے یہ سمجھتا تھا کہ شادی میں دف بجانا جائز ہے، دوسرے باجے ناجائز، مگر تھوڑا زمانہ ہوا ایک مضمون شائع ہوا ہے، نظر سے گزرا تب سے متعارف ضرب دف کے جواز میں بھی شبہہ ہو گیا اور احتیاطاً ترک اور منع کا عزم کر لیا۔ (تفصیل کے لیے اصل کتاب مطالعہ فرمائیں)۔[2]

شادیوں میں گیت گانے کی رسم

اکثر لوگ یہ سن کر کہ شادی میں گیت درست ہے بے دھڑک ڈومنیاں گواتے ہیں .... یہ بتلاؤ کہ ان کی آواز اجنبی مردوں کے کانوں میں پہونچتی ہے یا نہیں؟ اور محرم عورتوں کی آواز کسی اجنبی مرد کے کانوں میں جانا، اور اس طرح سے کہ سننے سے خرابی پیدا ہو، حرام ہے یا نہیں؟

پھر اس راگ میں یہ بھی خاصیت ہے کہ جو صفات قلب میں غالب ہوتے ہیں ان میں اور زور ہو جاتا ہے تو بتلاؤ کہ ہم لوگوں کے قلب میں صفات خبیثہ (یعنی بری عادتوں) کا غلبہ ہے یا نہیں؟ اور صفات خبیثہ کو قوت دینا حرام ہے یا نہیں؟ پھر یہ کہ آدھی آدھی بلکہ پوری رات کہیں ڈھولک بھی بجتی ہے جس سے پاس والوں کی عموماً نیند ضائع ہوتی ہے اور صبح ہوتے ہی سب مُردہ کی طرح پڑ پڑ کر سوتے ہیں صبح کی نمازیں ان کی قضا ہوتی ہیں یا نہیں؟ اور نماز کا قضا کرنا اور جس شغل کی وجہ سے نماز قضا ہو وہ شغل حرام ہے یا نہیں؟

---

[1] امداد الفتاویٰ، ج:۴، ص:۲۴۳۔ [2] امداد الفتاویٰ، ج:۲، ص:۲۷۹۔

اور کہیں کہیں کے مضامین بھی خلاف شرع ہوتے ہیں ان کے گانے اور سننے سے سب کو گناہ ہوتا ہے اب بتلاؤ اس طرح کا گیت گانا اور گوانا حرام ہے یا نہیں، پھر جب وہ حرام ہوا تو اس کی اجرت دینا دلانا کس طرح جائز ہوگا؟ اور وہ اجرت بھی کس طرح کہ گھر والا تو اس لیے دیتا ہے کہ اس نے بلایا ہے اس کے یہاں تقریب ہے آنے والوں کی کمبختی ہے کہ ان سے بھی جبراً وصول کیا جاتا ہے اور جو نہ دے اس کی تذلیل و تحقیر اور طعن و تشنیع کی جاتی ہے ایسے گانے اور ایسے حق کو کیوں کر حرام نہ کہا جائے گا[1]

گانے باجے کی فرمائش

بعض لوگ جو شادی کے موقع پر اس کا سامان (اور انتظام) کرتے ہیں یا دوسری طرف والوں پر تقاضا کرتے ہیں یہ لوگ کس قدر گنہگار ہوتے ہیں بلکہ (گانے کی) محفل کرنے والے جتنے آدمیوں کو گناہ کی طرف بلاتا ہے جس قدر علیحدہ علیحدہ سب کو گناہ ہوتا ہے وہ سب ملا کر اس اکیلے کو اتنا ہی گناہ ہوگا مثلاً فرض کرو کہ مجلس میں سو آدمی آئے تو جتنا گناہ ہر ہر آدمی کو ہوا وہ سب اس اکیلے شخص کو ہوا یعنی مجلس کرنے والے کو پورے سو آدمیوں کا گناہ ہوا بلکہ اسی کی دیکھا دیکھی جو کوئی جب کبھی ایسا جلسہ کرائے گا (یعنی ناچ گانا کرائے گا) اس کا گناہ بھی اس کو ہوگا بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی جب تک کہ اس کا بنیاد ڈالا ہوا سلسلہ چلے گا، اس وقت تک برابر اس کے نامۂ اعمال میں گناہ بڑھتا رہے گا۔

پھر اس مجلس میں باجہ گاجہ بھی بے دھڑک بجایا جاتا ہے یہ بھی گناہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو میرے پروردگار نے ان باجوں کو مٹانے کا حکم دیا ہے، خیال کرنے کی بات ہے کہ جس کو مٹانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس کے رونق دینے والے کے گناہ کا کیا ٹھکانہ ہوگا[2]

---

[1] اصلاح الرسوم، ص:۳۷۔ [2] بہشتی زیور، ج:۶، ص:۳۲۴۔

شادیوں میں بینڈ باجے بجانے کی رسم

کس قدر افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ خدا نے مجھے ہدایت کے واسطے رسول بنایا اور حکم دیا کہ تمام دنیا سے راگ راجہ باجہ مٹادوں [1]

اور یہ بھی فرمایا کہ میری امت سے ایک قوم کے لوگ آخر زمانہ میں مسخ ہو کر سور بندر ہو جائیں گے، صحابہ نے پوچھا کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے یا کون؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! یہ سب مسلمان ہوں گے، خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کے شاہد ہوں گے، اور روزہ بھی رکھتے ہوں گے مگر آلات لہو یعنی باجاوغیرہ بجائیں گے اور گانا سنیں گے اور شراب پئیں گے تو مسخ کر دیئے جائیں گے [2]

اگر لڑکی یا لڑکے والے ماننے کو تیار نہ ہوں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ لڑکی والا نہیں مانتا بہت مجبور کرتا ہے، ان سے پوچھنا چاہئے کہ لڑکی والا اگر یہ زور ڈالے کہ (ساڑی) پہن کر تم خود ناچو تو کیا لڑکی لینے کے واسطے تم خود ناچو گے؟ یا غصہ میں درہم برہم ہو کر مرنے مارنے کو تیار ہو جاؤ گے اور لڑکی نہ ملنے کی کچھ پرواہ نہ کرو گے؟

پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ شریعت نے جس کو حرام کیا ہے اس سے اتنی ہی نفرت ہونی چاہئے، جتنی اپنی طبیعت کے خلاف کاموں سے ہوتی ہے تو جیسے اس میں شادی ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی اسی طرح خلاف شرع کاموں میں صاف جواب دینا چاہئے کہ چاہے شادی کرو چاہے نہ کرو ہم ہرگز ناچ نہ ہونے دیں گے اسی طرح ایسی شادی میں شریک بھی نہ ہونا چاہئے، نہ دیکھنا چاہئے [3]

[1] رواہ ابوداؤد [2] امداد الفتاویٰ، ج:۲، ص:۲۹۱ [3] بہشتی زیور، ج:۶، ص:۳۲۵۔

باب (۱۸)

شادی کی رسموں کا بیان

فصل (۱)

رسم ورواج کی تعریف

رسم صرف اس بات کونہیں کہتے جونکاح اورتقریبات میں کی جاتی ہیں، بلکہ ہرغیر لازم چیز کولازم کرلینے کا نام رسم ہے خواہ تقریبات میں ہو یا روزمرہ کے معمولات میں [۱]

رسم وغیررسم کا معیار

جب نہ رسم کی نیت ہو، اور نہ رسم والوں کے طریقہ پر کریں تو وہ رسم نہیں نہ حقیقتاً نہ صورۃً یہی معیارفرق ہے۔[۲]

رسموں کی دوقسمیں

رسمیں دوقسم کی ہیں ایک تو شرک وبدعت کی رسمیں مثلاً چٹائی پر بہوکا بٹھانا اس کی گود میں بچہ دینا کہ اس سے شگون (نیک فالی) لیتے ہیں کہ اولاد............ ہو، تو ایسے ٹونے ٹوٹکے تو اکثر جگہ چھوٹ گئے۔

دوسری تفاخر اور ناموری کی رسمیں سو یہ دوسری قسم متروک نہیں ہوئی بلکہ مالداری

[۱] کمالات اشرفیہ، ص: ۳۴۵، اصلاح المسلمین، ص: ۸۲۔ [۲] امدادالفتاوی، ج: ۴، ص: ۱۷۵۔

کے سبب سے بہ نسبت پہلے کے کچھ بڑھ گئی ہیں پہلے زمانہ میں اتنا تفاخر اور ریا ونمود (دکھلاوا) نہ تھا کیونکہ کچھ سامان کم تھا، کچھ طبیعتوں میں سادگی تھی اب تو کھانے میں الگ تفاخر ہو گیا، وہ پہلی سی سادگی ہی نہیں رہی، پلاؤ بھی ہو، کباب بھی ہو، بریانی ہو[1]

مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس زمانہ میں پہلی کی سی رسمیں بہت کم ہو گئیں، میں نے کہا ہرگز نہیں، بات یہ ہے کہ رسمیں دو قسم کی ہیں ایک وہ جو شرک تک پہنچی ہیں وہ البتہ چھوٹ گئیں، ایک وہ ہیں جن کی اصل تفاخر ہے یہ پہلے سے بھی بڑھ گئیں، البتہ پہلے شرک کی عجیب عجیب رسمیں تھیں[2]

پہلے کی رسموں اور آج کل کی رسموں میں فرق

میں کہتا ہوں کہ (پہلے کی) رسمیں بالکل لغو تھیں مگر یہ ضرور تھا کہ بہت سے سمجھ دار کرنے والے بھی ان کو لغو سمجھتے تھے، اگر چہ کرتے سب تھے اور آج کل کی جو رسمیں ہیں ان کو دانش مند لوگ بھی یہ نہیں سمجھتے کہ یہ گناہ ہے اور وہ رسمیں آج کل کی تفاخر اور تکلف کی ہیں، پہلے لوگ موٹا چھوٹا پہن لیتے تھے، باسی تازہ کھا لیتے تھے، اور آج کل کوئی ادنیٰ آدمی بھی غریبانہ معیشت کو پسند نہیں کرتا، اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو عیب سمجھتے ہیں، بول چال میں اور اٹھنے بیٹھنے میں سب میں تکبر اور تکلف بھرا ہوا ہے گویا ہر وقت کسی نہ کسی رسم کے پابند ہیں۔

اور تکلف میں گناہ کے علاوہ ایک دنیوی خرابی یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بناوٹ کرنے والے کی بات پر اعتماد نہیں کرتا، اس خوف سے کہ شاید یہ بات بھی بناوٹی ہو، اسی واسطے پہلے لوگوں کی بات بڑی پکی ہوتی تھی، آج کل کے لوگوں کی بات ایسی نہیں پائی جاتی۔

غرض شرک کی رسمیں تو چھوٹ گئیں کیونکہ علم کا شیوع ہو گیا، پہلے مولوی کم ہوتے

[1] اصلاح النساء، ص:۱۸۵۔ [2] منازعۃ الہوی، ص:۴۴۷۔

تھے اور تفاخر کی رسمیں بڑھ گئیں کیونکہ تعلیم جدید کی ترقی ہے، تو آج کل کی رسموں میں شرک نہ سہی تفاخر ضرور ہے یہ بھی منع ہونے کے لیے کچھ کم ہے؟[1]

رسوم رواج بھی گناہ میں داخل ہیں

بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ جن کی طرف آج کل خیال بھی نہیں جاتا، بلکہ چھوڑنے سے جی برا ہوتا ہے، اور یوں تو گناہ سب ہی برے ہیں، لیکن ایسے گناہ زیادہ خطرناک ہیں جو عموماً عادت اور رواج میں داخل ہوگئے ہوں کیونکہ طبیعتیں ان سے مانوس ہوگئی ہیں حتیٰ کہ ان کی برائی ذہن سے دور ہوگئی ہے ان کے چھوٹنے کی کیا امید ہو سکتی ہے، آدمی چھوڑتا ہے اس چیز کو جس کی برائی خیال میں ہو اور جس چیز کی برائی ذہن سے نکل جاتی ہے پھر اس کو کیوں چھوڑنے لگا۔

یہ وہ حالت ہے جس کو موتِ قلب کہتے ہیں اس کے بعد توبہ کی بھی کیا امید ہے کیونکہ توبہ کی حقیقت ہے ندامت یعنی پشیمانی، اور پشیمانی اس کام سے ہوا کرتی ہے جس کی برائی ذہن میں ہو اور جب گناہ دل میں ایسا رچ گیا کہ اس پر فخر کرتے ہیں تو پھر پشیمانی کہاں؟[2]

ان رسوم نے ایسا رواج پایا ہے جیسے سالن میں ہلدی، مصالح، نمک کہ ان کے بغیر سالن بنتا ہی نہیں حتیٰ کہ جو لوگ مرچ زیادہ کھاتے ہیں ان سے کوئی ماہر طبیب بھی کہے کہ مرچ میں یہ نقصان ہے تو کبھی ان کا دل قبول نہ کرے گا اور یہی جواب دیں گے کہ میاں طب کو رہنے دو تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے، ساری عمر کھاتے ہوگئی کوئی بھی نقصان نہیں ہوا، اور بے مرچ کے لطف ہی کیا۔

اسی طرح مسلمان غیر قوموں کی صحبت سے رسموں کے ایسے خوگر ہوگئے ہیں کہ بلا ان کے کسی تقریب (شادی) میں لطف ہی نہیں آتا چاہے گھر ویران ہی ہو جائے،

[1] منازعۃ الہوی، ص: ۴۴۸ ـ [2] ایضاً، ص: ۴۳۵ ـ

لیکن یہ نہ قضا ہوں اصل یہ ہے کہ اعتقاد میں ان کا معصیت اور گناہ ہونا ہی نہیں رہا حتیٰ کہ اگر کوئی رسم رہ جاتی ہے تو مرتے مرتے وصیت کر جاتے ہیں، کیسا حس باطل ہوا ہے جب کسی کو پاخانہ میں خوشبو آنے لگے تو کیا تعجب ہے کہ مہمانوں کے سامنے بجائے کھانے کے غلیظ (پاخانہ) کو رکھ دے، مگر یاد رکھیئے کہ مہمانوں کا حس باطل نہیں ہوا، آپ کے بے حس ہو جانے سے معصیت طاعت نہیں بن جائے گی خدا تعالیٰ کے یہاں دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوگا یہ حالت بہت اندیشہ کی چیز ہے کہ معصیت کا برا ہونا بھی ذہن سے اٹھ جائے۔[1]

آج کل کی رسموں کے ممنوع اور ناجائز ہونے کے شرعی دلائل

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ گناہ کی حقیقت ہے خدا کے احکام کو بجا نہ لانا.............آپ نے جو فہرست گناہوں کی بنائی اس میں بہت ہی کوتاہیاں ہیں شریعت کی دی ہوئی فہرست میں اور بھی گناہ ہیں، آپ کی نظر چونکہ اپنی فہرست پر ہے اس واسطے رسموں کو گناہ نہیں سمجھتے۔

میں نے بتلا دیا کہ شریعت کی فہرست میں ایک گناہ تفاخر بھی ہے جس عمل میں یہ پایا جائے گا اس کو فاسد کر لے گا۔

(خوب) سمجھ لیجئے کہ شریعت نے جو گناہوں کی فہرست دی ہے، اس میں اور بھی گناہ ہیں جو آپ کی رسوم کا جز ہیں یعنی اس میں تکبر اور تفاخر وغیرہ بھی داخل ہیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ '' (بیشک اللہ تعالیٰ ایسوں کو پسند نہیں کرتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں شیخی کی باتیں کرتے ہوں)۔

اور فرماتے ہیں کہ: ''اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ '' بیشک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ

[1] منازعۃ الہویٰ، ص:۴۶۴۔

مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنَ الْكِبْرِ ''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

اور دوسری حدیث میں ہے: ''مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ الخ''جو شخص شہرت کے واسطے کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے گا (اور قیامت کے دن اس کو رسوا کرے گا)۔

اور ایک حدیث میں ہے: ''مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ اَلْبَسَهُ ثَوْبَ الذُّلِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ''۔

جو شخص دکھاوے اور شہرت کی غرض سے کوئی کپڑا پہنے گا خدا تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا، ان آیات اور احادیث سے عجب، تکبر، تصنع اور دکھلاوے کی برائی ثابت ہے اب دیکھ لیجئے کہ رسوم کی بنا ان ہی پر ہے یا نہیں۔

ہمارے پاس دلیل موجود ہے جس کی بناء پر ہم ان رسوم کو برا کہتے ہیں وہ دلیل یہ ہے کہ تکبر اور تفاخر اور دکھلاوے کو شریعت نے معصیت قرار دیا ہے جس فعل میں یہ معصیت موجود ہوگی وہ بھی معصیت ہوگا۔

اب آپ دیکھ لیجئے کہ آپ کی رسموں کا یہ جزء اعظم ہے یا نہیں؟ اور یہ جزء ایسا ہے کہ تمام ان اجزاء کو جن کو آپ نے مباح کہا تھا سب کو اباحت سے نکال دیتا ہے۔

دیکھئے کپڑا پہننا جائز ہے مگر جب تفاخر شامل ہو جائے تو جائز نہیں کھانا کھلانا جائز ہے مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں، کسی سے لینا دینا، رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا سب سے اچھا ہے مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں، یہ تفاخر حلال چیزوں کو ایسا گندہ کرتا ہے جیسے نجاست کنویں کو جس کو آپ نے بہت سہل سمجھ رکھا ہے، اور اس کا نام ہی اپنی فہرست سے اڑا دیا ہے حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو رسموں کی بناء اور اصل بھی تفاخر ہے حتیٰ کہ بیٹی کو جو چیز جہیز میں دی جاتی ہے اس کی اصل بھی یہی ہے بیٹی لخت جگر کہلاتی ہے ساری عمر تو اس کے ساتھ یہ برتاؤ رکھا کہ چھپا چھپا کر اس کو کھلاتے تھے

دوسرے کو دکھانا پسند نہ تھا شاید نظر لگ جائے، نکاح کا نام آتے ہی ایسا کیا پلٹ ہوا کہ ایک ایک چیز مجمع کو دکھائی جاتی ہے برتن اور جوڑے اور صندوق حتیٰ کہ آئینہ کنگھی تک شمار کر کے دکھلائے جاتے ہیں، اگر آپ غور کریں گے تو اس کی وجہ صرف تفاخر پائیں گے برادری کو دکھانا ہے کہ ہم نے اتنا دیا یہ منظور نہیں ہوتا کہ ہماری بیٹی کے پاس سامان زیادہ ہو جائے اسی واسطے تمام جہیز ایسا تجویز کیا جاتا ہے کہ ظاہری بناوٹ میں بہت اجلا ہو، اور قیمت کے اعتبار سے یہی کوشش کی جاتی ہے کہ سب چیزیں ہلکی رہیں بازار خریدنے جاتے ہیں تو کہتے ہیں شادی کا سامان خریدنا ہے لینے دینے کا سامان دکھاؤ[1]

بیاہ شادی کی رسموں کے ناجائز ہونے کی قوی دلیل

''اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ''

ترجمہ: شیطان کی جوئے اور شراب سے یہ غرض ہے کہ آپس میں دشمنی ڈال دے اور ذکر اللہ اور نماز سے روک دے۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں جوئے اور شراب کے دو نقصان بتلائے ہیں ایک یہ کہ شیطان اس کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں نفاق ڈال دے، دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ عداوت اور بغض نماز اور ذکر اللہ سے غافل کرنے کے لیے یہ دونوں چیزیں آلہ ہیں، اور آلہ اور علت ایک ہی چیز ہے اسی واسطے اس کی شرح میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''كُلَّ مَا اَلْهَاكَ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ فَهُوَ مَيْسِرٌ ''یعنی جو چیز تجھ کو ذکر اللہ سے غافل کر دے وہ سب جوا ہے، حدیث میں جو اس کو جوا کہا گیا ہے وہ علت کے

[1] منازعۃ الہوی، ص: ۴۴۱ و ۴۴۸۔

اشتراک کی بنا پر، اس میں تصریح ہوگئی کہ: نَهٰی عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ‘‘ کی علت ’’اَلْهَاءُ عَنْ ذِكْرِ اللهِ ‘‘(اللہ کے ذکر سے غافل کرنا ہے) پس جہاں ’’الهاء عن ذكـــر الله‘‘ (یعنی اللہ کے ذکر سے اور نماز سے غفلت کرنا) پایا جائے گا وہ سب حکماً خمر اور میسر (یعنی شراب اور جوا کے حکم میں) ہوگا۔

اب اسی سے اپنی رسموں کا حکم نکال لیجئے، حدیث کے الفاظ صاف کہتے ہیں کہ (جو چیز نماز اور ذکر سے غافل کردے) ان کا حکم بھی جوئے اور شراب کا سا ہے کیونکہ نماز سے غافل ہونے کا سبب ہوگئیں۔

اگر اور دلیلوں سے قطع نظر کرلی جائے تو یہ دلیل میں نے ایسی پیش کی ہے کہ اس کے سامنے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں اور اس کا جواب آپ کچھ بھی نہیں دے سکتے، جب چاہے مشاہدہ کر لیجئے کہ جہاں یہ رسمیں ہوتی ہیں وہاں نماز کی (پابندی) نہیں ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق (یہ رسمیں) میسر یعنی جوے کے حکم میں ہوئیں، اور میسر کو قرآن شریف میں رجس (ناپاک گندی شئ) اور شیطان کا عمل فرمایا گیا ہے تو میں نہیں کہتا بلکہ قرآن ان (رسوم) کو عمل شیطان کہتا ہے۔

پس اور دلیلوں کو جانے دیجئے یہی کیا کم خرابی ہے کہ اس کا نام عمل شیطان ہوا، حکم شرعی تو یہی ہے جس کے لیے ایسی دلیل بتلائی گئی ہے کہ موٹی سے موٹی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے۔[1]

قائلین جواز کے دلائل پر تبصرہ

آج کل کی بعض رسمیں خوبصورت مباحات ہیں ان میں چالاکی کی گئی ہے اور ان کو کھینچ تان کر جائز کیا گیا ہے۔

جب علماء سے دریافت کیا تو اس طرح کہ آپس میں ملنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کسی

[1] منازعۃ الہویٰ، ص:۴۶۴۔

رشتہ دار کے ساتھ سلوک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ان سوالوں کا جواب مجیب (مفتی) کیا دے سکتا ہے سوائے اس کے کہ جائز ہے، پس آپ نے یہ جواب لے کر گناہوں کی فہرست میں سے ان افعال کو علیحدہ کر لیا، اور ان افعال کو جائز رکھا اور سمجھ لیا کہ جس مرکب کا ہر جزء مباح ہے تو مرکب ناجائز کیسے ہوگا یہ دلیل ہے آج کل کے رسوم کی جو اکثر پڑھے لکھے لوگوں کو یاد ہے۔

لیکن سمجھ لیجئے کہ شریعت میں اور بھی گناہ ہیں جو آپ کی رسوم کا جزء ہیں یعنی تکبر وتفاخر (نام ونمود، شہرت اور دکھلاوا)۔

اب دیکھ لیجئے کہ رسوم کی بنا انہیں پر ہے (یا نہیں؟) پس اس مرکب کا ہر جزء جائز کہاں ہوا؟ پس آپ کی دلیل تو نہ چلی اور ہمارے پاس دلیل ہے جس کی بنا پر ہم ان رسوم کو برا کہتے ہیں (جس کا بیان ماقبل میں گزر چکا)۔

پس جزء معصیت کو ذکر نہ کرنا اور صرف مباحات کا نام لے کر استفتاء کرنا چالاکی نہیں تو اور کیا ہے۔

خدارا ان چالاکیوں کے مفاسد میں نہ پڑھئے، مفاسد تو اپنا اثر ضرور لائیں گے گو کیسی ہی تاویل کرلو، کوئی سنکھیا (زہر) پیس کر ہتھیلی پر رکھ کر یہ تاویل کر کے کھائے کہ شکر بھی سفید ہوتی ہے اور یہ بھی سفید ہے تو ہم اس کو شکر کیوں نہ کہیں گے اس تاویل سے سنکھیا اپنا اثر چھوڑ دے گا؟

ایسے ہی کھانے اور پینے اور لباس اور اٹھنے بیٹھنے میں جب شرعی مفاسد موجود ہوں تو کیا ان مفاسد کا ازالہ آپ کے اس سمجھانے سے ہو جائے گا کہ لباس بھی جائز ہے، اٹھنا بیٹھنا بھی جائز ہے لینا دینا بھی جائز ہے تو ان سب کا مجموعہ کیسے ناجائز ہوگا، اگر تحقیق مقصود ہے تو سوال میں اس ناجائز جزء کو بھی ظاہر کر کے جس عالم سے چاہے پوچھ لیجئے کہ لباس بطور تفاخر کے پہننا کیسا ہے؟ جواب یہی ملے گا کہ ناجائز ہے، اور اسی

طرح اگر یہ پوچھا جائے کہ تفاخر کے لیے رسمیں کرنا کیسا ہے تو دیکھئے کیا جواب ملے گا۔[1]

شرعی دلیل

آپ کا خیال تھا کھانا کھلانا جائز ہے اور مفتی فتویٰ دیتے ہیں کہ جائز ہے، مگر شریعت کی فہرست میں تو دیکھو اس میں حدیث کا یہ مضمون بھی گناہوں میں لکھا ہوا ہے حدیث میں ہے:

نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِئَيْنِ۔[2]

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کے کھانا کھانے سے منع فرمایا جو آپس کی بحثا بحثی سے کھانا کھلاتے ہوں۔

دیکھ لیجئے یہ کھانا جائز ہے تو آپ کا یہ کہنا صحیح نہ رہا کہ کھانا کھلانے میں کیا حرج ہے۔

اسی پر تمام ان کاموں کو قیاس کر لیجئے جن کے مجموعے کا نام رسوم ہے آپ نے رسموں کے جواز میں یہ دلیل پیش کی تھی کھانا کھلانا، دینا لینا، آنا جانا، علیحدہ علیحدہ سب افعال مباح ہیں ان کے جمع ہونے سے ممانعت کیسے لازم آ گئی۔

میں کہتا ہوں دیکھ لیجئے کپڑا پہننے کو آپ جائز سمجھتے ہیں مگر اس کے لیے شریعت میں ایک قید ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ الخ''، یعنی جو شخص کوئی کپڑا دکھاوے کی غرض سے پہنے گا اس کو خدا تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے (اسی طرح) کھانا کھلانے کو آپ جائز کہتے ہیں اس میں بھی ایک قید ہے، اب ان رسوم میں دیکھ لیجئے کہ وہ افعال مع ان قیدوں کے موجود ہیں یا بلا قیدوں کے؟ اس میں آج کل کے عقل مند بھی دھوکہ کھاتے ہیں۔[3]

---

[1] منازعۃ الھوی، ص:۴۴۲۔ [2] مشکوٰۃ شریف۔ [3] منازعۃ الھویٰ، ص:۴۴۶۔

فصل (۲)

رسوم میں عقلی خرابیاں اور دنیوی نقصانات

رسوم میں عقلی خرابیاں دیکھئے کہ جس مال کو محنت و جانفشانی سے حاصل کیا گیا ہو اس کو اس بے دردی سے خرچ کر دیا جائے کہ مالک کے قرض تک ادا نہ ہوں اور اس کے بچے محتاج ہو کر رہ جائیں ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ جن کے باپ خوش حال تھے اور بہت کچھ ترکہ میراث کا مال چھوڑا تھا مگر انہوں نے برادری کی خوشی اور نمود (دکھلاوے) کے لیے سب (رسوم) میں لگا دیا، تھوڑی دیر کے لیے خوب واہ واہ ہوئی، اپنے آپ محتاج ہو گئے، گھر پھونک تماشا دیکھ، یہ کون سی عقل کی بات ہے کہ ایک ایک لقمہ برادری کو کھلا کر خود فقیر ہو گئے، دین سے قطع نظر عقل سے بھی کام لیا جائے تو اس کا عکس (الٹا) ہونا چاہئے، یعنی برادری سب مل کر پیسہ پیسہ دیں تا کہ ایک شخص کے پاس کافی رقم جمع ہو جائے، اور برادری کو معلوم بھی نہ ہو، مگر جب کہ ہم کو دین یا عقل سے کام کرنا بھی ہو تو، ہمارا امام تو ہوائے نفسانی اور خواہش نفسانی ہے، اس کے سامنے ہمیں کچھ نہیں سوجھتا کہ کیا کر رہے ہیں، اور اس کا انجام کیا ہوگا، نفس اور شیطان آپ کا دشمن ہے کبھی آپ کے فائدے کی بات نہ بتلائے گا، ہمیشہ وہ باتیں بتلائے گا جو دین کے خلاف اور عقل سے بھی خارج ہوں............ ہماری طینت (طبیعت) میں ایسی جہالت داخل ہو گئی ہے کہ اچھے برے میں تمیز ہی نہیں رہی اپنا نفع نقصان بھی نظر نہیں آتا بس خواہش کو امام بنا لیا ہے[1]

---

[1] منازعۃ الہویٰ، ص: ۱۷۲، ۱۷۳۔

ان رسوم کی بدولت لوگ مقروض اور کنگال ہو گئے

شادی بیاہ سب کو پیش آتے ہیں غریب آدمی کو بھی خبط سوجھتا ہے کہ اگر ذرا بھی گھٹیا کام کروں گا تو ساری عمر کو برادری منھ کالا کرے گی، اس واسطے سود پر قرض لینا گوارہ کرتا ہے برادری کے دباؤ سے غریب آدمی بھی عاقبت برباد کرتا ہے، اور غریب ہی کی کیا تخصیص ہے غربت کے اخراجات غریب ہی کے سے ہوتے ہیں اور امیر کے اخراجات امیر کے سے ہوتے ہیں۔

امیر لوگ بھی ان رسوم کی بدولت قرض سے نہیں بچتے، امیروں کی تو منگنی بھی معمولی شادیوں سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے، ان کو ان کی حیثیت کے موافق برادری زیر بار کرتی ہے، اور دین کے برباد کرنے کے ساتھ دنیا میں بھی ان کو ذلیل کر کے چھوڑتی ہے اچھی اچھی ریاستیں دیکھی گئی ہیں کہ ایک شادی کی بدولت غارت ہو گئیں۔[1]

ابھی لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلیں جب سارا گھر نیلام ہو جائے گا اس وقت شریعت کے موافق شادی کرنے کی سوجھے گی۔

صاحبو! شادیوں میں بہت اختصار کرنا چاہئے تاکہ بعد میں افسوس نہ ہو کہ ہائے ہم نے یہ کیا کیا، اگر کسی کے پاس بہت ہی زیادہ رقم ہو تو اس کو اس طرح برباد کرنا مناسب نہیں، بلکہ دنیا دار کو کچھ رقم جمع بھی کرنا چاہئے اس سے دل مطمئن رہتا ہے اور طاعات میں یکسوئی نصیب ہوتی ہے۔[2]

بیاہ شادی میں اسراف اور خرچ کی زیادتی

شادی بیاہ میں لوگ آنکھیں بند کر لیتے ہیں اس سے کچھ بحث نہیں ہوتی کہ اس موقع پر خرچ کرنا چاہئے بھی یا نہیں، خوب سمجھ لو خرچ کرنے کے بھی حدود ہیں جیسے نماز

[1] منازعۃ الھویٰ، ص:۴۵۰ [2] الکمال فی الدین للنساء، ص:۱۱۲۔

روزہ کے حدود ہیں، اگر کوئی شخص نماز بجائے چار رکعت کے چھ رکعت پڑھنے لگے، یا کوئی عشاء تک روزہ رکھنے لگے تو گنہگار ہوگا۔

رؤساء (مال دار) لوگ شادی وغیرہ میں بڑی بے احتیاطیاں کرتے ہیں، مسلمانوں کے حال پر بڑا افسوس ہوتا ہے کہ وہ آگے پیچھے کا کچھ خیال نہیں کرتے، بری طرح فضول خرچی کرتے ہیں یہاں تک کہ تباہ ہو جاتے ہیں بعضوں کی لنگوٹی بندھ جاتی ہے، یہ نوبت مسلمانوں کی اس وجہ سے ہوئی کہ آہنی قلعہ اسلام کا پھاٹک کھول دیا ورنہ اسلامی اصول پر چلنے سے کبھی ذلت نہیں ہوسکتی، حقوق مالیہ کی حفاظت نہایت ضروری ہے۔[1]

شادی میں زیادہ خرچ کرنا حماقت ہے

ایک رئیس صاحب تھے انہوں نے شادی کی اور بے انتہاء خرچ کیا مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ ان کے یہاں آئے اور کہا کہ ماشاء اللہ آپ نے بہت ہی خرچ کیا آپ کی بلند حوصلگی میں کچھ شبہ نہیں، مگر آپ نے بہت خرچ کر کے ایسی چیز خریدی ہے کہ اگر ضرورت کے وقت اس کو فروخت کریں تو اسے کوئی پھوٹی کوڑی (ایک پیسہ) کی بھی نہ لے وہ کیا ہے؟ نام اور شہرت۔[2]

ان رسموں نے مسلمانوں کو تباہ کر ڈالا ہے اس لیے میں نے منگنی کا نام قیامت صغریٰ اور شادی کا نام قیامت کبریٰ رکھا ہے، ان شادیوں کی بدولت گھروں کو گھن لگ جاتا ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ سارے گھر کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔[3]

---

[1] التبلیغ، ج:۱۵، ص:۱۳۸، ۱۴۳۔ [2] ایضاً، ج:۵۱، ص:۱۴۲۔ [3] عضل الجاہلیہ، ص:۲۶۶۔

اسراف کی قباحت

بخل کے مقابلہ میں اسراف زیادہ برا ہے

اگر آدمی فضول خرچ سے بچے تو بڑی برکت ہوتی ہے، فضول خرچی بڑی مضر چیز ہے، اس کی بدولت مسلمانوں کی جڑ ہی کھوکھلی ہوگئی ہے، بخل کے مقابلہ میں اسراف زیادہ برا ہے جس چیز کا انجام پریشانی ہو وہ زیادہ بری ہے اس سے جس سے پریشانی نہ ہو، بخل میں پریشانی نہیں ہوتی ہے اور اسراف میں پریشانی ہوتی ہے۔

مسرف (فضول خرچی کرنے والے) سے اندیشہ ہے کہ کہیں دین نہ کھو بیٹھے، ایسے واقعات بکثرت موجود ہیں کہ اسراف کا نتیجہ کفر ہوگیا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مسرف کو اپنی حاجتوں کے پورا کرنے میں اضطرار (مجبوری) ہوتا ہے اور مال ہوتا نہیں اس لیے دین فروشی بھی کر لیتا ہے، اور بخیل کو یہ اضطرار نہیں ہوتا اس کے ہاتھ میں ہر وقت پیسہ ہے گو وہ خرچ نہ کرے[1]

اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ آج کل پیسہ کی قدر کرنا چاہئے اس کے نہ ہونے کی وجہ سے بھی انسان بہت سی آفات میں مبتلا ہو جاتا ہے، دین فروشی بھی اسی آفت کی ایک فرد ہے[2]

کس نکاح میں برکت نہیں ہوتی

فرمایا: حدیث میں ہے ''اَعْظَمُ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مَؤُنَۃً''۔

(ترجمہ) زیادہ برکت والا نکاح وہ ہوتا ہے جو خرچ کے اعتبار سے آسان ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جتنا زیادہ نکاح میں خرچ کیا جائے گا برکت کم ہوگی[3]

---

[1] الافاضات، ج:۲، ص:۱۵۳۔ [2] ایضاً، ج:۲، ص:۴۴۵۔ [3] ملفوظات اشرفیہ، ص:۱۵۔

شادی میں زیادہ خرچ کرنے کے صحیح اور مفید طریقے

(۱) ایک شخص نے مجھ سے بطور اشکال کے کہا کہ خوشی میں ہم ایک کافی رقم خرچ کرنا چاہتے ہیں اور جب خدا نے مال دیا ہے تو کیوں نہ خرچ کریں۔

سوان طریقوں کو تو آپ منع کرتے ہیں آخر کوئی طریقہ خرچ کا بھی تو بتلایئے میں نے کہا: اگر آپ کو خرچ کرنا ہی مقصود ہے تو اس کا طریقہ عقل کے موافق یہ ہے کہ غریبوں کی ایک فہرست بنایئے، اور جتنی رقم آپ کو خرچ کرنی ہو ان کو بانٹ دیجئے (غریب گھرانہ کی لڑکیوں کی شادی میں وہ رقم صرف کر دیجئے)۔

دیکھئے کتنی شہرت بھی ہو جائے گی گو اس کی نیت نہ ہونا چاہئے اور (اس صورت میں غریبوں کو) نفع بھی کس قدر پہنچے گا[1]

(۲) (اور اگر اپنے ہی گھرانہ داماد بیٹا پر خرچ کرنا ہو تو اس کا بہتر طریقہ وہ ہے جو ایک مالدار نے اختیار کیا تھا وہ یہ کہ) ایک مال دار نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا (اور بجائے دھوم دھام سے شادی کرنے کے) ایک لاکھ روپیہ کی جائداد بیٹی کے نام کر دی، اور کہا کہ میری نیت اس شادی میں ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی تھی، اور یہ رقم اس کے واسطے پہلے سے تجویز کر لی تھی خیال تھا کہ خوب دھوم دھام سے شادی کروں گا مگر پھر میں نے سوچا کہ اس دھوم دھام سے میری بیٹی (اور داماد) کو کیا نفع ہوگا بس لوگ کھا پی کر چل دیں گے میرا روپیہ برباد ہوگا اور بیٹی کو کچھ نہ حاصل ہوگا، اس لئے میں نے ایسی صورت اختیار کی جس سے بیٹی (اور داماد) کو نفع پہونچے اور جائداد سے بہتر اس کے لیے نفع کی کوئی چیز نہیں، اس سے وہ اور اس کی اولاد پشتہا پشت تک بے فکری سے عیش کرتے رہیں گے اور اب کوئی مجھے بخیل اور کنجوس بھی نہیں کہہ سکتا، کیونکہ میں نے دھوم دھام سے نہیں کی تو رقم اپنے گھر میں بھی نہیں رکھی، یہ ہوتا ہے عقلاء کا طرز[2]

---

[1] التبلیغ، ج:۲۳، ۱۰۲، دواء العیوب۔ [2] حقوق البیت، ص:۵۲۔

فصل (۳)

شادی میں شہرت اور دھوم دھام

موجودہ رسمیں اور طریقے ایسے لغو ہیں کہ جن سے نہ کسی کا فائدہ اور نہ شہرت، فائدہ نہ ہونے کا ثبوت تو دیکھ لیجئے کہ ریاستیں کی ریاستیں ایک ایک تقریب میں غارت ہوگئیں۔

اور شہرت کی حالت یہ ہے کہ آج کسی نے ہزار (لاکھوں) روپیہ تقریب میں لگائے کل کو دوسرے نے ذرا سی بات اور ایجاد کر لی تو کہتے ہیں کہ ارے فلاں نے کیا کیا تھا، اور شہرت ہے کیا چیز؟ شہرت خود ایک مذموم چیز ہے۔[1]

جتنی دھوم دھام سے شادی کروگے اتنی ہی بدنامی ہوگی

میں تو کہتا ہوں جتنی نام کی کوشش کرتے ہیں اتنی ہی بدنامی ہوتی ہے ایک مہاجن نے بڑی دھوم دھام سے شادی کی، بہت خرچ کیا، براتیوں میں سے ہر شخص کو ایک ایک اشرفی بھی دی جب برات واپس ہوئی، تو آپ کو یہ خیال ہوا کہ ہر گاڑی میں میرا ہی تذکرہ اور تعریف ہو رہی ہوگی اس کو کسی بہانہ سے سننا چاہئے، چنانچہ وہ ایک مقام پر خفیہ طور پر کھڑے ہوگئے، برات وہاں سے گزری، مگر کسی گاڑی میں اپنا تذکرہ نہ پایا آخر ایک گاڑی میں انہوں نے دیکھا کہ دو شخص میرا تذکرہ کر رہے ہیں۔ انہوں بڑے شوق سے کان لگائے ایک نے کہا کہ دیکھو کیسے نام کا کام کیا کہ ایک ایک اشرفی سب کو دی یہ کام کسی نے نہیں کیا، دوسرے نے کہا کہ سسرے نے ایک ایک دی اگر دو دو دیتا تو کیا مر جاتا، غرض یہ کہ نام کے لیے مال برباد کرتے ہیں، مگر وہ بھی میسر نہیں۔[2]

[1] دواء العیوب التبلیغ، ج:۴، ص:۱۰۲ [2] التبلیغ، ج:۱۵، ص:۱۴۲۔

جن کے واسطے تم مال لٹاتے ہو وہ تمہارے بدخواہ ہیں

اور جن کے واسطے خرچ کرتے ہو جس وقت مصیبت آتی ہے ان میں کوئی پاس بھی کھڑا نہیں ہوتا، بلکہ تباہی ہونے پر یوں کہہ دیتے ہیں کہ مال برباد کرنے کو کس نے کہا تھا، اپنے ہاتھوں برباد ہوئے، ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ آسودگی (خوشحالی) میں یہ کہتے تھے کہ جہاں تمہارا پسینہ گرے وہاں ہم خون گرانے کو تیار ہیں، لیکن جس وقت تباہی آتی ہے ان میں سے ایک بھی پاس کھڑا نہیں ہوتا سب آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور بدل جاتے ہیں۔[1]

جب انتظام نہیں ہوسکتا تھا تو اتنے آدمیوں کو بلایا ہی کیوں تھا غرض اس کم بخت کا تو روپیہ برباد ہوا، اور ان کی ناک بھی سیدھی نہ ہوئی، بعض دفعہ حسد میں کوئی یہ حرکت کرتا ہے کہ پکتی دیگ میں ایسی چیز ڈال دیتا ہے جس سے کھانا خراب ہو جائے پھر اس کا ہر محفل میں چرچا ہوتا ہے اور اچھی طرح ناک کٹتی ہے اور اگر سارا انتظام عمدگی سے ہو بھی گیا تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی برا نہ کہے تو بھلا بھی نہیں کہتا۔[2]

دھوم دھام سے شادی کرنے کا زبردست نقصان

اس دھوم دھام کو دیکھ کر دوسرے مال داروں کے دل میں حسد پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو ہم سے بھی بڑھنے لگے، اب وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح انتظام میں کوئی عیب نکالیں اگر کچھ بھی انتظام میں کمی رہ گئی تو پھر کیا ٹھکانہ ہے، ہر طرف اس کا چرچا سن لیجئے، کوئی کہتا ہے کہ میاں کیا ہمیں تو حقہ بھی نصیب نہ ہوا، دوسرا کہتا ہے میاں بھوکے مر گئے، رات کو دو بجے کھانا نصیب ہوا۔

---

[1] التبلیغ، ج:۱۵، ص:۱۴۳۔ [2] دین و دنیا، ص:۴۹۸۔

جب انتظام نہیں ہوسکتا تھا تو اتنے آدمیوں کو بلایا ہی کیوں تھا، غرض اس کم بخت کا تو روپیہ برباد ہوا اور ان کی ناک بھی سیدھی نہ ہوئی، بعض دفعہ حسد میں کوئی یہ حرکت کرتا ہے کہ پکی دیگ میں ایسی چیز ڈال دیتا ہے جس سے کھانا خراب ہوجائے، پھر اس کا ہر محفل میں چرچا ہوتا ہے اور اچھی طرح ناک کٹتی ہے، اور اگر سارا انتظام عمدگی سے ہو بھی گیا تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی برا نہ کہے تو بھلا بھی نہیں کہتا۔[1]

دھوم دھام والی شادی میں نماز سے لاپرواہی

جہاں شادی دھوم دھام سے اور رواج کے مطابق ہوتی ہے وہاں عورتوں اور مردوں کو اور صاحب خانہ کو اور نوکروں کو نماز کا مطلق (بالکل) ہوش نہیں ہوتا، رات بھر جاگنے اور کھانہ دانہ میں اور مہمان داری اور لینے دینے میں کٹ جاتی ہے، مگر نماز کی فرصت کسی کو نہیں ہوتی، یہ حد شرعی سے خروج (آگے بڑھنا) ہے یا نہیں؟ نماز جس کا چھوڑنا کسی ضرورت سے بھی جائز نہیں، بے ضرورت چھوڑ دی جاتی ہے۔

بعض عورتوں کو یہ عذر ہوتا ہے کہ گھر میں اتنا مجمع ہوگیا ہے کہ نماز کے لیے جگہ ہی نہیں، اتنی عورتیں کہاں نماز پڑھیں۔

کیوں بیبیو! سارے کاموں کے لیے جگہ ہے اور نماز کے لے جگہ نہیں؟ کیا جس وقت سونے کا وقت آئے گا اس وقت ان کو لیٹنے کے لیے بھی جگہ نہ ملے گی لیٹنے کے لیے تو ضرور جگہ ملے گی اگر کسی بی بی کو ذرا سی بھی تکلیف ہوگئی تو ساری برادری میں نک کٹی ہوجائے گی، اگر بیبیاں سونے کے برابر بھی نماز کو ضروری سمجھتیں تو نماز کی جگہ نہ ملنے پر بھی برادری میں ناک کٹی کردیں، مگر نماز پڑھنا ہی نہیں یہ سب حیلے بہانے ہیں۔

اور کچھ بھی ہو فرض کر لیجئے کہ جگہ بالکل نہیں ہے تو حق تعالیٰ کب اس کے ذمہ دار ہیں، کیا حق تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ ایسے مجمع میں جاؤ جہاں نماز بھی نہ پڑھ سکو، جب

[1] دین ودنیا، ص: ۴۹۸۔

وقت آئے تو لاکھ تدبیر کرو اور نماز ادا کرو مجمع میں پڑھو یا مجمع میں خاک ڈالو، گھر جا کر نماز ادا کرو، جس صورت سے بھی ہو نماز چھوڑ کر گناہ سے نہیں بچ سکتیں، اگر مجمع نماز پڑھنے کو مانع ہوتا ہے تو شریعت اس مجمع کو بھی جائز نہیں رکھتی، اگر ایک نماز بھی ان تقریبات میں چھوٹ گئی تو ان کے قبیح ہونے کے لیے کافی ہے مگر ہم کو ان کے حسن و قبح (اچھائی برائی) کی خبر ہی نہیں[1]

شادی کے لیے قرض

عورتیں جب شادی بیاہ کے خرچ مردوں کو بتلاتی ہیں اور خاوند پوچھتا ہے کہ اتنا خرچ میں کہاں سے کروں، مجھ میں تو اتنی گنجائش نہیں ہے تو وہ کہتی ہیں قرضہ لے لو، شادی کا قرضہ رہا نہیں کرتا سب ادا ہو جاتا ہے، خدا جانے یہ انہوں نے کہاں سے سمجھ رکھا ہے کہ شادی اور تعمیر کا قرضہ ادا ہی ہو جاتا ہے چاہے وہ سودی ہی قرض ہو اور چاہے خرچ بے تکا ہی ہو۔

صاحب! ہم نے تو ان قرضوں میں جائداد نیلام ہوتے دیکھی ہیں اور جب یہ نوبت پہنچ گئی تو اب لوگ خود بھی ان کی برائی کچھ سمجھ گئے ہیں مگر پھر بھی پوری عقل نہیں آئی، ابھی بہت کچھ رسوم باقی ہیں۔

شرک و بدعت کی رسمیں تو بہت کم ہو گئیں لیکن تفاخر کی رسمیں بڑھ گئیں ہیں ....برتنوں اور فرش وفروش میں قسم قسم کے تکلف پیدا ہو گئے ہیں، پہلے یہ حالت تھی کہ اس قسم کی بڑھیا چیزیں کسی ایک دو شخص کے یہاں ہوتی تھیں، شادی بیاہ میں سب لوگ ان سے مانگ مانگ کر کام نکال لیا کرتے تھے[2]

---

[1] منازعۃ الہویٰ، ص: ۴۶۳۔ [2] دین ودنیا ص: ۵۰۰۔

شادی کیلئے قرض دینے کا حکم

فرمایا کہ (ایسی) شادی بیاہ میں قرض دینا جس سے رسومات ادا کئے جائیں، یا اسراف کیا جائے ممنوع ہے کیونکہ گو اس مقرض (قرض دینے والے) کی نیت (اتلافِ مال (مال کو برباد کرنے) کی نہ ہو مگر تلف کا وقوع تو ہوا، یعنی مال برباد تو ہوا جس کا سبب اس شخص کا فعل ہے (جس نے قرض دیا ہے) اور امر منکر کا مباشر بننا جس طرح منکر (گناہ) ہے اسی طرح سبب بننا بھی (گناہ ہے) **دَلِيْلُهٗ قَوْلُهٗ تَعَالیٰ: "وَلَا تَسُبُّوْا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ.** (الآیۃ)"[1]

[1] کمالات اشرفیہ، ص:۵۱۔

باب (۱۹)

فصل (۱)

عورتیں اور رسوم کی پابندی

عورتوں کی حالت بہت زیادہ خراب ہے یہ اپنی ذہن کی ایسی پکّی ہوتی ہیں کہ دین تو کیا دنیا کی بھی بربادی کا ان کو خیال نہیں رہتا، رسموں کے سامنے اور اپنی ضد کے سامنے چاہے کچھ بھی نقصان ہو جائے کچھ پرواہ نہیں کرتیں.... بعضی عورتیں ایسی دیکھی جاتی ہیں کہ ان کے پاس مال تھا کسی تقریب یا شادی میں لگا کر کوڑی کوڑی کی محتاج ہوگئیں اور ہر وقت مصیبت اٹھاتی ہیں مگر لطف (اور تعجب) یہ ہے کہ اب تک بھی ان رسموں کی برائی ان کو محسوس نہیں ہوتی یوں کہتی ہیں کہ ہم نے فلانے کے ساتھ بھلائی کی، اس کی شادی ایسی دھوم دھام سے کر دی، ہماری یہ سب رقم خدا کے یہاں جمع ہے، جیسی جمع ہے آنکھ میچتے ہی معلوم ہو جائے گا، جب دنیا کی تکلیفیں جو کہ ان کے سامنے ہیں ان پر اثر نہیں کرتیں حالانکہ وہ بالکل محسوس ہیں تو آخرت کی تکلیفوں کو وہ کب خیال میں لاتی ہیں جو ابھی مخفی ہیں۔ (منازعۃ الہویٰ، ص:۴۳۲)

ایک مرض ان عورتوں میں ہے جو مفسدہ میں سب سے بڑھ کر ہے وہ یہ کہ عورتیں رسوم کی سخت پابند ہیں .... خاوند کے مال کو بڑی بے دردی سے اڑاتی ہیں، خاص کر شادی بیاہ کی رسموں میں، اور شیخی کے کاموں میں، بعض جگہ صرف عورتیں خرچ کی مالک ہوتی ہیں، پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرد رشوت لیتا ہے یا مقروض ہوتا ہے، تو

زیادہ تر جو مرد حرام آمدنی میں مشغول ہیں اس کا بڑا سبب عورتوں کی فضول خرچی ہے، مثلاً کسی گھر میں شادی ہوئی تو یہ فرمائش ہوتی ہے کہ قیمتی جوڑا ہونا چاہئے، اب وہ سودو سوروپے میں (اور آج کل پانچ ہزار، دس ہزار میں) تیار ہوتا ہے مرد نے سمجھا تھا کہ خیر سودوسو ہی میں پاپ کٹا مگر بیوی نے کہا کہ یہ تو شاہانہ جوڑا ہے چوتھی کا الگ ہونا چاہئے وہ بھی اسی (ہزار) کے قریب لاگت میں تیار ہوا پھر فرمائش ہوتی ہے کہ جہیز میں دینے کو بیس پچیس جوڑے اور ہونے چاہئے غرض کپڑے میں سینکڑوں (ہزاروں) روپئے لگ جاتے ہیں[1]

جب برادری میں خبر مشہور ہوتی ہے کہ فلاں گھر میں تقریب ہے تو ہر بی بی کو نئے قیمتی جوڑے کی فکر ہوتی ہے، کبھی خاوند سے فرمائش ہوتی ہے کبھی خود....... بزاز (کپڑا بیچنے والے) کو دروازہ پر بلا کر اس سے ادھار لیا جاتا ہے یا سودی قرض لے کر اس سے خریدا جاتا ہے، شوہر کو اگر وسعت نہیں ہوتی تب بھی اس کا عذر قبول نہیں ہوتا، ظاہر ہے یہ جوڑا محض ریا اور تفاخر کے لیے بنتا ہے اس غرض سے مال خرچ کرنا اسراف ہے، خاوند پر اس کی وسعت سے زیادہ بلاضرورت فرمائش کرنا اس کو ایذاء پہنچانا ہے، اگر خاوند کی نیت ان فرمائشوں سے بگڑ گئی اور حرام آمدنی پر اس کی نظر پہنچی کسی کا حق تلف کیا، رشوت لی اور فرمائشیں پوری کیں، اب سب گناہوں کا باعث یہ بی بی بنی............ ان رسموں کے پورا کرنے میں اکثر مقروض بھی ہوتے ہیں گو باغ ہی فروخت یا گروی ہو جائے، اور گو سود دینا پڑے اس میں اِلْتِزَامُ مَالَا یَلْزِم اور نمائش، شہرت، اسراف وغیرہ سب خرابیاں موجود ہیں اس لیے یہ بھی ممنوعات میں داخل ہیں[2]

رسوم ورواج کی جڑ و بنیاد عورتیں ہیں

جتنے سامان بیاہ شادی کے ہیں سب کی بناء تفاخر اور نمود (شہرت) پر ہے اور یہ

[1] حقوق الزوجین، ص:۵۲و۳۴۶ [2] اصلاح الرسوم، ص:۵۶و۵۷۔

تفاخر گو مرد بھی کرتے ہیں مگر اصل جڑ اس میں عورتیں ہی ہیں یہ اس فن کی امام ہیں اور ایسی مشاق اور تجربہ کار ہیں کہ نہایت آسانی سے تعلیم دے سکتی ہیں، جو آدمی جس فن کا ماہر ہوتا ہے اس کو اس فن کے کلیات خوب معلوم ہوتے ہیں، یہ ایک کلیہ (قاعدہ) میں سب کچھ سکھا دیتی ہیں، جب ان سے پوچھا جائے کہ بیاہ شادی میں کیا کیا کرنا چاہئے۔ تو ایک ذرا سا کلمہ چٹکلہ سا سمجھا دیتی ہیں کہ زیادہ نہیں اپنی شان کے موافق تو کرلو، یہ کلیہ نہیں بلکہ کلہیا ہے اور کلہیا بھی ایسی ہے کہ ہاتھی بھی اس میں سما جائے، یہ تو اتنا سا جملہ کہہ کے الگ ہوگئیں کرنے والوں نے جب اس کی شرح پوچھی تو وہ اتنی طویل ہوئی کہ ہزاروں جزئیات اس میں سے نکل آئیں جن سے دنیا کی بھی بربادی ہوئی اور آخرت کا بھی کوئی گناہ نہیں بچا.............. انہوں نے تو صرف ایک لفظ کہہ دیا تھا کہ اپنی شان کے موافق کرلو، جس کو مردوں نے شرح کرا کرا اتنا بڑھالیا کہ ریاستیں کی ریاستیں غارت ہوگئیں ہزاروں گناہ کبیرہ سرزد ہوگئے[1]

عورتوں کے جمع ہونے کے مفاسد اور خرابیاں

مستورات (عورتوں) کے جمع ہونے میں بہت سی خرابیاں اور گناہ ہیں جو عقلمند دین دار کو مشاہدہ اور غور کرنے سے بے تکلف معلوم ہوسکتی ہیں اس لیے میری رائے یہ ہے کہ ام المفاسد (تمام برائیوں کی جڑ) یہ عورتوں کا جمع ہونا ہے، اس کا انسداد (بندو بست) سب سے زیادہ ضروری ہے[2]

میں رائے دیتا ہوں کہ عورتوں کو آپس میں ملنے نہ دیا کرو، خربوزہ سے دوسرا خربوزہ رنگ بدلتا ہے۔ میری رائے بلا شک وشبہہ قطعی طور سے یہ ہے کہ ان عورتوں کو ایک جگہ جمع ہی نہ ہونے دیں، اور اگر کسی ایسی ضرورت کے لیے جمع ہوں جس کو شارع نے بھی ضرورت قرار دیا ہو تو مضائقہ نہیں، مگر اس میں بھی خاوندوں کو چاہئے کہ عورتوں

[1] التبلیغ، ج:۴، ص:۹۷، ۹۸۔ [2] اشرف المعمولات، ص:۱۴، ۳۳۔

کو اس پر مجبور کریں کہ کپڑے بدل کر مت جاؤ جس طرح اور جس حالت میں باورچی خانہ میں بیٹھی ہو چلی جاؤ۔[1]

تقریبات میں عورتیں چند موقعوں پر جمع ہوتی ہیں، اس اجتماع میں جو جو خرابیاں ہیں، ان کا شمار نہیں، مثال کے طور پر بعض کا بیان ہوتا ہے۔[2]

بیاہ شادیوں میں عورتوں کے مفاسد کی تفصیل

(۱) شیخی عورتوں کی گویا سرشت میں داخل ہے اٹھنے میں بیٹھنے میں بولنے میں چلنے میں، کہیں جائیں گی ....تو بے دھڑک اتر کر گھر میں داخل ہو گئیں یہ احتمال ہی نہیں کہ شاید گھر میں کوئی نامحرم مرد پہلے سے ہو، اور بارہا ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر نامحرم کا سامنا ہو جاتا ہے مگر عورتوں کو تمیز ہی نہیں کہ پہلے گھر میں تحقیق کر لیا کریں۔

(۲) اب گھر میں پہونچیں حاضرین کو سلام کیا بعضوں نے زبان کو تکلیف ہی نہیں دی فقط ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا، بس سلام ہو گیا جس کی ممانعت حدیث میں آئی ہے، بعضوں نے لفظ سلام کہا تو صرف سلام، یہ بھی سنت کے خلاف ہے ''السلام علیکم'' کہنا چاہئے۔

اب جواب ملاحظہ فرمایئے، جیتی رہو، ٹھنڈی رہو، سہاگن رہو، بھائی جیئے، بچہ جیئے، غرض کنبہ بھر کی فہرست شمار کرنا آسان اور وعلیکم السلام کہنا مشکل جو سب کو جامع ہے۔

(۳) وہاں پہنچ کر ایسی جگہ بیٹھیں گی کہ سب کی نظر ان پر پڑے، ہاتھ، کان ضرور دکھلائیں گی، ہاتھ کسی چیز میں گھرا ہوا ہو، تب بھی کسی بہانہ سے نکالیں گی اور کان گو ڈھکے ہوئے ہوں مگر گرمی کے بہانہ سے یا کسی ضرورت کے بہانہ سے کھول کر ضرور دکھلائیں گی کہ ہمارے پاس اتنا زیور ہے، اگر کسی کی نظر نہ بھی پڑے تو کھجلی اٹھا کر کان تو دکھا ہی دیں گی، جس سے اندازہ کیا جائے کہ جب اتنا زیور ان کے کانوں میں ہے تو گھر میں نہ معلوم کتنا ہوگا۔

[1] اصلاح الرسوم، ص: ۵۷، ۴۳۔ [2] اصلاح الرسوم، ص: ۶۸۔

(۴) اب مجلس جمی تو شغل اعظم یہ ہوا کہ گپّیں شروع ہوئیں، بیٹھتے ہی سوائے غیبت کے کوئی اور دوسرا مشغلہ ہی نہیں جو سخت ممنوع اور قطعی حرام ہے، ان عورتوں کو شیخی کے دو موقع ملتے ہیں ایک خوشی کا، ایک غمی کا انہی دو موقعوں میں اجتماع ہوتا ہے۔

(۵) باتوں کے درمیان ہر بی بی اس کی کوشش میں ہے کہ میری پوشاک اور زیور پر سب کی نظر پڑ جانا چاہئے ہاتھ سے پاؤں سے زبان سے غرض تمام بدن سے اس کا اظہار ہوتا ہے جو صریح ریا ہے اور اور جس کا حرام ہونا سب کو معلوم ہے۔

(۶) اور جس طرح ہر بی بی دوسروں کو اپنا (زیور) دکھاتی ہے اسی طرح دوسروں کی مجموعی حالت دیکھنے کی بھی کوشش کرتی ہے چنانچہ اگر کسی کو اپنے سے کم پایا تو اس کو حقیر اور ذلیل سمجھا، اور اپنے کو بڑا، یہ صریح تکبر اور گناہ ہے اور اگر دوسری کو اپنے سے بڑھا ہوا پایا تو حسد اور ناشکری اور حرص اختیار کی، یہ تینوں گناہ ہیں۔

(۷) کھانے کے وقت جس قدر طوفان مچتا ہے کہ (اللہ کی پناہ) ایک ایک عورت چار چار طفیلیوں کو ساتھ لاتی ہیں اور ان کو خوب بھر بھر دیتی ہیں اور گھر والے کے مال یا آبرو (عزت) جانے کی کچھ پرواہ نہیں کرتیں۔

(۸) اکثر اس طوفان اور بیہودہ مشغولی میں نمازیں اڑ جاتی ہے ورنہ وقت تو ضرور تنگ ہو جاتا ہے۔

(۹) اگر تقریب والے گھر کے مرد بے احتیاطی اور جلدی میں بالکل دروازہ میں گھر کے روبرو کھڑے ہو جاتے ہیں (بلکہ گھر کے اندر گھس جاتے ہیں) اور بہتوں پر نگاہ پڑتی ہے ان کو دیکھ کر کسی نے منھ پھیر لیا کوئی آڑ میں آ گئی کسی نے سر نیچا کر لیا بس پردہ ہو گیا۔

(۱۰) فراغت کے بعد جب گھر جانے کو ہوتی ہیں تو یاجوج ماجوج کی طرح وہ تموج ہوتا ہے کہ ایک پر دوسری اور دوسری پر تیسری غرض دروازہ پر سب لپٹ جاتی ہیں کہ پہلے میں سوار ہوں۔

(۱۱) پھر کسی کی کوئی چیز گم ہوگئی تو بلا دلیل کسی کو تہمت لگانا، اس پر تشدد کرنا اکثر شادیوں میں پیش آتا ہے۔[1]

لباس، زیور، میکپ (زینت) کا مفسدہ

(۱) غضب یہ کہ ایک شادی کے لیے ایک جوڑا بنا وہ دوسری شادی کے لیے کافی نہیں، اس کے لیے پھر دوسرا جوڑا چاہئے، یہ تو پوشاک کی تیاری تھی، اب زیور کی فکر ہوئی اگر اپنے پاس نہیں ہوتا تو مانگ کر پہنا جاتا ہے اور اس کے عاریت (مانگا ہوا) ہونے کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے، اس کو اپنی ہی ملکیت ظاہر کیا جاتا ہے یہ ایک قسم کا جھوٹ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بہ تکلف اپنی آسودگی (خوشحالی) ظاہر کرے ایسی چیز سے جو اس کی نہیں ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے دو کپڑے جھوٹ اور فریب کے پہن لیے یعنی سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ لپیٹ لیا۔

پھر اکثر ایسا زیور پہنا جاتا ہے جس کی جھنکار دور تک جائے تا کہ محفل میں جاتے ہی سب کی نگاہیں انہیں کے نظارہ میں مشغول ہو جائیں، بجتا زیور پہننا خود ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہر باجے کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔

(۲) بعض عورتیں ایسی بے احتیاط ہوتی ہیں کہ ڈولی (سواری) سے پلہ لٹک رہا ہے یا کسی طرف سے پردہ کھل رہا ہے یا عطر و پھلیل اس قدر ملی ہے کہ راستہ میں خوشبو مہکتی جاتی ہے، یہ نامحرموں کے روبرو زینت ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ جو عورت گھر سے عطر لگا کر نکلے یعنی اس طرح کہ دوسروں کو بھی خوشبو پہونچے تو وہ ایسی ویسی ہے (یعنی بدکار اور زانیہ ہے)۔[2]

---

[1] اصلاح الرسوم، ص: ۶۰۔ [2] اصلاح الرسوم، ص: ۵۹۔

عورتوں کی زبردست غلطی

یہ عجیب بات ہے کہ گھر میں تو بھنگنوں اور ماماؤں کی طرح رہیں اور ڈولی (رکشہ) آتے ہی بن سنور کر بیگم صاحبہ بن جائیں، کوئی ان سے پوچھے کہ اچھے کپڑے پہننے کی غرض کیا صرف غیروں کو دکھانا ہے؟ تعجب ہے کہ جس کے واسطے یہ کپڑے بنے اور جس کے دام لگے اس کے سامنے کبھی نہ پہنا جائے اور غیروں کے سامنے پہنا جائے، حیرت ہے کہ خاوند سے کبھی سیدھے منھ بات نہ بولیں، کبھی اچھا کپڑا اس کے سامنے نہ پہنیں اور دوسروں کے گھروں میں جائیں تو شیریں زبان بن جائیں اور کپڑے بھی ایک سے ایک بڑھے چڑھے پہن کر جائیں، کام آئیں غیروں کے اور دام لگیں خاوند کے یہ کیا انصاف ہے؟ اس تصنع کی یہاں تک نوبت پہنچی [1]

ارشاد نبوی اور ضروری مسئلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی کپڑا دکھاوے کی غرض سے پہنے گا اس کو خدا تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے، کیا عورتوں کے ان معمولی افعال کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ رسوم میں ان کی نیت درست ہے، عورتوں کو اس طرف التفات نہیں ہوتا کہ نیت درست اور نادرست (صحیح غلط) کیسی ہوتی ہے۔

اور یہاں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب کوئی کپڑا بناتا ہے تو دو چار کپڑوں میں سے اچھا ہی چھانٹ کر لیتا ہے، تو یہ سب ترفع یا دکھلاوا ہوا؟ اس کا گر یاد رکھو کہ اپنا جی خوش کرنے کو کپڑا پہنا جائے تو مباح ہے اور دوسرے کی نظر میں بڑا ہونے کے لیے پہنا جائے تو ناجائز ہے [2]

---

[1] التبلیغ دواء العیوب، ص:۹۱ [2] حقوق الزوجین، ص:۴۴۶۔

عورتوں کو شادیوں میں جانے سے باز رکھنے کا طریقہ

ایک ترکیب میں نے مردوں کو سکھلائی ہے گو عورتیں اس میں بہت خفا ہوتی ہیں مگر وہ شیخی کا علاج ہے، وہ ترکیب یہ ہے کہ عورتوں سے یہ تو مت کہو کہ جمع نہ ہو (یعنی شادیوں میں شرکت نہ کرو) یہ تو ہونا مشکل ہے اور اس میں وہ معذور بھی ہیں کیونکہ ''**الجنس یمیل الیٰ الجنس**'' جنس کا میلان اپنی جنس ہی کی طرف ہوتا ہے عورتوں کا دوسری بیبیوں سے ملنے کا کبھی تو جی چاہتا ہی ہے، مگر یہ کرو کہ کہیں جاتے وقت کپڑے نہ بدلنے دیا کرو اس کیلئے مردانہ حکومت سے کام لو، اور جب کہیں جائیں تو سر پر کھڑے ہو کر مجبور کرو کہ کپڑے نہ بدلنے پائیں [1]

شادیوں میں عورتوں کو منع کرنے کا سہل طریقہ یہی ہے کہ جانے کو منع نہ کریں مگر اس پر مجبور کریں کہ کپڑے، زیور وغیرہ کچھ نہ پہنیں جس حیثیت سے اپنے گھر میں رہتی ہیں اسی طرح چلی جائیں، خود جانا بند ہو جائے گا [2]

اگر عورتیں شادی میں شرکت اور رسم و رواج سے باز نہ آئیں؟

ایک شخص مولانا محمد قاسم صاحب کی خدمت میں تقریبات میں رسوم کی ممانعت پر کہنے لگا کہ بیوی نہیں مانتی، فرمایا کہ نہیں جا کر سمجھاؤ مان جائے گی، اس نے کہا: بہت سمجھا چکا کسی طرح نہیں مانتی، مولانا کو غصہ آ گیا اور فرمایا کہ اگر وہ کسی مرد کے بغل میں سونے کی اجازت مانگے تو کیا اس کی بھی اجازت دے دو گے؟ بس وہ صاحب چپ ہی رہ گئے [3]

[1] التبلیغ، ج:۴، ص:۹۱ [2] اشرف المعمولات، ص:۳۳۔ [3] الاشرف، ص:۶۷، ۱۳۵۴ھ رمضان۔

عورتوں کے لیے شادیوں میں شرکت کا فی نفسہ حکم
شادیوں میں عورتوں کے لیے شرکت کی گنجائش ہے یا نہیں؟

ولائم (دعوت ولیمہ شادی) اور نامحرموں میں جانے سے منع کرنے کی علت احتمال فتنہ ہے، اور فتنہ عام ہے ہر امر غیر مشروع (ناجائز کام) کو جس کی تفصیل میرے نزدیک وہی ہے جس کو اصلاح الرسوم میں بندہ نے لکھا ہے (جس کا ذکر ما قبل میں گزر چکا)۔

باقی جس کے نزدیک نہی کا مدار جو فتنہ ہو وہ ہے اور علت کے ارتفاع (ختم ہو جانے) سے معلول (ممانعت) بھی مرتفع (ختم) ہو جائے گا (یعنی اگر احتمال فتنہ نہ ہو تو جانے کی گنجائش ہے)۔

اور جہاں جانے کی اجازت ہے وہ مشروط ہے عدم تزیّن (بناؤ سنگار نہ کرنے) کے ساتھ اور اس کا مدار بھی وہی احتمالِ فتنہ ہے عورتوں میں جب بے پردگی ہوتی ہے تب فتنہ ہوتا ہے۔　(انفاس عیسیٰ، ص:۳۵۴، امداد الفتاویٰ، ج:۲، ص:۱۷۸)

عورتیں بھی سن لیں اگر کپڑے بالکل ہی میلے ہوں تو خیر بدل لو وہ بھی سادے ورنہ ہرگز نہ بدلو، سیدھے سادے کپڑوں میں مل آیا کرو، ملنے سے جو غرض ہے وہ اس صورت میں بھی حاصل ہوگی اور اخلاق کی درستگی بھی ہوگی۔

اور یہ خیال ہو کہ اس میں ہماری حقارت ہوگی تو ایک تو جواب اس کا یہ ہے کہ نفس کی حقارت تو ہونی ہی چاہئے۔

دوسرا جواب تسلی بخش یہ ہے کہ جب ایک بستی میں اس کا رواج ہو جائے گا، سیدھی سادی طرح سے مل لیا کریں گی تو انگشت نمائی اور تحقیر بھی نہ رہے گی، اور غریب عورت مزدور کی بیوی بن ٹھن کر جاتی بھی ہے، مگر جن عورتوں کو اس کے گھر کی حالت معلوم ہے وہ تو یہی کہیں گی کہ نگوڑی مانگے کا کپڑا اور زیور پہن کر آئی ہے، اس پر اتراتی ہے۔　(التبلیغ، ج:۴، ص:۹۳)

کوئی صاحب یہ شبہہ نہ کرلے کہ میں اچھے لباس کو منع کرتا ہوں، میں خود اچھے لباس کو منع نہیں کرتا بلکہ اس مفسدہ سے بچاتا ہوں جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے، وہ ریاء اور عجب (دکھلاوا اور اپنے کو اچھا سمجھنا) ہے جو ان سے بچ سکے وہ پہنے، کپڑے کے اچھے ہونے کے دو مرتبے ہیں ایک یہ کہ برا نہ ہو، جس سے اپنا دل خوش ہو، اور دوسروں کے سامنے ذلیل نہ ہونا پڑے، اس کا کچھ حرج نہیں۔

اور ایک یہ کہ دوسروں سے بڑھا چڑھا ہو کہ اس کی طرف نظریں اٹھیں یعنی دوسرے کی نظر میں بڑا ہونے کے لیے پہنا جائے یہ برا اور ناجائز ہے[1]

رسوم کی پابندی میں بوڑھی عورتوں کی کوتاہی

بعض عورتوں نے مجھ سے مرید ہونا چاہا تو میں نے ان سے شرط لگا دی کہ رسمیں چھوڑنا پڑیں گی، کہنے لگیں کہ میرے کچھ ہے ہی نہیں، نہ بال نہ بچہ، میں کیا رسمیں کروں گی، میں نے کہا کروگی تو نہیں لیکن صلاح (مشورہ تو ضرور) دوگی۔

یہ پرانی بڑھیاں (رسموں کے معاملہ میں گویا) شیطان کی خالہ ہوتی ہیں، خود اگر نہ کریں تو دوسروں کو بتلاتی ہیں، چنانچہ دیکھتا ہوں کہ جن عورتوں کے اولاد نہیں وہ خود تو کچھ نہیں کرتیں، لیکن دوسروں کو تعلیم دیتی ہیں کوئی پوچھے تو کہ اس کو کیا شامت سوار ہوئی ہے، اس کو تو یہ مناسب تھا کہ تسبیح لے کر مصلے پر بیٹھ جاتی، کچھ فکر تو ہے نہیں، اللہ تعالیٰ نے سب فکروں سے خالی رکھا تھا، (کاش) وقت کی قدر جانتیں مگر یہ ہرگز نہ ہوگا، بس یہ مشغلہ ہوگا کہ کسی کی غیبت کر رہی ہیں کسی کو رائے دے رہی ہیں گویا یہ بڑی بنتی ہیں، بات بات میں دخل دیتی ہیں۔

یاد رکھو! زیادہ بولنے سے کچھ عزت نہیں ہوتی، عزت اسی عورت کی ہوتی ہے جو خاموش رہے اگر خاموش ہو کر ایک جگہ بیٹھ کر اللہ کا نام لے (تسبیح پڑھے) تو اس کی تو

[1] حقوق الزوجین، ص: ۴۴۵۔

بڑی قدر اور وقعت ہوتی ہے مگر باتیں کرنے کی جن کو عادت ہو جاتی ہے یہ کیسے چھوٹ سکتی ہے خواہ ذلت خواری ہو، کوئی ان کی بات بھی کان لگا کر نہ سنے لیکن ان کو اپنی ہانکنے سے کام عورتیں اس کو سن کر کہا کرتی ہیں کہ بیٹھ تو جائیں لیکن کوئی چین تو لینے دے، میں کہتا ہوں کہ تم اپنے منہ کو جب گوند لگا کر بیٹھو گی (یعنی بالکل خاموش رہو گی) تو کیا کسی کا سر پھرا ہے (کوئی پاگل ہے) جو تم سے مزاحمت (مقابلہ) کرے، زیادہ فساد اور گناہ بولنے ہی سے ہوتے ہیں۔

واقعی زیادہ گناہ ہم لوگوں سے اس زبان ہی کی بدولت ہوتے ہیں اس مضمون کو مرد اور عورتیں سب یاد رکھیں، لیکن آج کل مشکل یہ ہے کہ آنسو بہا لیں گے، آہیں بھر لیں گے اور سن کر کہیں گے کہ بس جی ہمارا کیا ٹھکانہ ہے۔

صاحبو! ان باتوں سے کام نہیں چلتا کام تو کرنے ہی سے ہوتا ہے، پس کام کرو اور باتیں نہ بگھارو[1]

---

[1] وعظ الدنیا ملحقہ دنیا و آخرت، ص:۱۰۲۔

فصل (۲)

عورتوں کی رسوم میں اصل قصور مردوں کا ہے

جس کی وجہ یہ ہے کہ جن کاموں سے عورتوں کو منع کرتے ہیں ان کاموں میں مردوں کو بھی حظ (مزہ) آتا ہے، ان کا منع کرنا برائے نام ہوتا ہے، حتی کہ عورتیں جب رسمیں کرتی ہیں اور مرد ان کو منع کرتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہیں کہ مجھے کیا مل جائے گا تمہارا ہی نام کروں گی، بس اس وقت مرد خاموش ہو جاتے ہیں، معلوم ہوا کہ نام کرنے کی خواہش ان کو خود بھی ہے جب ان ہی کے افعال میں کوتاہی ہے تو ان کے محکوموں کے افعال میں کیوں نہ ہوگی۔

آپ یہ نہ کہیں کہ عورتیں راہ پر آتی ہی نہیں (بات مانتی ہی نہیں) کیونکہ خدا تعالیٰ نے آپ کو حاکم اور ان کو محکوم بنایا ہے۔

''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ'' مرد عورتوں پر حاکم ہیں حاکم کا محکوم پر بڑا قبضہ ہوتا ہے، یہ صرف حیلہ ہے کہ وہ مانتی نہیں، اس کو ہم سچ جب سمجھیں کہ وہ کھانے میں نمک تیز کر دیں، اور آپ دو چار مرتبہ کہنے کے بعد چپکے بیٹھ کر کھا لیا کریں مگر دنیا کے کاموں میں یہ کبھی نہیں ہوسکتا، سستا تو دین ہے کہ اس کو جس طرح چاہیں رکھیں بات درحقیقت یہ ہے کہ عورتوں کو ایک دو بار نصیحت کر کے خاموش ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا منع کرنا برائے نام ہوتا ہے (ورنہ) ان کاموں میں مردوں کو بھی حظ (لطف) آتا ہے[1]

---

[1] مناوعۃ الہویٰ، ص: ۴۳۸۔

مردوں نے عورتوں کو امام بنا رکھا ہے

مردوں نے ان کاموں میں امام بھی عورتوں ہی کو بنا رکھا ہے خود کچھ بھی نہیں کرتے، تقریبات (بیاہ شادی) کے تمام کام عورتوں سے پوچھ پوچھ کر کرتے ہیں۔

کانپور میں ایک بارات آئی تو لڑکی والے سے احباب نے پوچھا کہ بارات کہاں ٹھہرائیں اس نے کہا اس میں تمہیں کیا دخل ہے منی کی اماں سے پوچھ لو، اتنی سی بات کے لیے بھی چنی منی کی اماں سے پوچھنے کی ضرورت تھی۔

غرض مردوں نے ایسی اپنی مہار (نکیل) عورتوں کے ہاتھ میں دے دی ہے کہ اتنی اتنی سی بات میں بھی ان کے خلاف نہیں چل سکتے، حالانکہ ان کو شریعت سے پوچھ کر کام کرنا چاہئے تھا، بت کدہ سے نکل کر مسجد میں آنا چاہئے تھا، مگر یہ تو پیرانی صاحبہ سے پوچھ رہے ہیں کہ مدرسہ سے کعبہ کی طرف جاؤں یا میکدہ کی طرف، کبھی کسی مرد نے کسی مولوی سے جا کر نہ پوچھا کہ شادی میں فلاں فلاں کام کریں یا نہ کریں یہ استفتاء عورتوں ہی سے ہوتے ہیں، پھر جیسی وہ مفتیہ ہیں، ویسے ہی فتوے بھی ہوتے ہیں، مردوں کو تو بے وقوف بناتی ہیں، اور خود تقریبات میں ایسی منہمک ہوتی ہیں کہ کچھ بھی ہوش نہیں رہتا[1]

رسوم سے منع کرنے والے دو قسم کے لوگ

تعجب ہے کہ اکثر مرد بھی عورتوں کے رسوم میں ان کے تابع ہو جاتے ہیں اور بعض مرد جو اس میں مخالفت کرتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں، ایک تو اہل دین جو دین کی حیثیت سے ان کی مخالفت کرتے ہیں، دوسرے انگریزی تعلیم یافتہ جو دینی حیثیت سے ان کی مخالفت نہیں کرتے ہاں عقل کے خلاف سمجھتے ہیں، سو پہلے لوگ قابل قدر ہیں باقی

[1] التبلیغ، ج:۴، ودواء العیوب۔

دوسروں کی مخالفت ایسی ہے کہ ”فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَوَقَفَ تَحْتَ الْمِيْزَابِ“ یعنی بارش سے بھاگ کر پرنالہ کے نیچے کھڑے ہوگئے۔

وجہ یہ ہے کہ عورتیں تو رسوم میں دو تین بار ہی عمر بھر میں خرچ کرتی ہوں گی اس پر ان کی ملامت کی جاتی ہے کہ ہائے فضول خرچی کرتی ہو؟ اور خود رات دن اس سے بڑھ کر فضول میں مبتلا ہیں، کہیں فوٹوگراف آرہا ہے، کہیں ہارمونیم ہے، کہیں ولایتی فضول چیزوں سے کمرہ سجایا جارہا ہے، چھ چھ جوڑے جوتے رکھے ہیں، فیشن کے کپڑے قیمتی قیمتی سلوائے جارہے ہیں، بعض لوگوں کے کپڑے لندن سلنے اور دھلنے جاتے ہیں، یہ لوگ رات دن اسی قصہ میں مشغول ہیں، خود کی تو یہ حالت ہے اور عورتوں کو فضول خرچ بتاتے ہیں۔

یہ حضرات جو عورتوں کو رسوم سے روکتے ہیں تو صرف اس لیے کہ دو طرف خرچ نہ ہو، یہ روکنا قابل قدر نہیں، ہاں دین کی وجہ سے روکنا البتہ مطلوب ہے جس میں روکنے والا اپنے نفس کو بھی شریک رکھتا ہے یعنی وہ بھی اس کا عامل (اس کے مطابق عمل کرنے والا) ہے[1]

مردوں سے شکایت

عورتوں کی کیا شکایت میں مردوں کو بھی کہتا ہوں کہ شاذ و نادر ایسا ہوتا ہوگا کہ ایک بات کو کسی کا جی چاہے پھر وہ اتنا سوچ لے کہ یہ کام اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق ہے یا نہیں بس جو جس کے جی میں آتا ہے وہ کر گزرتا ہے۔

کبھی کسی مرد نے کسی مولوی سے جا کر نہ پوچھا کہ شادی میں فلاں فلاں کام کریں یا نہ کریں۔

اور اگر اس کام (رسوم وغیرہ) میں دنیا کی بھی کوئی مصلحت ہو تو اس صورت میں

[1] العاقلات الغافلات، ص:۳۴۶۔

یہ خیال آنا تو درکنار کہ یہ کام اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے یا نہیں؟ اگر کوئی یاد بھی دلائے کہ یہ کام جائز نہیں تو کبھی نہ سنے، اور جو سنے بھی تو کھینچ تان کر اس کو جائز ہی کر کے چھوڑے، ویسے کرنا تو ایک ہی گناہ تھا اب یہ جہل مرکب ہوگیا اور اصرار علی المعصیت کا مرتبہ (اور دوسرا گناہ) ہوگیا[1]

رسوم رواج ناچ گانے کی وجہ سے برادری والوں کا حقہ پانی بند کرنا یا جرمانہ مقرر کرنا جائز نہیں

سوال (۶۵۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم (اور برادری) مومن اور مسلمان ہے، مگر جب اس قوم اور برادری کا کوئی شخص قصوروار ہوتا ہے (یعنی ایسی کوئی حرکت کرتا ہے) جو شرعاً ناجائز ہے، اس کا فیصلہ برادری کے پنچ (یا چودھری صاحب) کرتے ہیں چند لوگ مسجد میں بیٹھ کر اس قصوروار کے بارہ میں جرمانہ کا مشورہ کرتے ہیں اور ساری قوم کو وہ فیصلہ سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے شخص! یا تو تم ساری برادری کو کھانا کھلاؤ ورنہ تیرے اوپر سو روپیہ جرمانہ اور برادری سے خارج (اور حقہ پانی سب بند) اور کبھی صرف جرمانہ مقرر کرتے ہیں اب وہ بیچارہ غریب جن میں بعض بہت غریب مزدور تک ہوتے ہیں وہ بیچارہ کئی کئی سال تک برادری سے خارج سمجھے جاتے ہیں۔ اگر غریب بیچارہ خالی ہاتھ قوم کے سامنے معافی مانگے ہاتھ پیر جوڑے تو ان کو یہی جواب ملتا ہے کہ جرمانہ لے کر آؤ وہ بیچارہ مجبور ہو کر جائداد گھر کا سامان وغیرہ بیچ ڈالتا ہے اور پھر اس رقم سے یا تو ساری برادری کھانا کھاتی ہے یا اس روپے کے برتن لیے جاتے ہیں، دیگیں منگائی جاتی ہیں کبھی طبق اور فرش منگائے جاتے ہیں اور پھر ان برتنوں کو پوری برادری بیاہ شادی میں استعمال کرتی ہے اب علماء دین ومفتیان شرع متین سے دریافت ہے کہ مسلمانوں کو جرمانہ کرنا اور وہ کھانا

[1] التبلیغ، ج:۴، ص:۱۰۰، منازعۃ الھویٰ: ص:۴۳۲۔

کیسا ہے؟ جرمانہ کو وصول کر برتنوں کا خریدنا اوران کو استعمال میں لانا کیسا ہے؟ پھران میں جو کھانا پکایا جاتا ہے وہ کھانا کیسا ہے؟

جواب: ایسا کھانا اوراس طرح کا جرمانہ کرنا یااس کا وصول کرنا اس روپیہ کے برتنوں کا استعمال کرنا سب حرام ہے۔[1]

فصل (۳)

رسوم ورواج کے ختم کرنے کے طریقے

(۱) ان رسوم کے ختم کرنے کے دوطریقے ہیں ایک تو یہ کہ سب برادری متفق ہو کر یہ سب بکھیڑے موقوف کردیں، دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ اسی طرح چندروز میں یہ طریقہ عام ہوجائے گا، اور کرنے کا ثواب اس شخص کو ملے گا، اور مرنے کے بعد بھی وہ ثواب لکھا جایا کرے گا۔[2]

(۲) دیندار کو چاہئے کہ نہ خود ان رسموں کو کرے اور جس تقریب میں یہ رسمیں ہوں، ہرگز وہاں شریک نہ ہوں صاف انکار کردے، برادری کنبہ کی رضامندی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے روبرو کچھ کام نہ آئے گی۔[3]

(۳) اس بات کا التزام کرلو کہ بلا پوچھے اور بے سمجھے محض اپنے نفس کے کہنے سے کوئی کام نہ کروتا کہ کمال ایمان میسر ہو، اسی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تِبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ'' (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش ان احکام کے تابع نہ ہوجائے جن کو میں لایا ہوں)

(بعض لوگ) کہتے ہیں کہ ہم تو دنیادار ہیں ہم سے کہیں شریعت نبھ سکتی ہے؟ کیونکہ صاحبو! جس وقت جنت سامنے کی جائے گی اس وقت تم یہ کہہ دوگے کہ ہم تو

[1] امدادالفتاوی، ج:۲،ص:۵۵۸۔ [2] اصلاح الرسوم،ص:۸۹۔ [3] اصلاح الرسوم،ص:۸۹۔

دنیادار ہیں ہم کیسے اس میں جائیں؟ شریعت کو ایسی ہولناک چیز فرض کرلیا ہے کہ جو دنیا داروں کے بس کی نہیں (حالانکہ) شریعت میں بہت وسعت ہے[1]

رسوم ورواج کوختم کرنے کا شرعی طریقہ

رسوم و رواج میں عمل کی تبدیلی بھی ضروری ہے (کیونکہ) سینہ سے حرج (اور لزوم) نکلتا نہیں مگر عمل کو ایک مدت تک بدل دینے سے، اسی لیے اخراج حرج (یعنی دل سے اس کی برائی ختم کرنے) کے لیے ایسا کرنے سے ضرور عنداللہ ماجور ہوگا، اس کی نظیر میں حدیث شریف موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بعض روغنی برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمادیا تھا پھر فرماتے ہیں ’’كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَ الْحَنْتَمِ فَانْبُذُوْا فِيْهَا فَاِنَّ الظَّرْفَ لاَ يُحِلُّ شَيْئًا وَلاَ يُحَرِّمُ‘‘ یعنی پہلے میں نے روغنی برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کر دیا تھا اب اس میں نبیذ بنایا کرو اور علت ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ برتن نہ کسی چیز کو حرام کرتا ہے اور نہ حلال کرتا ہے، پھر اس کے باوجود منع فرمادیا تھا، وجہ صرف یہ تھی کہ لوگ شراب کے عادی ہیں، تھوڑے سے نشہ کو محسوس نہ کر سکیں گے اور ان برتنوں میں پہلے شراب بنائی جاتی تھی اس لیے خمر (شراب) سے پورا اجتناب نہ کرسکیں گے اور گناہگار رہوں گے، پس پورے اجتناب (بچنے) کا طریقہ یہی ہے کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے مطلقا روک دیا جائے جب طبیعتیں شراب سے بالکل متنفر ہوجائیں اور ذرا سے نشہ کو پہچاننے لگیں تو پھر اجازت دیدی جائے۔

اسی طرح ان رسموں کی حالت ہے کہ ظاہری اباحت کو دیکھ کر لوگ اس کو اختیار کرتے ہیں اور ان منکرات کو نہیں پہنچانتے جو ان کے ضمن میں پائے جاتے ہیں تو اس کے لیے اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا سوائے اس کے کہ چندروز تک اصل عمل ہی کو

[1] حقوق الزوجین، ص: ۴۷۶۔

ترک کردیں، اور یہ بات کہ اصل عمل باقی رہے اور منکرات عام طور سے دور ہوجائیں سو ہمارے امکان سے تو باہر ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا تو ہم کیا ہیں کہ اس کے سوا تدبیریں اختیار کرتے پھریں، جب ایک تدبیر بھی عقلاً مفید معلوم ہوتی ہے اور نقلاً بھی ثابت ہوچکی تو ضرورت ہی کیا ہے کہ اس سے عدول کیا جائے۔[1]

سب رسموں کو یکبارگی منع کرنے متعلق حضرت تھانوی کی رائے

ایک شخص نے شادی کی رسموں کے متعلق مجھ سے کہا کہ اک دم سے سب رسموں کو نہ منع کیا کرو، ایک ایک کرکے منع کرو، میں نے کہا: سلام ہے، جب میں ایک کو منع کروں گا ایک کو منع نہ کروں گا تو مجھ سے بدگمان ہوں گے کہ رسوم ہونے میں تو دونوں برابر ہیں پھر ایک کو کیوں منع کیا اور ایک کو کیوں منع نہ کیا، پھر بار بار منع کرنے سے قلب میں تنگی پیدا ہوگی کہ یہ تو روز ایک بات کو منع ہی کرتے رہتے ہیں، خدا جانے کہاں تک قید کریں گے، اس لیے منع تو سب کو کروں گا، مگر مجبور نہیں کرتا کہ سب کو اکدم سے چھوڑ دو، تم چھوڑنے میں ایک ایک کرکے چھوڑ دو۔

بہرحال اگر کسی میں بہت سے عیوب ہوں تو بتا تو دے سب کو مگر پہلے ایک کو چھڑا دے پھر دوسرے کو چھڑا دے پھر تیسرے کو چھڑا دے۔[2]

رسوم کی مخالفت کرنے والا ولی اور خدا کا مقبول بندہ ہے

بعض لوگ طعن و تشنیع کے خوف سے رسوم پر عمل کرلیتے ہیں مگر جس شخص میں

[1] تطہیر رمضان، ص: ۳۷۔ [2] التبشیر ملحقہ دعوت و تبلیغ، ص: ۳۹۱۔

احکام کی تعمیل کا مادہ ہوگا وہ رسوم کے ترک کرنے میں کسی کے طعن و تشنیع کا کبھی خیال نہ کرے گا، اور گو باہمت مسلمان سے یہ کچھ بعید نہیں لیکن آج کل مخالفت عامہ کی وجہ سے ایسا شخص قابل تعریف ہے، ایسا شخص آج کل ولی اور خدا کا مقبول بندہ ہے[1]

رسوم کی پابندی کرنے والے لعنت کے مستحق ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چھ شخصوں پر میں اور حق تعالیٰ اور فرشتے لعنت کرتے ہیں، منجملہ ان کے ایک وہ شخص ہے جو رسم جاہلیت کو تازہ کرے۔

(ایک حدیث میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ بغض اللہ تعالیٰ کو تین شخصوں کے ساتھ ہے ان میں سے ایک یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اسلام میں آکر جاہلیت کا کام برتنا چاہے، مضامین مذکورہ کی بہت سی احادیث موجود ہیں۔

اس بارہ میں تم لوگ شریعت کا مقابلہ کر رہے ہو خدا کے لیے ان کفار کی رسوم کو چھوڑ دو[2]

تمام مسلمانوں کی ذمہ داری

ہر مسلمان مرد عورت پر لازم ہے کہ ان سب بیہودہ رسموں کے مٹانے پر ہمت باندھے اور دل و جان سے کوشش کرے کہ ایک رسم بھی باقی نہ رہے اور جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں سادگی سے سیدھی سادھے طور پر کام ہوا کرتے تھے اس کے موافق اب پھر ہونے لگیں جو مرد اور جو عورتیں یہ کوشش کریں گے ان کو بڑا ثواب ملے گا۔

حدیث شریف میں آیا ہے ہے کہ سنت کا طریقہ مٹ جانے کے بعد جو کوئی اس

---

[1] العاقلات الغافلات ملحقہ حقوق الزوجین، ص: ۳۴۷۔ [2] اصلاح الرسوم، ص: ۸۶، عضل الجاہلیہ، ص: ۳۸۱۔

(سنت کے طریقہ) کو زندہ کر دیتا ہے اسکو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے[1]

عورتوں سے درخواست

عورتیں چاہیں تو سارے رسوم ورواج ختم ہو جائیں

میں عورتوں سے درخواست کرتا ہوں کہ ان کو چاہئے کہ مردوں کو (رسوم سے) روکیں، ان کا روکنا بہت مؤثر ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ ان قصوں (رسوم ورواج) کی اصل بانی وہی ہیں جب یہ خود رکیں گی اور مردوں کو روکیں گی تو کوئی بھی قصہ نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ ان کا لب ولہجہ اور ان کا کلام بے حد مؤثر ہوتا ہے ان کا کہنا دل میں گھس جاتا ہے اس لیے اگر یہ چاہیں تو بہت جلد روک سکتی ہیں[2]

---

[1] بہشتی زیور، ج:۶، ص:۳۲۸۔ [2] التبلیغ، دواء العیوب، ج:۴، ۹۹۔

باب (۲۰)

مختلف رسمیں

مائیوں میں بٹھلانے اور اپٹن ملنے کی رسم

شادی سے پہلے ہی سے یہ مصیبتیں اس بیچاری (لڑکی) پر آجاتی ہیں کہ پہلے اس کو سخت قید خانہ میں رکھا جاتا ہے جس کو آپ کی اصطلاح میں مائیوں میں بیٹھنا کہتے ہیں، برادری اور کنبہ کی عورتیں جمع ہو کر لڑکی کو علیحدہ مکان میں معتکف کر دیتی ہیں یہ رسم بھی چند خرافات سے مرکب ہے۔

اول اس کو علیحدہ بٹھلانے کو ضروری سمجھنا خواہ گرمی ہو یا جس کو گو حکیم جالینوس اور بقراط بھی کہیں کہ اس کو کوئی بیماری ہو جائے گی، کچھ بھی ہو مگر یہ فرض قضا نہ ہو۔

ایک کوٹھری میں بند کر دی جاتی ہے جہاں اس کو ہوا تک نہیں پہنچتی سارے گھر سے بولنا بند ہو جاتا ہے، اپنی ضروریات میں دوسرے کی محتاج ہو جاتی ہے، اپنے آپ پاخانہ، پیشاب کو نہیں جاسکتی، ان رسموں کی بدولت دنیا کی سزائیں بھگتیں۔

غضب یہ ہے کہ اس قرنطینہ میں نماز تک نہیں پڑھتیں کیونکہ اپنے منھ سے پانی نہیں مانگ سکتیں اور اوپر والیوں (بوڑھی عورتوں) کو اپنی ہی نماز کی پرواہ نہیں اس کی کیا خبر لیں، وہ نماز جو مرتے وقت بھی معاف نہیں مگر اس میں وہ بھی قضا کی جاتی ہے۔

اور اگر اس کے بیمار ہونے کا احتمال ہو تو کسی مسلمان کو ضرر پہنچانے کا الگ گناہ ہوگا جس میں ساری برادری شریک ہے۔

حیاء اور بے حیائی کا امتحان بھی عورتیں کرتی ہیں چنانچہ لڑکی کے گدگدی اٹھاتی ہیں اگر وہ ہنس پڑے تو بے حیا اور نہ ہنسی تو حیادار، کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان منکرات کے باوجود یہ رسمیں جائز ہوسکتیں ہیں؟ حاشا وکلّا۔

دین سے قطع نظر یہ بات عقل کے بھی تو خلاف ہے کہ اس کو آدمی سے حیوان بلکہ جمادات (پتھر) بنادیا جائے، اس کا کھانا پینا بند کیا جاتا ہے، محض اس لیے کہ اگر کم کھانے کی عادت نہ ہوگی تو سسرال میں کھائے گی پھر پاخانہ جائے گی جو قانون حیاء خلاف ہے حتیٰ کہ بہت جگہ یہ دیکھا گیا کہ فاقہ کرتے کرتے لڑکیاں بیمار ہوگئیں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ، جب دین کو کوئی چھوڑتا ہے تو عقل بھی سلب ہوجاتی ہے، شادی کے مفاسد کو کہاں تک بیان کروں، جس رسم کو چاہے دیکھ لیجئے وہ دین کے خلاف ہونے کے ساتھ عقل سے بھی خارج ثابت ہوگی۔[1]

اپٹن ملنے کی رسم

اگر بدن کی صفائی اور نرمی کی مصلحت سے بٹنا (اپٹن) ملنے کی ضرورت ہو تو اس کا مضائقہ نہیں، مگر معمولی طور سے بلا کسی رسم کی قید کے (پردہ کی رعایت کے ساتھ) مل دو بس فراغت ہوگئی اس کا اس قدر طور مار کیوں باندھا جائے۔[2]

سلامی اور ملیدہ کی رسم

(عورتیں) دولہا کی زیارت، بارات کے تماشہ کو دیکھنا فرض اور تبرک سمجھتی ہیں، جس طرح عورت کو اپنا بدن اجنبی مرد کو دکھلانا جائز نہیں، اسی طرح بلاضرورت اجنبی مرد کو دیکھنا بھی احتمال فتنہ کی وجہ سے ممنوع ہے (لیکن کچھ بھی ہو) نوشہ گھر میں بلایا جاتا

[1] حقوق الزوجین، ص:۴۵۳، اصلاح الرسوم، ص:۵۴، الافاضات، ج:۲، ص:۱۵۸۔

[2] اصلاح الرسوم، ص:۵۴۔

ہے،اوراس وقت پوری بے پردگی ہوتی ہے اوربعض باتیں بے حیائی کی اس سے پوچھی جاتی ہیں جس کا گناہ اور بے غیرتی ہونا محتاج بیان نہیں۔

نوشہ کے گھر میں جانے کے وقت کوئی احتیاط نہیں رہتی بڑی گہری پردہ کرنے والیاں آرائش زیبائش کئے ہوئے اس کے سامنے آکھڑی ہوتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ یہ تو اس کی شرم کا وقت ہے یہ کسی کو نہ دیکھے گا، بھلا یہ غضب کی بات نہیں؟ اول تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ کسی کو نہ دیکھے گا مختلف طبیعتوں کے لڑکے ہوتے ہیں جن میں اکثر تو آج کل شریر بھی ہیں پھر اگر اس نے نہ بھی دیکھا تو تم کیوں اس کو دیکھ رہی ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ لعنت کرے اللہ تعالیٰ دیکھنے والے پر اور (اس پر) جس کو دیکھے،غرض اس موقع پر دولہا اور عورتیں سب گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں[1]

جوتا چھپانے اور ہنسی مذاق کرنے کی رسم

دولہا جب گھر میں جاتا ہے تو سالیاں اس کا جوتا چھپا کر جوتا چھپائی کے نام سے کم از کم ایک روپیہ (اور آج کل پانچ سو،ایک ہزار روپیہ) لیتی ہیں۔

شاباش ایک تو چوری کریں اور الٹا انعام پائیں،اول تو ایسی مہمل ہنسی کہ کسی کی چیز اٹھائی اور چھپادی حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

پھر یہ کہ ہنسی دل لگی کا خاصہ ہے کہ اس سے ایک بے تکلفی بڑھتی ہے بھلا اجنبی مرد (بہنوئی) سے ایسا تعلق وارتباط پیدا کرنا خود شرع کے خلاف ہے، پھر اس انعام کا حق لازم سمجھنا یہ بھی جبر اور تعدی حدود (یعنی حدود سے زیادتی) ہے،بعض جگہ جوتا چھپانے کی رسم نہیں مگر اس کا انعام باقی ہے کیا واہیات بات ہے[2]

---

[1] اصلاح الرسوم،ص:۶۱،۶۲،و۷۱۔ [2] ایضاً ص:۸۱،۸۲۔

سب براتیوں کو کرایہ دینے کی رسم

کرایہ کا اپنے پاس سے دینا خواہ دل چاہے یا نہ چاہے محض نمود (دکھلاوے) اور اظہار شان کے لیے ہے، اسی طرح آنے والوں کا یہ سمجھنا کہ کرایہ ان کے ذمہ واجب ہے، یہ ایک قسم کا جبر ہے، ریا اور جبر دونوں کا خلاف شرع ہونا ظاہر ہے۔

تبرعات میں جبر حرام ہے اور جبر کے کیا یہی معنی ہیں کہ لاٹھی ڈنڈا مار کر کسی سے کچھ لے لیا جائے؟ بلکہ یہ بھی جبر ہے کہ اگر نہ دیں گے تو بدنام ہوں گے، پھر لینے والے خود جھگڑ کر مانگ کر لیتے ہیں اور وہ بے چارہ اپنی عزت کے لیے دیتا ہے یہ سب حرام ہے۔[1]

بغیر پیسے لیے ہوئے بہو کو نہ اترنے دینے کی رسم

بہو کو ڈولہ میں سے اتارنے نہیں دیتیں کہ جب تک ان کو حق نہ دیا جائے گا ہم دلہن کو گھر میں گھسنے نہ دیں گے، یہ بھی جبر فی التبرع (ہدیہ لینے میں جبر) ہے جو کہ حرام ہے۔

اگر یہ انعام ہے تو انعام میں جبر کیسا؟ اور اگر اجرت ہے تو اجرت کی طرح ہونا چاہئے اس وقت مجبور کرنا اتباع رسم کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔[2]

دلہن کو گود میں اتارنے کی رسم

ایک رسم یہ ہے کہ بہو ڈولہ سے (یا کسی بھی سواری سے) خود نہیں اترتی بلکہ دوسرے اتارتے ہیں ہٹی کٹی، موٹی، ہتھنی گود میں چڑھی پھرتی ہے کبھی گرتی بھی ہے چوٹ بھی کھاتی ہے، بعض جگہ دولہا بیوی کو اتارتا ہے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ" ان لوگوں کو شرم بھی نہیں آتی، کیا یہ سب خرافات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں ہوئیں تھیں؟ ہرگز نہیں۔

---

[1] اصلاح الرسوم، ص:۶۶۔ [2] ایضا، ص:۶۷۔

شادی میں ایسی کرو جیسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ حَسَنَةٌ کی یہی معنی ہیں۔[1]

بعض جگہ دولہا کو گود میں لے کر اتارا جاتا ہے کس قدر بے غیرتی کی بات ہے۔[2]

بہو کے پیر دھلانے کی رسم لغو ہے

ایک عمل مشہور ہے کہ دولہن کے پاؤں دھو کر گھر میں جگہ جگہ پانی چھڑکا جاتا ہے ''تذکرۃ الموضوعات'' میں اس کو موضوع (لغو) قرار دیا ہے۔[3]

نئ دلہن کا ضرورت سے زائد شرم کرنا

حضرت فاطمہ کی رخصتی کے بعد اگلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا تھوڑا پانی لاؤ حضرت فاطمہ خود اٹھ کر ایک پیالہ میں پانی لائیں، اس سے معلوم ہوا کہ نئ دلہن کو شرم میں اس قدر مبالغہ کرنا کہ چلنا پھرنا اور اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا عیب سمجھا جائے یہ بھی سنت کے خلاف ہے۔[4]

نئ دلہن کے لیے قید خانہ

دلہن........بیاہ ہو جانے کے بعد وہ عجائب المخلوقات میں سے ہو جاتی ہے، دور دور سے اس کو دیکھنے والیاں آتی ہیں اور وہ اس طرح انسان سے جماد (پتھر) بنادی جاتی ہے کہ نہ اس کی آنکھ رہے نہ زبان رہے، نہ کسی طرف دیکھ سکتی ہے نہ بول سکتی ہے، پاخانہ پیشاب کو جانا ہو تو دوسرے پکڑ کر لے جاتے ہیں، منھ پر ہاتھ ہوتا ہے بلکہ ہاتھ پر

[1] الاتمام لنعمۃ الاسلام، ص:۲۳۰ [2] اصلاح الرسوم، ص:۴۸ [3] ایضاً، ص:۹۲۔
[4] حقوق الزوجین، ص:۴۵۲۔

منہ ہوتا ہے کیونکہ دلہن دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ہاتھوں پر منھ رکھتی ہے۔ اس وقت دلہن بالکل مردہ بدست زندہ ہوجاتی ہے اوپر والے جس طرح رکھیں اس طرح رہنا پڑتا ہے، یہ سب کیا خرافات ہے، کون سی عقل ان باتوں کو اچھا بتاتی ہے اور اس قرنطینہ میں نماز تو بالکل ہی ناجائز ہوجاتی ہے، تلاوت وغیرہ کا تو ذکر ہی کیا۔

سب کام تو ہونگے لیکن جب نماز کا وقت آئے گا تو وہ خلافِ حیا ہے، نماز کیسے پڑھوائیں اور اگر کوئی دلہن نماز کا نام لے اور وضو کے لیے پانی بھی مانگے تو بوڑھی عورتیں کائیں کائیں کر کے اس کے پیچھے پڑ جائیں کہ افسوس اب تو وہ زمانہ آگیا کہ نئی دلہنوں کا دیدہ بھی نہیں چھپتا۔[1]

اگر کبھی وہ اپنے منہ سے پانی تک بھی مانگ بیٹھے تو چاروں طرف سے غل مچ جائے کہ ہائے ہائے کیسی بے حیائی کا زمانہ آگیا۔[2]

منہ دکھائی کی رسم

بہو کو اتار کر گھر میں لاتے اور بٹھاتے ہیں اس کے بعد بہو کا منہ کھولا جاتا ہے اور سب سے پہلے ساس یا خاندان کی سب سے بڑی عورت بہو کا منہ دیکھتی ہے اور کچھ منہ دکھلائی دیتی ہے، جو ساتھ والی کے پاس جمع ہوتا رہتا ہے، اس کی ایسی پابندی ہے کہ جس کے پاس منہ دکھلائی نہ ہو وہ ہرگز ہرگز منہ نہیں دیکھ سکتی، غرض اس کو واجبات میں سے قرار دیا ہے جو صریح حدودِ شرعیہ سے تعدی (زیادتی) ہے۔

پھر اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے ذمہ منہ پر ہاتھ رکھنا یہ کیوں فرض کیا گیا ہے، اس طرح اگر کوئی نہ کرے تو تمام برادری میں بے حیا بے غیرت، بے شرم مشہور ہوجائے، بلکہ ایسا تعجب کریں جیسے کوئی مسلمان کافر بن جائے پھر بتلایئے یہ تعدی ہے یا نہیں؟

[1] التبلیغ، ج:۱، ص:۱۷۸۔ [2] حقوق الزوجین، ص:۴۵۲۔

اسی شرم میں اکثر دلہنیں نماز قضا کرڈالتی ہیں، اگر ساتھ والی نے پڑھوادی تو خیر ورنہ مستورات کے مذہب میں اس کو اجازت نہیں کہ خود اٹھ کر یا کسی سے کہہ سن کر نماز کا انتظام کرلے اس کو حرکت کرنا بولنا چالنا، اگر بدن میں کھجلی اٹھے تو کھجلانا، اگر جمائی کا غلبہ ہو تو جمائی یا انگڑائی لینا یا نیند آنے لگے تو لیٹے رہنا، اگر پیشاب پاخانہ خطاء ہونے لگے تو اسکی اطلاع تک کرنا بھی عورتوں کے مذہب میں حرام بلکہ کفر ہے، خدا جانے اس نے کیا جرم کیا تھا کہ سخت کالی کوٹھری میں یہ مظلومہ قید کی گئی ہے۔

پھر سب عورتیں منہ دیکھتی ہیں اور بعض شہروں میں یہ خرافات ہے کہ مرد بھی دلہن کا منہ دیکھتے ہیں۔ استغفر اللہ، نعوذ باللہ [1]

چوتھی کی رسم

بہو کے آنے سے اگلے دن اس کے عزیز قریب دو چار گاڑیاں اور مٹھائی وغیرہ لے کر آتے ہیں اس آمد کا نام چوتھی ہے اس میں بھی ''اِلْتِزَامُ مَالَا یَلْزِمُ'' کی علت لگی ہوئی ہے، اس کے علاوہ یہ رسم کفار ہند سے ماخوذ ہے اور تشبہ بالکفار کا ممنوع ہونا ظاہر ہے۔

(اس چوتھی میں) بہو کے بھائی وغیرہ (رشتہ دار جو نامحرم بھی ہوتے ہیں) بلائے جاتے ہیں بہو کے پاس علیحدہ مکان میں بیٹھتے ہیں، اکثر اوقات یہ لوگ شرعاً نامحرم بھی ہوتے ہیں مگر اس کی کچھ تمیز نہیں ہوتی کہ نامحرم کے پاس تنہا مکان میں بیٹھنا خصوصاً زیب وزینت کے ساتھ کس قدر گناہ اور بے عزتی کی بات ہے [2]

ہر رخصتی میں غلہ، مٹھائی اور جوڑے دینے کی رسم

نکاح کے بعد سال دو سال تک بہو کی روانگی کے وقت کچھ مٹھائی اور کچھ نقد جوڑے وغیرہ طرفین سے بہو کے ہمراہ کردیئے جاتے ہیں اور عزیزوں میں بھی خوب

[1] اصلاح الرسوم، ص: ۸۷۔ [2] اصلاح الرسوم، ص: ۸۰۔

دعوتیں ہوتی ہیں، مگر وہی جرمانہ کی دعوت کہ بدنامی سے بچنے یا ناموری اور سرخروئی حاصل کرنے کو سارا بکھیڑا ہوتا ہے، پھر اس میں معاوضہ ومساوات کا پورا لحاظ ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات خود شکایت وتقاضہ کر کے دعوت کھاتے ہیں ....

وہاں سے دو تین من جنس مثلاً سوئیاں، چاول، آٹا، میوہ وغیرہ بھیجا جاتا ہے، اور دولہا دلہن کا جوڑا دیا جاتا ہے یہ ایسا فرض اور ضروری ہے کہ گو سودی روپیہ قرض لینا پڑے مگر یہ قضا نہ ہو، غرض تھوڑے دنوں تک یہ آؤ بھگت سچی یا جھوٹی رہتی ہے پھر اس کے بعد کوئی نہیں پوچھتا کہ بھیا کون ہو سب خوشیاں بنانے والے جھوٹی خاطر داری کرنے والے علیحدہ ہوئے اب جو مصیبت پڑے بھگتو، کاش جس قدر روپیہ بیہودہ اڑایا ہے ان دونوں کے لیے اس سے کوئی جائیداد خریدی جاتی یا تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا تو کس قدر راحت ہوتی[1]

آپ جن رسوم کو منع کرتے ہیں دوسرے لوگ کیوں نہیں منع کرتے؟

ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ جن رسوم کو منع کرتے ہیں اور لوگ کیوں نہیں منع کرتے؟ میں نے ان سے کہا کہ یہ سوال جیسے آپ ہم سے کرتے ہیں اور لوگوں سے کیوں نہیں کرتے کہ آپ جن رسوم کو منع نہیں کرتے فلاں کیوں کرتا ہے، اگر اس کی تحقیق ضروری ہے اور آپ کو تردد ہے تو جیسے ہم پر سوال ہوتا ہے تو ان پر بھی ہوتا ہے یہ عجیب اندھیر کی بات ہے۔

مولانا خلیل احمد صاحب سے کسی نے عرض کیا کہ آپ نے تو اس تقریب میں شرکت فرمائی اور فلاں شخص نے یعنی میں نے شرکت نہیں کی یہ کیا بات ہے؟

---

[1] اصلاح الرسوم، ص: ۸۴۔

حضرت نے جواب میں فرمایا کہ بھائی ہم نے فتویٰ پر عمل کیا اور اس نے تقویٰ پر عمل کیا یہ تو تواضع کا جواب ہے مگر اسی طرح کا سوال مولانا محمود الحسن صاحب سے کسی نے کیا تھا حضرت نے محققانہ جواب دیا کہ عوام الناس کے مفاسد کی جیسی اس کو خبر ہے، ہم کو نہیں حضرت نے حقیقت کو ظاہر فرما دیا[1]

لفظ دیور کا استعمال مناسب نہیں

فرمایا: دیور کا لفظ جو ہمارے یہاں مستعمل ہے بہت برا ہے، وَر ہندی میں شوہر کو کہتے ہیں اور ''دے'' کے معنی ثانی (دوسرے) کے ہیں پس دیور کے معنی شوہر ثانی کے ہوئے، بعض جہلاء کے یہاں دیور کو شوہر کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے، اس لیے یہ لفظ بدلنے کے قابل ہے۔ اسی طرح مجھے سالہ کا لفظ بہت برا معلوم ہوتا ہے[2]

---

[1] الافاضات،۲/۲۸۶۔ [2] ملفوظات اشرفیہ،ص:۱۳۴۔

باب (۲۱)

رخصتی کے بعد

زیبائش ونمائش اور سجاوٹ کا شرعی ضابطہ اور اصولی بحث

یہ امر قابل تحقیق ہے کہ اگر کوئی شخص زینت ہی کے لیے اور اسی قصد سے کسی چیز کا استعمال کرے، مثلاً عمدہ لباس پہنے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جائز ہے مگر اطلاق کے ساتھ نہیں جس سے اہل تفاخر (ریاکاروں اور متکبرین) کو گنجائش مل سکے بلکہ اس میں تفصیل ہے جس کو میں موارد سے سمجھا ہوں۔

وہ تفصیل یہ ہے کہ عمدہ لباس اپنا جی خوش کرنے کے لیے یا اپنے کو ذلت سے بچانے کے لیے، یا دوسرے شخص کے اکرام کے لیے پہنے تو جائز ہے، ہاں عمدہ لباس اس نیت سے پہننا حرام ہے کہ اپنی عظمت ظاہر کی جائے اور دوسروں کی نظر میں بڑائی ثابت کی جائے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ لباس (وغیرہ) میں چار درجے ہیں، ایک تو ضرورت کا درجہ ہے، دوسرا آسائش کا، تیسرا آرائش بمعنیٰ زینت کا، یہ تین درجہ تو مباح ہیں، بلکہ پہلا درجہ واجب ہے اور چوتھا درجہ نمائش کا ہے یہ حرام ہے اور یہ (تفصیل وحکم) لباس ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر چیز میں یہی چار درجے ہیں، ایک ضرورت دوسرے آسائش، تیسرے آرائش، چوتھے نمائش، غرض دوسروں کی نظر میں اپنی وقعت بڑھانے کو زینت

کرنا حرام ہے، باقی نفس زینت حرام نہیں[۱]

(۱) (بالفاظ دیگر) ضرورت کے بھی درجے ہیں، ایک یہ کہ جس کے بغیر کام نہ چل سکے یہ تو مباح کیا واجب ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ ایک چیز کے بغیر کام تو چل سکتا ہے مگر اس کے ہونے سے راحت ملتی ہے، اگر نہ ہو تو تکلیف ہوگی، گو کام چل جائے گا ایسے سامان رکھنے کی بھی اجازت ہے۔

(۳) ایک سامان اس قسم کا ہے جس پر کوئی کام نہیں اٹکتا نہ اس کے بغیر تکلیف ہوگی مگر اس کے ہونے سے اپنا دل خوش ہوگا، تو اپنا جی خوش کرنے کے واسطے بھی کسی سامان کے رکھنے کا بشرط وسعت مضائقہ نہیں یہ بھی جائز ہے۔

(۴) ایک یہ کہ دوسروں کو دکھانے اور ان کی نظر میں بڑا بننے کے لیے کچھ سامان رکھا جائے یہ حرام ہے۔

اور ضرورت و غیر ضرورت کے درجات جو میں نے بیان کئے ہیں، یہ درجے ہر چیز میں ہیں، مکان میں بھی اور برتنوں میں بھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز کی ضرورت کا معیار یہ ہے کہ جس کے بغیر تکلیف ہو وہ ضروری ہے، اور جس کے بغیر تکلیف نہ ہو وہ غیر ضروری ہے، اب اگر اس (غیر ضروری) میں اپنا دل خوش کرنے کی نیت ہو تو مباح ہے، اور اگر دوسروں کی نظر میں بڑا بننے کی نیت ہو تو حرام ہے، اس معیار کے موافق عمل کرنا چاہئے[۲]

نئی دلہن کا ضرورت سے زائد شرم کرنا

ہندوستان میں ایسی بری رسم ہے کہ نکاح ہو جانے کے باوجود دولہا دلہن میں

---

[۱] التبلیغ قدیم، ص:۶۹، وعظ النعم المرغوبۃ [۲] غریب الدنیا التبلیغ، ج:۴، ص:۱۶۵-ص:۱۶۷۔

پردہ رہ جاتا ہے۔حالانکہ حضرت فاطمہؓ کی رخصتی کے بعد اگلے دن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا تھوڑا پانی لاؤ حضرت فاطمہ خود اٹھ کر پانی لائیں، پھر حضرت علیؓ سے پانی منگایا جس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہؓ کا پانی لانا حضرت علیؓ کے سامنے تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نئی دلہن کا شرم میں اس قدر مبالغہ کرنا کہ چلنا پھرنا، اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا عیب سمجھا جائے یہ بھی سنت کے خلاف ہے، ذرا اپنی دلہنوں کو دیکھئے کہ سال بھر تک منھ (ہی) پر ہاتھ رہتے ہیں۔[1]

نکاح کے بعد میاں بیوی میں علیحدگی

بعض عقل مند لوگ رخصت کے وقت شوہر سے کہتے ہیں کہ خبردار ابھی لڑکی سے کچھ کہنا نہیں یہ بہت ہی واہیات بات ہے۔

(ترجمہ شعر) تونے مجھے لکڑی کے تختے سے باندھ کر دریا کی گہرائی میں ڈالا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھ ہوشیار رہنا دامن تر نہ ہونے پائے۔[2]

نکاح کے بعد ذرا بیوی سے الگ رہنا دشوار ہوتا ہے لڑکوں کی اس میں کیا شکایت، کبھی تم نے بھی ایسا کیا تھا کہ ایسی حالت کے بعد علیحدہ رہتے۔[3]

---

[1] مناوعۃ الھویٰ، ص:۲۵۲، اصلاح الرسوم، ص:۹۱۔ [2] عضل الجاہلیۃ، ص:۳۶۹۔
[3] روح الصیام، ص:۱۶۹)

فصل (۲)

پہلی رات

شب اول میں نفل نماز

(شب زفاف میں) نماز پڑھنا تو کسی حدیث میں دیکھا نہیں، مگر بعض علماء سے سنا ہے کہ پہلے دو رکعت شکرانہ کی پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ تو نے مجھ کو حرام سے بچایا اور حلال عنایت فرمایا پھر اس کے بعد دعائیں پڑھے (جو آگے آ رہی ہیں) ....پس سنت سمجھ کر نماز نہ پڑھے محض شکر کے طور پر پڑھنے میں مضائقہ نہیں [1]

(عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُكُمْ فَكَانَتْ لَيْلَةُ الْبِنَاءِ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَأْمُرْهَا اَنْ تُصَلِّيَ خُلْفَهُ فَاِنَّ اللّٰهُ جَاعِلٌ فِيْ الْبَيْتِ خَيْراً [2]

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جب کوئی شخص نکاح کرے، اس کو چاہئے کہ شب زفاف یعنی پہلی رات میں دو رکعت نماز پڑھے، اور اپنی بیوی سے بھی کہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ (اس عمل کی برکت سے) گھر میں بھلائی نازل کرے گا)۔

---

[1] امداد الفتاویٰ: ج ۲، ص ۱۸۲۔

[2] بزار، مجمع الزوائد للهيثمي ۴/ ۲۹۱، باب ما يفعل اذا دخل باهله.

خواہ مخواہ کی شرم

شریعت نے عقل کے فتوے کو رد کر کے یہ حکم دیا ہے کہ نکاح کرو اور بیوی کے سامنے حیاء کو الگ کرو، حیاء میں ایسا غلو محمود نہیں کہ بیوی میاں سے یا شوہر بیوی سے بھی حیاء کرے۔[1]

حیاء وغیرہ اس وقت تک مطلوب ہیں جب تک کہ موجب قرب ہوں اور اگر موجوب بعد (دوری کا ذریعہ) ہونے لگیں تو اب ان کی ضد مطلوب ہوگی، بعض لوگ غلبہ حیاء کی وجہ سے عورت پر قادر نہیں ہوتے، ان کو چاہئے کہ یہ حیاء کی تکلیف کو کم کریں اور دل لگی مذاق کریں۔[2]

دستور العمل

(۱) سلام کیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے جو شخص پہلے سلام کرتا ہے اس کو زیادہ ثواب ملتا ہے............... چلنے والا (داخل ہونے والا) بیٹھے والے کو اور کم عمر والا زیادہ عمر والے کو سلام کرے.................. مصافحہ کرنے سے دل صاف ہوتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔[3]

(۲) کسی کے پاس جاؤ سلام یا کلام سے غرض کسی طرح سے اس کو اپنے آنے کی خبر کر دو، بغیر اطلاع کے (چھپ کر) آڑ میں ایسی جگہ مت بیٹھو کہ اس کو تمہارے آنے کی خبر نہ ہو۔[4]

(۳) جب ملو کشادہ روئی سے ملو بلکہ تبسم (مسکرا کر) ملنا مناسب ہے تا کہ وہ خوش ہو جائے۔[5]

---

[1] انفاس عیسیٰ، ج:۱، ص:۲۲۲۔ [2] انفاس عیسیٰ، ص:۳۸۹۔ [3] تعلیم الدین، ص:۴۸-۴۹۔
[4] آداب زندگی، ص:۱۴۱۔ [5] تعلیم الدین، ص:۵۱۔

(۴) بیوی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوست نہیں ہوسکتا.............اور دوستوں سے باتیں کرنا بھی عبادت ہے کیونکہ تطییبِ قلب (مومن کا جی خوش کرنا) بھی عبادت ہے[1]

(۵) حدیث میں ہے کہ بیوی کے منہ میں جو ایک لقمہ شوہر رکھ دے تو یہ بھی صدقہ ہے اور اس کا بھی ثواب ملتا ہے[2]

(۶) غیرت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ عورت کی مہر کی معافی قبول نہ کرو بلکہ تم اس کے ساتھ خود احسان کرو، اگر عورت معاف بھی کر دے، پھر بھی ادا کر دینا چاہئے کیونکہ یہ غیرت کی بات ہے بلا ضرورت عورت کا احسان نہ لے[3]

دل لگی اور مذاق کی ضرورت

جس مزاح (ہنسی مذاق دل لگی) سے مقصود اپنا یا مخاطب کا انشراح قلب و رفع انقباض (یعنی بے تکلف بنانا) ہو تو وہ عین مصلحت ہے[4]

کسی کا دل خوش کرنے کے لیے خوش طبعی (ہنسی مذاق کرنے) کا مضائقہ نہیں مگر اس میں دو باتوں کا لحاظ رکھو، ایک یہ کہ جھوٹ نہ بولو، دوسرے یہ کہ اس شخص کا دل نہ دکھاؤ[5]

مرد کو اظہار محبت کرنا چاہیے

بعض مردوں کو بڑا شبہہ ہوتا ہے کہ مرد تو اظہار محبت کرتا ہے اور عورت اظہار محبت نہیں کرتی مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کے لیے تو اظہارِ محبت زینت ہے اور عورت

[1] حقوق الزوجین، ص:۲۲، انفاس عیسیٰ، ص:۳۸۹۔ [2] رفع الالتباس، ص:۱۴۴۔

[3] انفاس عیسیٰ، ص:۳۰۱، حسن العزیز، ۱/۳۲۳۔ [4] ایضاً، ج:۱، ص:۳۸۹۔ [5] تعلیم الدین، ص:۵۴

کے لیے عیب ہے اس کو حیاء وشرم مانع ہوتی ہے گو اس کے دل میں سب کچھ ہوتا ہے [۱]

عرب اور ہندوستان کے رواج کا فرق اور ضروری تنبیہ

فرمایا: عرب کے اندر رسم ہے کہ شوہر جب اول شب (پہلی رات) میں دلہن کے پاس آتا ہے تو دلہن شوہر کے آتے وقت تعظیم کے لیے کھڑی ہوتی ہے اور سلام کرتی ہے، اور شوہر اپنے زائد کپڑے جو اتارتا ہے ان کو لے کر سلیقہ سے موقع پر رکھتی ہے، خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو بہت اچھی بات فرمایا کہ واقعی اچھی بات ہے مگر ہندوستان کے لیے میں اس کو پسند نہیں کرتا اس لیے کہ وہاں پر تو یہ رسم بے تکلفی کے درجے میں ہے اور یہاں پر کج طبعی (یعنی طبیعتوں میں سلامتی نہ ہونے) کے سبب سے ہے، اس کا نتیجہ آزادی و بے حیائی ہو جائے گا، جو چیز حیاء کا سبب ہو اس کو باقی رکھنے کو جی چاہتا ہے۔

دلہن کی پیشانی پر قل ھو اللہ لکھنے کی رسم

بعض جگہ یہ رسم ہے کہ قل ھو اللہ دلہن کی پیشانی پر لکھتے ہیں، قل ھو اللہ میں تو اخلاص کا مضمون ہے، دلہن سے اس کو کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی مگر لوگ اسی خیال سے لکھتے ہیں کہ میاں بیوی میں محبت واخلاص رہے پس اخلاص کے معنیٰ محبت کے سمجھے ورنہ آیاتِ حُب (محبت والی آیتیں) لکھتے، اول تو اخلاص کے معنیٰ محبت ہی غلط ہیں، اسماءالٰہیہ میں برکت ضرور ہے مگر جب کہ مناسبت بھی ہو، تو قل ھو اللہ کو اس سے کوئی مناسبت نہیں، کوئی دوسری آیات جو اسکے مناسب ہوں (مثلاً آیاتِ حُب) پڑھ لی جائیں، نیز اگر لکھنا ہی ہو تو مناسب آیات لکھوائی جائیں پھر دلہن کی پیشانی پر لکھوانے کے لیے محرم ہونا بھی شرط ہے یعنی بعض لوگ نامحرم سے لکھواتے ہیں یہ ہرگز جائز نہیں

[۱] الافاضات الیومیہ، ج:۲،ص:۲۰۸

اس کی اصلاح بھی ضروری ہے۔[1]

شب زفاف کی مخصوص دعائیں

سنت یہ ہے کہ پہلے اس کے موئے پیشانی (پیشانی کے بال) پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعاء کرے اور بسم اللہ کہہ کر یہ دعاء پڑھے، ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَ خَیْرَ مَا جُبِلَتْ عَلَیْہِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا جُبِلَتْ عَلَیْہِ''۔

اور جس وقت صحبت کا ارادہ کرے تو یہ دعاء پڑھے ''بِسْمِ اللہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا''۔

پہلی دعاء کی برکت یہ ہے کہ زوجہ (بیوی) ہمیشہ تابع رہے گی دوسری دعاء کی برکت یہ ہے کہ اگر اولاد ہوگی تو صالح ہوگی اور شیطان کے ضرر سے محفوظ رہے گی۔[2]

شب اول میں بعض عورتوں کی بے حیائی

پہلی رات میں جب دولہا دلہن تنہائی میں ہوتے ہیں تو عورتیں کان لگاتی پھرتی ہیں یہ بڑی بے شرمی کی بات ہے۔

شب کا وقت بے حیاء کے واسطے ہوتا ہے جس میں بے حیاء عورتیں جھانکتی تاکتی ہیں اور ایک حدیث کے مضمون کے مطابق لعنت کے دائرہ میں داخل ہوتی ہیں۔

صبح کے وقت بے حیائی ہوتی ہے کہ شب خوابی (سونے والا) بستر چادر وغیرہ دیکھتے ہیں............... کسی کا راز معلوم کرنا مطلقا حرام ہے بالخصوص ایسی بے حیائی کی بات کی شہرت کرنا کہ سب اس کو جانتے ہیں کس قدر بے غیرتی کی بات ہے مگر افسوس ہے کہ عین وقت پر کسی کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا۔

دولہا سے .... بعض باتیں بے حیائی کی پوچھی جاتی ہیں جس کا گناہ اور

[1] الافاضات الیومیہ،۱۵۸/۳۔ [2] زادالمعاد، امدادالفتاویٰ، ج:۲،ص:۱۹۰۔

بے غیرتی ہونا محتاج بیان نہیں [۱]

اوّل شب میں بعض علاقوں میں (خصوصاً دیہاتوں میں) تو عورتیں کان لگاتی پھرتی ہیں کیونکہ یہاں پر یہ بھی رسم ہے کہ پہلی رات میں دولہن دولہا سے نہیں بولتی، اگر کوئی بولی تو صبح چرچا ہوتا ہے کہ ایسی بے شرم ہے کہ ساری رات میاں سے بولتی رہی، عورتوں کا ایسا کرنا تانک جھانک لگانا خود بے شرمی کی بات ہے بڑی ہی واہیات بات ہے اور بعض رسمیں (اور باتیں) تو ایسی ہیں کہ ان کا ذکر بھی نہیں کیا جاسکتا [۲]

شب زفاف میں فجر کی نماز کا اہتمام

بیوی میاں کو نماز سے نہیں روکتی، لیکن آپ دیکھ لیں کہ شادی کرکے شب زفاف میں کتنے لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں، موجود حالت یہ ہے کہ نکاح شادی میں دولہا دلہن کا تو کیا کہنا سارے باراتی اور گھر والے ہی بے نمازی ہوجاتے ہیں۔

اوراس وقت دلہن تو بالکل مردہ بدست زندہ ہوتی ہے، اوپر والے (بڑی بوڑھی عورتیں) جس طرح رکھیں اس طرح (اس کو) رہنا پڑتا ہے، اوران کی دینداری کی حالت یہ ہوتی ہے کہ دلہن سے پردہ میں وہ کام تو کرادیں گی جو حد سے زیادہ بے حیائی کے ہیں، یہ سب کام تو ہوں گے لیکن جب نماز کا وقت آئے گا تو وہ خلاف حیاء ہے نماز کیسے پڑھوائیں، اور خود دلہن بول بھی نہیں سکتی اور اگر کوئی دلہن نماز کا نام لے اور پانی مانگے تو بوڑھی عورتیں کائیں کائیں کرکے اس کے پیچھے پڑجائیں۔

لیکن اگر قلب میں نماز کا داعی (اور فکر) ہو تو وہ نمازی آدمی کو نماز کے وقت بے چین کردیتا ہے، بغیر نماز کے اس کو چین ہی نہیں آتا خواہ کچھ بھی ہوجائے [۳]

---

[۱] اصلاح الرسوم، ص:۷۱، ۹۱، الافاضات الیومیہ:۲/۱۵۸۔

[۲] الافاضات، ص:۱۵۸، التبلیغ، ج:۱، ص:۱۷۹۔ [۳] حقوق الزوجین۔

حضرت سید صاحبؒ اور مولانا عبدالحئیؒ صاحبؒ کا واقعہ

فرمایا کہ جب حضرت سید صاحب بریلوی کا عقد ہوگیا (یعنی شادی ہوگئی) تو آپ نے رات گھر میں رہنے کی اجازت چاہی کیونکہ شادی سے پہلے تو باہر ہی سویا کرتے تھے، رات ختم ہونے کے بعد صبح کو حضرت کو غسل کرنے میں ذرا دیر ہوگئی اور جماعت کی دوسری رکعت میں آکر شامل ہوئے، نماز ختم ہونے کے بعد مولانا عبدالحئیؒ صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ لوگ اتباع سنت کا بڑا دعویٰ کرتے ہیں اور تکبیر اولیٰ تو الگ رہی نماز کی رکعتیں تک چھوڑتے ہیں کیا اور سویرے (جلدی) غسل کرنے کا انتظام نہیں ہوسکتا تھا؟ اس پر سید صاحب نے مولانا عبدالحئیؒ صاحبؒ سے جو کہ سید صاحب کے مرید تھے نہایت نرمی سے فرمایا کہ مولوی صاحب آئندہ ایسا نہیں ہوگا مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی۔

حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا کہ میری رائے میں جب اصرار کرتا ہوا دیکھے تب ادب سے کہہ دے، اور اگر نازک مزاج ہو تو نہ کہئے کہ برا مانے گا۔[1]

سیر و تفریح کی غرض سے بیوی کو سفر کرانا

ایک صاحب نے سوال کیا کہ (بیوی) کو کسی موقع کی سیر کرانا کوئی چیز دکھانا اس میں کچھ حرج ہے؟ فرمایا: ہرگز نہیں چاہئے، اس سے آزادی پیدا ہوگی، آئندہ گھروں کو (اور پردہ میں رہنے کو) قید خیال کرنے لگیں گی، اسی طرح کسی مسجد کا، یا تاج محل کا روضہ وغیرہ دکھانا بالکل مصلحت کے خلاف ہے۔[2]

افسوس ہر روز اس بے پردگی کی بدولت نئے نئے شرم ناک واقعات سننے میں آتے ہیں مگر پھر بھی ہوش نہیں آتا ابھی ایک اخبار میں دیکھا ہے کہ حیدرآباد میں ایک

[1] حسن العزیز، ص:۸۹، ۱۵۳، حصہ دوم۔ [2] حسن العزیز، ص:۱۵۹/ ۳۹۹ سوم۔

عام باغ ہے وہاں ایک رئیس زادی زیب و زینت کے ساتھ ٹہل رہی تھی اسے بدمعاشوں نے چھیڑنا شروع کیا وہ عورتوں کے مجمع کی طرف بھاگی وہاں بھی پناہ نہیں ملی تو پولیس نے بچایا، ایک شخص تعلیم یافتہ اپنی بیوی سے کہتے تھے کہ کاش وہ دن ہو کہ میں ہوں اور تم ہو اور ٹھنڈی سڑک پر ہاتھ میں ہاتھ لے کر گھومیں۔

اور لیجئے ایک جنٹل مین صاحب جنہوں نے (اپنے خاندانی شرافت کے خلاف) نیا نیا پردہ توڑا تھا وہ اپنی بیگم کو تفریح کی غرض سے منصوری پہاڑ پڑ لے گئے اور تفریح کے لیے اس سڑک پر گئے جہاں بڑے آفیسر انگریزوں کے بنگلے تھے وہاں ایک کوٹھی کے سامنے سے گذرے جو کسی بڑے افسر کی تھی، اور وہاں تین گورے پہرے پر تھے ان کو دیکھ کر انہوں نے کچھ آپس میں گفتگو کی اور ایک ان میں سے چلا اور ان کی بیگم کا ان کے ہاتھ میں سے ہاتھ چھڑا کر ایک طرف لے گیا اور اسے خراب کر کے لے آیا، پھر دوسرے اور تیسرے نے بھی یہی عمل کیا اور یہ اپنا سا منھ لے کر چلے آئے، افسوس لوگوں کو شرم و غیرت نہیں رہی، یہ تو شریعت کی رحمت ہے کہ اس کا بھی حکم دیا، باقی غیرت خود ایک ایسی چیز ہے کہ اس (بے پردگی) کو برداشت نہیں کر سکتا وہ تو ایک قسم کی محبوبہ ہوتی ہے عاشق کب چاہتا ہے کہ میرے محبوب پر کوئی دوسرا نظر ڈالے[1]

[1] ملحوظات جدید، ملفوظات، ص: ۱۶-۱۵، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، احکام پردہ، ص: ۷۲ تا ۸۲۔

باب (۲۲)

دعوت ولیمہ

ولیمہ کے فوائد وحدود

ایک جدید نعمت کا حاصل ہونا اظہار شکر، سرور وخوشی کا سبب ہے اور آدمی کو مال خرچ کرنے پر آمادہ کرتا ہے، اور اس خواہش کی پیروی کرنے سے سخاوت کی عادت و خصلت پیدا ہوتی ہے اور بخل کی عادت جاتی رہتی ہے اس کے علاوہ بہت سے فوائد ہیں اس سے بیوی اور اس کے کنبہ کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے لیے مال کا خرچ کرنا اور لوگوں کو اس کے لیے جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خاوند کے نزدیک بیوی کی وقعت ہے۔

اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف رغبت اور حرص دلائی اور خود بھی اس کو عمل میں لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی مگر اوسط درجہ کی حد بکری ہے۔

اور آپ نے حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں لوگوں کو ملیدہ کھلایا تھا اور آپ نے بعض اپنی بیویوں کا ولیمہ دو مد جو سے بھی کیا ہے اور آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو ولیمہ مسنون میں بلایا جائے تو چلا آئے۔[1]

---

[1] (المصالح العقلیہ، ص:۲۱۱)

ولیمہ کا مسنون طریقہ

ولیمہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بلا تکلف و بلا تفاخر (بغیر فخر کے) اختصار کے ساتھ جس قدر میسر ہو جائے اپنے خاص لوگوں کو کھلا دے۔ (اصلاح الرسوم، ص:۹۳)

ولیمہ مستحب ہے مگر اس میں تکلف و تفاخر نہ کرے، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بی بی کا ولیمہ دو سیر جو سے کیا، حضرت صفیہ کے ولیمہ میں خرما اور پنیر گھی کا مالیدہ تھا اور سب سے بڑا ولیمہ حضرت زینب کا تھا کہ ایک بکری ذبح ہوئی اور گوشت روٹی لوگوں کو پیٹ بھر کر کھلائی گئی[1]

مسنون ولیمہ کے حدود و شرائط

ولیمہ اسی حد تک مسنون ہے جس کو اسلام نے متعین کر دیا ہے (۱) جس میں غرباء بھی ہوں۔ (۲) اور حسب طاقت (اپنی حیثیت کے مطابق) ہو۔ (۳) سودی قرض سے نہ کیا گیا ہو۔ (۴) ریاء اور سمعہ (ناموری) کا دخل نہ ہو۔ (۵) تکلفات نہ ہوں (٦) خالصاً لوجہ اللہ ہو وہ ولیمہ مسنون ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ قدرے جو کا کھانا تھا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح ہوئی تھی اور گوشت روٹی لوگوں کو کھلائی گئی تھی، اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ اس طرح ہوا تھا کہ جو کچھ صحابہ کے پاس تھا سب جمع کر لیا گیا یہی ولیمہ تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (اپنے ولیمہ کی بابت فرماتی ہیں کہ) نہ اونٹ ذبح ہوا نہ بکری، سعد بن عبادہ کے گھر سے دودھ کا ایک پیالہ آیا تھا بس وہی ولیمہ تھا[2]

[1] تعلیم الدین، ص:۳۷۔ [2] سنت ابراہیم، ص:۳۱۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ولیمہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولیمہ کیا اور ولیمہ میں یہ سامان تھا: چند صاع جو (جو ساڑھے تین سیر کے قریب ہوتا ہے) اور کچھ خرما اور مالیدہ[1]

دعوت حلال مال سے کرو اگرچہ دال روٹی ہو

دعوت میں اس کی رعایت کرو کہ حلال کھانا کھلاؤ، خود حرام کھاؤ تو کھاؤ دوسرے کو تو نہ کھلاؤ، دیکھو حرام کھانے سے دل میں ظلمت (تاریکی) ہوتی ہے، اور اہل اللہ کو پتہ بھی چل جاتا ہے اور ان کو سخت تکلیف ہوتی ہے حتی کہ کبھی قے ہو جاتی ہے جیسے مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاندھلوی کی مشہور کرامت تھی کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو مشتبہ کھانا کبھی ہضم نہیں ہوا، اسی وقت نکل جاتا تھا ورنہ ظلمت اور پریشانی دل کو تو ضرور ہوتی ہے۔

کھانا تو ایسا ہونا چاہئے کہ جس میں (حرام کا) شبہ نہ ہو کیونکہ دعوت واجب تو ہے نہیں مستحب ہے اور حرام کھانا کھلانا حرام ہے تو جس کے پاس حلال کھانا نہ ہو اس کو کسی کی دعوت نہ کرنا چاہئے اور اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ کھانا مرغن ہی (بریانی وغیرہ) کھلاؤ، سادہ کھلاؤ مگر حلال ہو (اور اگر حرام مال ہو تو) کسی مسلمان بھائی کو تو مت کھلاؤ کوئی خود گو (پاخانہ) کھائے تو دوسروں کو تو نہ کھلائے[2]

ذلت اور بدنامی کے ڈر سے مہمان نوازی کرنے کا حکم

کسی نے عرض کیا کہ خلوص کے خلاف محض تکلف کی وجہ سے کسی کی مہمانی وغیرہ کرنا کیسا ہے؟ فرمایا: تحصیل جاہ (محض عزت اور بڑائی) کے لیے تو حرام ہے اور اگر

---

[1] اصلاح الرسوم، ص: ۳۰۔ [2] تعظیم الشعائر، ملحقہ سنت ابراہیم، ص: ۲۳۱۔

ذلت کے دفع (مٹانے) کے لیے ہو تو مضائقہ نہیں مگر شرط یہ ہے کہ تحمل (حیثیت) سے زیادہ نہ ہو کہ مدیون یا مقروض ہو جائے۔[1]

ولیمہ کی ایک آسان صورت

اب ولیمہ کا قصہ سنئے میں نے کسی کی دعوت نہیں کی کھانا پکوا کر گھروں میں بھیج دیا ایک عورت نے کھانا واپس کر دیا کہ یہ کیسا ولیمہ ہے؟ میں نے کہا: نہیں قبول کرتیں ان کی قسمت جانے دو، ان کا خیال یہ تھا کہ یہ منائیں گے خوشامد کریں گے مگر ہمیں ضرورت ہی کیا تھی گھر سے کھلائیں اور الٹی خوشامد کریں۔

صبح ہی کو وہی بی بی آئیں اور کہنے لگیں کہ رات کا کھانا لاؤ میں نے کہا کہ وہ تو رات ہی کو ختم ہو گیا تھا، یہ سن کر وہ بڑی دل گیر (اور رنجیدہ) ہوئیں کہ میری ایسی قسمت کہاں تھی کہ ایسی برکت کا کھانا نصیب ہوتا، ان دنیا داروں کا دماغ یوں ہی درست ہوتا ہے، اہل دین کو قدرے استغناء برتنا چاہئے ان کو جتنا زیادہ چمٹو اتنا ہی زیادہ اینٹھ مروڑ کرتے ہیں۔[2]

ناجائز ولیمہ

ولیمہ مسنون ہے وہ بھی خلوصِ نیت و اختصار کے ساتھ نہ کہ فخر و اشتہا کے ساتھ، ورنہ ایسا ولیمہ بھی جائز نہیں، حدیث میں ایسے ولیمہ کو شر الطعام (بدترین کھانا) فرمایا گیا ہے، نہ ایسا ولیمہ جائز نہ اس کا قبول کرنا جائز، اس سے معلوم ہو گیا کہ برادری کو اکثر کھانے جو کھلائے جاتے ہیں ان کا کھانا کھلانا کچھ جائز نہیں، دیندار کو چاہئے کہ نہ خود ان رسموں کو کرے اور جس تقریب میں یہ رسمیں ہوں ہرگز وہاں شریک نہ ہو، صاف انکار کر دے، برادری کنبہ کی رضامندی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آئے گی۔[3]

---

[1] حسن العزیز-۱/۶۶ [2] الافاضات الیومیہ، ج:۲، ص:۳۶۱ [3] اصلاح الرسوم، ص:۹۳۔

بدترین ولیمہ

ولیمہ سنت ہے لیکن بعض صورتوں میں اس کی ممانعت بھی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''**شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى لَهَا الْاَغْنِيَاءِ وَ يُتْرَكُ لَهَا الْفُقَرَاءُ**''۔

یعنی کھانوں میں برا کھانا اس ولیمہ کا ہے جس میں امراء کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔

ولیمہ سنت ہے لیکن اس عارض کی وجہ سے شر (برا) ہوگیا، افسوس! آج کل اکثر ولیمے اسی قسم کے ہوتے ہیں جن میں محض برادری کے معززین کو بلایا جاتا ہے اور غرباء کو نہیں پوچھا جاتا، بلکہ اس جگہ سے نکال دیا جاتا ہے حالانکہ جن فقراء کو ولیمہ سے نکالا جاتا ہے ان کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''**هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ**'' ''تمہاری جو مدد کی جاتی ہے اور تمہیں جو رزق دیا جاتا ہے، وہ فقراء وضعفاء کی وجہ سے دیا جاتا ہے پس نہایت بے حیائی ہے، جن کی وجہ سے یہ رزق دیا گیا ہے انہیں اس رزق سے دھکے دیئے جائیں، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر مخلوق میں ایسے بوڑھے نہ ہوتے جن کی کمریں جھک گئی ہیں اور بہائم (جانور) نہ ہوتے اور شیر خوار بچے نہ ہوتے تو تم پر عذاب کی بارش ہوتی، معلوم ہوا کہ عذاب خداوندی سے بوڑھوں، بچوں بہائم وغیرہ کی وجہ سے بچے ہوئے ہیں[1]

بدترین اور ناجائز ولیمہ میں شرکت کرنا جائز نہیں

ایک حدیث میں شرکت کرنے والوں کے لیے بھی صاف ممانعت وارد ہے:

''نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِئِيْنَ اَنْ يُّوْكَلَ''[2]

---

[1] سنت ابراہیم، ج:۷، ص:۳۰ [2] ابوداؤد مرفوعاً، اسباب الغفلة ملحقہ دین ودنیا، ص:۴۸۴۔

اس حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر کرنے والوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے، حالانکہ زبان سے (فخر کا) کوئی بھی اقرار نہیں کرسکتا، پس اگر قرائن وغیرہ سے یہ بات نہیں معلوم ہوسکتی تو اس حدیث پر عمل کیوں کر ہوسکتا ہے؟

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرائن وغیرہ سے فخر معلوم ہوجاتا ہے، اور اس کا اعتبار کرنا جائز ہے[1]

جتنے لوگوں کی دعوت ہے اس سے زائد لوگوں کو لے کر پہونچ جانا جائز نہیں

آج کل لوگ کیا کرتے ہیں کہ دعوت میں اپنے ساتھ بغیر بلائے دو دو اور تین تین آدمی ساتھ لے جاتے ہیں اور اپنے تقویٰ کے لیے میزبان سے پوچھ لیتے ہیں کہ بھائی ہمارے ساتھ دو اور ہیں یا تین اور ہیں اور دلیل پکڑتے ہیں اس حدیث سے کہ ....ایک صحابی نے حضور کی دعوت کی تھی راستہ میں ایک آدمی باتیں کرتا ہوا ساتھ ہو لیا جب میزبان کے دروازہ پر پہنچے ....تو میزبان سے دریافت کیا کہ ایک آدمی میرے ساتھ زائد ہے کہو تو آئے ورنہ لوٹ جائے میزبان نے بخوشی منظور کرلیا۔

لوگ اس حدیث سے تمسک (دلیل اخذ) کرتے ہیں حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ہے، جہاں یہ دیکھا کہ حضور نے اپنے ساتھی کے لیے پوچھ لیا تھا، یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ پوچھنے سے پہلے حضور نے ان میں کیا مذاق (اور کیسا بے تکلف مزاج) پیدا کردیا تھا وہ مذاق آزادی کا تھا۔

میں اس کی ایک نظیر اس بات کی بیان کرتا ہوں کہ حضور نے صحابہ میں آزادی کا مذاق کس طرح پیدا کردیا تھا وہ اتنی بڑی نظیر ہے کہ جس کے قریب قریب بھی آج کل نہیں مل سکتی وہ یہ ہے۔

[1] دعوات عبدیت، ۱۹/۱۴۔

مسلم شریف میں ہے کہ ایک فارسی تھا، شوربہ (سالن) نہایت اچھا پکاتا تھا، ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آج میں نے بہت اچھا شوربہ پکایا ہے، نوش فرمائیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس شرط کے ساتھ کہ حضرت عائشہ بھی شریک ہوں گی، وہ کہتا ہے کہ نہیں۔

غور کیجئے حضرت عائشہ حضور کی محبوبہ ہیں ان کے لیے بھی کس آزادی کے ساتھ انکار کر دیا یہ مذاق اور (مزاج) کس کا پیدا کیا ہوا تھا؟ حضور ہی کا، اسی مذاق کے بھروسہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے میزبان سے اپنی ساتھی کے لیے پوچھا تھا اور حضور کو پورا اطمینان تھا کہ اگر جی چاہے گا تو منظور کر لے گا، ورنہ صاف انکار کر دے گا، آج کل یہ بات کہاں؟

پس جو شخص ہم سے مغلوب ہو اور جس کے بارے میں یہ یقین نہ ہو کہ اگر جی نہ چاہا تو کچھ لحاظ نہ کرے گا اور آزادی سے انکار کر دے گا، اس سے اس طرح پوچھنا کب جائز ہے؟ اور اگر ایسے پوچھنے پر وہ اجازت بھی دیدے تو وہ اجازت عند الشرع ہرگز معتبر نہیں، نہ اس پر عمل جائز ہے[1]

جتنوں کی دعوت ہو اس سے زائد یا اپنے ساتھ بچوں وغیرہ کو لے جانا جائز نہیں

دعوت تو ہو کم آدمیوں کی اور آئیں زیادہ یہ مرض بھی کچھ ایسا عام ہو رہا ہے کہ اکثر لوگ شادی بیاہ میں اس کی پرواہ نہیں کرتے خواہ اہل خانہ کے یہاں اتنا سامان بھی نہ ہو، ایک ظریف آدمی تھے انہوں نے جو دیکھا کہ شادی بیاہ وغیرہ عام دعوتوں میں ایک ایک آدمی دو دو کو ضرور ساتھ لے جاتے ہیں، انہوں نے کیا کیا، دل لگی کی کہ ایک دفعہ جو

[1] حسن العزیز، ج:۱، ص: ۴۲۷، ۴۲۸۔

دعوت میں گئے تو ایک بچھڑے (گائے کے بچے) کو بھی ساتھ میں لے گئے اور جب کھانا رکھا جانے لگا تو انہوں نے بچھڑے کے حصہ کی بھی پلیٹ رکھوائی، لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ انہوں نے کہا: بھائی اور لوگ تو اپنی اولاد کو لاتے ہیں، میری کوئی اولاد نہیں میں اس کو عزیز رکھتا ہوں۔ میں اس کو لایا ہوں، غرض سب شرمندہ ہوئے اور اس رسم کو موقوف کیا گیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعوت میں ایک آدمی ویسے ہی (بلا دعوت کے) چلے گئے آپ نے مکان پر پہونچ کر صاحب خانہ سے صاف فرمایا کہ یہ ایک آدمی ہمارے ساتھ ہولیا ہے اگر تمہاری اجازت ہو تو آئے ورنہ چلا جائے، صاحب خانہ نے اس کی اجازت دیدی اور وہ شریک ہوگیا۔

رہا یہ شبہ کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے اس نے اجازت دے دی ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر آزادی دے رکھی تھی کہ جس کا جی چاہتا تھا قبول کرتا تھا اور جس کا جی چاہتا تھا انکار کر دیتا تھا۔ چنانچہ حضرت بریرہؓ کا قصہ مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ سے مغیث کی سفارش کی کہ ان کو نکاح میں قبول کرلو، حضرت بریرہؓ چونکہ جانتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفارش میں بوجھ نہیں ڈالتے اسی لیے انہوں نے پوچھا کہ آپ حکم فرماتے ہیں یا سفارش؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں حکم نہیں دیتا سفارش کرتا ہوں اس پر بریرہؓ نے انکار کر دیا، چونکہ معلوم تھا کہ آپ اس سے ناخوش نہ ہوں گے انہوں نے صاف انکار کر دیا[1]

سودخور اور بدعات ورسوم کرنے والے کی دعوت کا حکم

سوال ۱۱۰: اس مقام پر اکثر لوگ سود لیتے ہیں اور وہ لوگ کاشت بھی کرتے ہیں

[1] حقوق وفرائض، ص: ۴۹۶، حقوق المعاشرت۔

بعض کے یہاں آدھی آمدنی حلال ہے اور آدھی حرام، اور کہیں آدھی سے زیادہ حلال ہے اور آدھی سے کم حرام اور بعض جگہ اس کا الٹا۔

ان لوگوں کے مکان میں پردہ بھی نہیں اور مروجہ میلاد وغیرہ کی مجلسیں بھی کرتے ہیں ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرنا درست ہے یا نہیں لیکن اکثر ایسی مجلسوں میں جانے سے بعض لوگوں کی اصلاح بھی ہوتی ہے۔

الجواب: بے پردگی اور مروجہ مجلس میلاد اور تمام معاصی اور بدعات کو اموال کی حلت وحرمت (یعنی ان باتوں کو مال کے حلال وحرام ہونے) میں کچھ دخل نہیں، پس اس بنا پر تو دعوت کا رد کرنا (قبول نہ کرنا) بے اصل ہے، البتہ اگر دعوت رد کرنے سے مقصود زجر وتنبیہ واصلاح کا ہو تو رد کردیں، اور اگر قبول کرنے میں تالیف قلب (ان کے قریب ہونے) اور نصیحت کے قبول کرنے کی امید ہو تو قبول کرنا اولیٰ ہے۔

البتہ سود کے اختلاط کو حرمت میں اثر ہے، اگر نصف یا اس سے زائد سود ہے تو سب حرام ہے اور اگر نصف سے کم ہے تو حلال ہے[1]

جس کی اکثر آمدنی حرام کی ہو اس کی دعوت قبول کرنے کی جائز صورت

سوال ۱۱۳: جس کا اکثر مال یا برابر حرام ہو اور وہ یہ ظاہر کرکے کہ میں اپنے حلال مال سے مہمانی (دعوت) یا ہدیہ دیتا ہوں تو بغیر کسی شہادت وتصدیق کے محض اس کا بیان قابل اعتبار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر قلب اس کے صدق (سچائی) کی شہادت دے تو عمل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، البتہ اگر وہ رشوت سے کھلائیں تو نرمی سے عذر کردیا جائے۔'' فی الدر

[1] امداد الفتاویٰ، ج:۴، ص:۱۱۹۔

المختار و یتحری فی خبر الفاسق بنجاسۃ الماء و خبر المستور ثم یعمل بغالب الظن ''[1]

شبہ کی دعوت کا حکم

شبہ کا مال (اور شبہ کی دعوت یعنی جہاں حرام آمدنی کا شبہ ہو) کبھی نہ لینا چاہئے خصوصاً جہاں دعوت قبول کرنے میں علم کی توہین و ذلت ہوتی ہو، وہاں تو ہرگز نہ جانا چاہئے۔[2]

(لیکن) بھرے مجمع میں داعی (دعوت دینے والے) کو اس طرح ذلیل کرنا (مثلاً) یہ پوچھے کہ دودھ کہاں سے آیا؟ گوشت کس طرح لیا؟ یہ تقویٰ کا ہیضہ ہے۔ (غلو اور دوسرے کو ذلیل کرنا ہے جو کہ ناجائز ہے)۔[3]

جس کی آمدنی پر اطمینان نہ ہو اور شبہ قوی ہو تو کیا کرنا چاہئے

اگر کسی شخص (کی آمدنی) پر اطمینان نہ ہو تو یا تو اس کی دعوت ہی منظور نہ کرے، لطیف پیرایہ سے (کسی بہانہ سے) عذر کردے، لیکن یہ نہ کہے کہ آپ کی آمدنی حرام ہے اس لیے دعوت قبول نہیں کرسکتا، کیونکہ اس عنوان سے اس کی دل شکنی ہوگی (اور فتنہ ہوگا)۔

اگر داعی کی آمدنی کے حرام ہونے کا شبہ قوی ہو تو بہترین صورت یہ ہے کہ مجمع کے سامنے تو بلاشرط قبول کرلے پھر تنہائی میں لے جاکر ان سے کہہ دے کہ ذرا کھانے میں اس کی رعایت رکھی جائے کہ تمام سامان (انتظام) تنخواہ کی (یعنی حلال کی) رقم سے کیا جائے۔[4]

---

[1] درمختار، ۳۰۸، امدادالفتاویٰ، ۱۲۱/۴۔ [2] انفاس عیسیٰ، ج:۱،ص:۳۸۱۔

[3] انفاس عیسیٰ، ج:۱،ص:۳۸۱ [4] انفاس عیسیٰ، ج:۱،ص:۳۸۱۔

دعوت میں شرکت کرنے کے چند ضروری احکام

(۱) زیادہ تحقیق وتفتیش اور کھود کرید کی ضرورت نہیں مگر تاہم جن لوگوں کے یہاں بظن غالب اکثر آمدنی حرام ہے ان کی دعوت قبول کرنا جائز نہیں جیسے رشوت کی آمدنی، سو ایسے لوگوں کی دعوت قبول نہ کرے۔

ہاں اگر غالب (اکثر) مال حلال ہو تو جائز ہے لیکن اگر زجر کے لیے نہ کھائے تو بہتر ہے۔

(۲) اگر معصیت کے مجمع میں دعوت ہو تو قبول نہ کرے، اور اگر اس کے جانے کے بعد معصیت کا فعل شروع ہو جائے مثلاً راگ باجا اکثر شادیوں میں ہوتا ہے تو اگر خاص اس جگہ پر ہے جہاں پر بیٹھا ہوا ہے تو چھوڑ کر چلا آئے اور اگر فاصلہ سے ہے تو اگر یہ شخص مقتداء دین ہے تب بھی اس کو وہاں سے اٹھ آنا چاہئے اور اگر مقتداء دین نہیں تو خیر کھا کر چلا آئے۔[1]

غریبوں کی دعوت میں بھی شرکت کرنا چاہئے

بعض آدمی تکبر کی وجہ سے غریب کی دعوت قبول نہیں کرتے، یہ تکبر مذموم اور قبیح ہے، ایک حکایت یاد آئی ایک بے چارے غریب نے ایک مولوی صاحب کی دعوت کی، مولوی صاحب اس کے ساتھ دعوت کھانے جا رہے تھے راستہ میں ایک رئیس صاحب نے پوچھا مولوی صاحب کہاں تشریف لے چلے؟ مولوی صاحب نے جواب دیا اس سقے نے دعوت کی ہے اس کے یہاں جا رہا ہوں رئیس صاحب ملامت کرنے لگے کہ مولوی صاحب آپ نے تو بالکل ہی بات ڈبو دی اور ایسی ذلت اختیار کی (کہ سقے کے یہاں بھی دعوت کھانے کو چل دیئے) مولوی صاحب نے ایک لطیفہ کیا، اس سقے سے

[1] حقوق المعاشرت، ص:۴۹۹۔

فرمایا کہ بھائی اگر ان کو بھی دعوت میں لے چلوتو چلتا ہوں ورنہ میں بھی نہیں چلتا، اب وہ سقہ امیر صاحب کے (پیچھے پڑ گیا) منت وسماجت کرنے لگا پہلے تو بہت عذر کئے مگر خوشامد عجیب چیز ہے پھر اور لوگ بھی جمع ہوگئے، اور مجبور کرنے لگے لامحالہ جانا پڑا، وہاں جا کر دیکھا کہ غریب لوگ جس تعظیم وتکریم (اور عزت) سے پیش آتے ہیں وہ امیروں اور نوابوں کے یہاں خواب میں بھی نہیں دکھلائی دیتی تو (امیر صاحب) قائل ہوگئے کہ واقعی جو راحت، عزت اور محبت غریبوں سے ملنے میں ہے وہ امیروں سے ملنے میں قیامت تک نہیں، اس لئے غریب لوگ اگر دعوت کریں تو صاحب ثروت (مالدار شخص) کو جاہ وتکبر کی وجہ سے انکار نہیں کرنا چاہئے [1]

دعوت قبول کرنے میں کوئی مباح شرط لگانا

حدیث میں ہے کہ ایک فارس کے رہنے والے شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی آپ نے فرمایا: میں اور عائشہ دونوں چلیں گے فارسی نے کہا: نہیں (یعنی حضرت عائشہ نہیں) آپ نے فرمایا کہ نہیں (یعنی میں بھی نہیں جاتا اسی طرح تین بار فرمایا) پھر بعد میں اس نے آپ کی شرط کو منظور کرلیا، پس آپ اور حضرت عائشہ دونوں آگے پیچھے ہوتے ہوئے چلے، اس نے دونوں کے روبرو چربی پیش کی [2]

فائدہ: اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ اگر دعوت کی منظوری کو کسی جائز شرط سے مشروط کرے تو یہ امر نہ مسلمان کے حق کے منافی ہے اور نہ حسن اخلاق کے۔

جیسا کہ آپ نے یہ شرط لگائی کہ اگر حضرت عائشہ کی بھی دعوت کروتو میں بھی منظور کرتا ہوں، اور اس فارسی کا منظور نہ کرنا شاید اس وجہ سے ہو کہ کھانا ایک ہی شخص کو کافی ہوگا زیادہ نہ ہوگا، اس نے چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شکم سیر یعنی خوب سیر ہو کر کھالیں، پھر اخیر میں منظور کر لینا اس خیال سے ہو کہ آپ کی تطییب قلب (دل کو خوش

---

[1] حقوق وفرائض، ص: ۴۹۸ [2] مسلم بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

کرنا) آپ کے شبع (یعنی سیراب ہونے) سے اہم ہے، اور اس وقت تک حجاب نازل نہ ہوا ہوگا[1]

دعوت میں غریبوں کے تکبر اور نخرے

بعض لوگوں کو خبط ہوتا ہے کہ وہ اپنے غریب اومفلوک الحال ہونے پر فخر کیا کرتے ہیں اور امیری (مالداری) میں عیب نکالا کرتے ہیں، امیر آدمی اگر فخر کرے تو ایک حد تک بجا بھی ہے کیونکہ اس کے پاس فخر کا سامان موجود ہے اور غریب آدمی جس کے کھانے کے ٹکڑا نہ پہننے کو لنگوٹا، وہ کس چیز پر فخر کرے، پھر لطف یہ کہ یہ فخر قولاً نہیں بلکہ عمل میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔

چنانچہ کبھی شادی وغیرہ کا موقع ہوتا ہے تو ہم نے ان غریبوں ہی کو زیادہ اینٹھتے ہوئے دیکھا ہے، انہیں کو سب سے زیادہ نخرے اور ناز سوجھتے ہیں اور اس کی یہ بھی وجہ ہوتی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو لوگ مجھے ذلیل سمجھیں گے، اور یہ خیال کریں گے کہ یہ شخص ہماری دعوت کا منتظر ہی بیٹھا تھا..........اسی طرح ان غریبوں کا ایک اور مقولہ مشہور ہے، کہتے ہیں کہ کوئی مال میں مست ہے کوئی کھال میں مست ہے، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کھال میں مست ہونے کے کیا معنیٰ؟ لیکن خیر انہوں نے اتنا تو اقرار کیا کہ ہم میں عقل نہیں کیونکہ اپنے کو مست کہا اور مستی عقل کے خلاف ہوتی ہے اور اگر عقل ہوتی تو ایسی حرکت ہی کیوں کرتے، حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو تین آدمیوں سے سخت بغض ہے (جن میں) ایک وہ شخص ہے جو کہ غریب ہو اور تکبر کرے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے شخص! تیرے پاس ہے کیا چیز کہ جس پر تو تکبر کرتا ہے؟[2]

---

[1] التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف، ص: ۷۷۔ [2] آداب انسانیت نسیان النفس۔

باب (۲۳)

تعدد ازواج

کئی شادیاں کرنے کا بیان

فصل

تعدد ازواج کا باعث اور محرک

تقوی ایک ایسی پیاری چیز ہے کہ اس کا خیال ہر انسان کو سب باتوں سے مقدم رکھنا چاہئے، قدرت نے بعض آدمیوں کی بہ نسبت بعض آدمیوں کو زیادہ قوی الشہوۃ بنایا ہے، اور ایسے آدمیوں کے لیے ایک عورت کافی نہیں ہوسکتی اور اگر ان کو دوسرا یا تیسرا یا چوتھا نکاح کرنے سے روکا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تقویٰ کو چھوڑ کر بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے اور زنا ایسی بدکاری ہے جو انسان کے دل سے ہر پاکیزگی اور طہارت کا خیال دور کر دیتی ہے اور اس میں ایک خطرناک زہر پیدا کر دیتی ہے، اس لیے ان لوگوں کے لیے جو قوی الشہوۃ (بہت شہوت والے) ہیں ضرور ایسا کوئی علاج ہونا چاہئے جس سے وہ زنا جیسی سیاہ کاری میں پڑنے سے بچے رہیں[1]

---

[1] المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ۔

تعدد ازواج کی ایک اور مصلحت

تعدد ازواج کے روکنے سے بعض اوقات نکاح کی غرض یعنی نسل انسانی کا بقاء (یہ غرض) حاصل نہیں ہوسکتی مثلاً اگر عورت بانجھ ہے اور اس کا بانجھ پن نا قابل علاج ہوتو تعدد ازواج کی ممانعت کی صورت میں قطع نسل لازم آئے گا، یہ بیماری عورتوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے، اور تعدد ازواج کے سوا کوئی راہ نہیں جس سے یہ کمی پوری ہو سکے، بقاء نسل کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ ایسی صورتوں میں مرد کو نکاح ثانی کی اجازت دی جائے۔

اگر عورت کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جائے جو اس کو ہمیشہ کے لیے یا بڑے بڑے وقفوں کے لیے نا قابل کردے یعنی اس قابل نہ رہنے دے کہ خاوند اس سے (خصوصی) تعلقات قائم کر سکے تو کوئی وجہ نہیں کہ مرد نکاح کی اصلی غرض کو دوسرے نکاح سے نہ پورا کرے[1]

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آخر عمر میں نکاح (ثانی) کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت پیرانی صاحبہ (پہلی بیوی) نابینا ہوگئی تھیں، یہ بی بی حضرت کی بھی خدمت کرتی تھیں اور پیرانی صاحبہ کی بھی، ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ عورت محض شہوت ہی کے لیے تھوڑی ہوتی ہے اور بھی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں[2]

دوسری شادی کے جواز میں مرد عورت دونوں کی مصلحت ہے

ہر ملک میں مردوں کی بہ نسبت عورتوں کے قویٰ (اعضاء) بڑھاپے سے جلدی متأثر ہوتے ہیں، پس جہاں مرد کے قوی بالکل محفوظ ہوں جیسا کہ اکثر حالات میں ہوتے ہیں اور عورت بوڑھی ہو چکی ہو، دوسری عورت سے نکاح کرنا بعض حالات میں مرد کے

[1] المصالح العقلیہ، حقوق الزوجین، ص:۵۵۳۔ [2] حقوق الزوجین، ص:۵۵۳۔

لیے ایسا ہی ضروری ہوگا جیسا کہ پہلے کسی وقت پہلی عورت سے نکاح کرنا ضروری تھا۔

جو قانون تعدد ازواج (کئی بیویوں کے کرنے) سے روکتا ہے وہ مردوں کو جن کے قویٰ خوش قسمتی سے بڑھاپے کی عمر تک محفوظ رہیں یہ راہ بتاتا ہے کہ وہ ان قویٰ کے تقاضے کو زنا کے ذریعہ پورا کریں۔

قدرت نے عورت کو وہ سامان دیئے ہیں کہ جو مرد کے لیے باعث کشش ہیں اور مرد عورت کے تعلقات میں ان اسباب کی موجودگی ایک نہایت ضروری امر ہے اور صرف اسی صورت میں نکاح بابرکت ہوسکتا ہے کہ عورت میں ایسے سامان کشش موجود ہوں اور اگر عورت میں ایسے سامان نہ ہوں یا کسی طرح سے جاتے رہیں تو مرد کا عورت سے وہ تعلق نہیں ہوسکتا، ایسی صورت میں اگر خاوند کو دوسری شادی کی اجازت نہ دی جائے تو یا تو وہ کوشش کرے گا کہ کسی طرح اس عورت سے نجات حاصل کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہوا تو بدکاری میں مبتلا ہوگا اور ناجائز تعلق پیدا کرے گا، کیونکہ جب عورت کی رفاقت سے اسے وہ خوشی حاصل نہ ہوسکے جس کے حاصل ہونے کا تقاضا انسانی فطرت کرتی ہے تو مجبوراً اس خوشی کے حاصل کرنے کے لیے وہ اور ذریعہ تلاش کرے گا۔[1]

تعدد ازواج کی ضرورت

عورت ہر وقت اس قابل نہیں ہوتی کہ خاونداس سے ہم بستر ہوسکے کیونکہ اول تو لازمی طور پر ایک مہینہ میں کچھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام حیض جن سے مرد کو اس سے پرہیز کرنا چاہئے، دوسرے ایام حمل عورت کے لیے ایسے ہوتے ہیں خصوصاً اس کے پچھلے مہینے جن میں عورت کو اپنے اور اپنے جنین (بچہ) کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرد کی صحبت سے پرہیز کرے اور یہ صورت کئی ماہ تک رہتی ہے پھر جب وضع حمل ہوتا ہے تو پھر بھی کچھ مدت تک عورت کو مرد کی صحبت سے پرہیز کرنا لازمی ہے، اب ان

[1] المصالح العقلیہ، ص:۱۹۶و۲۰۰۔

اوقات میں عورت کے لیے تو یہ قدرتی موانع واقع ہو جاتے ہیں مگر خاوند کے لیے کوئی امر مانع نہیں ہوتا تو اب اگر کسی مرد کو شہوت کا غلبہ ان اوقات میں ہو تو سوائے تعدد (دوسری بیویوں) کے اس کا کیا علاج ہے .... اگر ان اوقات میں یا اس قسم کے دوسرے وقفات میں دوسری عورت سے نکاح کی اجازت نہ دی جائے تو پھر اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے وہ ضرور ناجائز ذرائع استعمال کریں گے[1]

تعدد ازواج عقلی نقطۂ نظر سے تاریخ کی روشنی میں

خود عورتوں کو بعض وقت ایسی مجبوریاں آپڑتی ہیں کہ اگر ان کے لیے یہ راہ کھلی نہ رکھی جائے کہ وہ ایسے مردوں سے نکاح کر لیں جن کے گھروں میں پہلے سے عورتیں موجود ہیں تو اس کا نتیجہ بدکاری ہوگا کیونکہ ہر سال دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں لاکھوں مردوں کی جانیں لڑائیوں میں تلف ہو جاتی ہیں اور عورتیں بالکل محفوظ رہتی ہیں اور ایسے واقعات ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں اور جب تک دنیا میں مختلف قومیں آباد ہیں ایسے واقعات ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور ہمیشہ مردوں کی تعداد میں کمی ہو کر عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی اب یہ عورتیں جو مردوں کی تعداد سے زیادہ ہوں گی ان کے لیے کیا سوچا گیا ہے؟ تعدد ازواج کی ممانعت کی صورت میں ان کا کیا حال ہوگا؟ کیا ان کو یہی جواب نہ ملے گا کہ جس کے دل میں مرد کی طرف وہ خواہش پیدا ہو جو قدرت نے انسانی فطرت میں رکھی ہے وہ ناجائز طریقوں سے ان کو پورا کرے، تعدد ازواج کے سوا کوئی راہ ایسی نہیں جو ان ضروریات کو پورا کر سکے۔

برطانیہ کلاں میں بوئروں کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ انہتر ہزار تین سو پچاس عورتیں ایسی تھیں جن کے لیے ایک بیوی والے قاعدہ کی رو سے کوئی مرد مہیا نہیں ہوسکتا۔

فرانس میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کے لیے ایک ہزار بتیس عورتیں

[1] المصالح العقلیہ، ص: ۱۹۵۔

موجود تھیں گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سواڑتالیس عورتیں ایسی تھیں جن سے شادی کرنے والا کوئی مرد نہ تھا۔

سوئڈن میں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر عورتیں اور ہسپانیہ میں ۱۸۹۰ء میں چار لاکھ ستاون ہزار دو سو باسٹھ عورتیں اور آسٹریلیا میں ۱۸۹۰ء میں چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتیں مردوں سے زیادہ تھیں۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ جو قوانین انسانوں کی ضرورت کیلئے تجویز کئے جاتے ہیں وہ انسانوں کی ضروریات کے مطابق بھی ہونے چاہئے یا نہیں؟ اس پر فخر کرنا تو آسان ہے کہ ہم تعدد ازواج کو برا سمجھتے ہیں مگر یہ بتا دیا جائے کہ کم از کم ان چالیس لاکھ عورتوں کے لیے کون سا قانون تجویز کیا گیا ہے؟ کیوں کہ ایک بیوی کے قاعدہ کے رو سے یورپ میں تو ان کو خاوند مل نہیں سکتے۔

وہ قانون جو تعدد ازواج کو منع کرتا ہے ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلیں، اور ان کے دلوں میں مردوں کی کبھی خواہش نہ پیدا ہو لیکن یہ تو ناممکن ہے ....پس نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ناجائز طریقہ اختیار کریں گی ....زنا کی کثرت ہوگی، اور یہ محض خیال نہیں واقعی امر ہے اور یہ سب تعدد ازواج کی مخالفت کا نتیجہ ہے۔[1]

صرف چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت کیوں ہے؟

اب رہی یہ بات کہ چار سے زائد عورتیں (نکاح میں لانا) کیوں ناجائز ہے؟ تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضروری تھا کہ بیویاں کرنے کی ایک خاص حد ہوتی ورنہ اگر حد مقرر نہ ہوتی تو لوگ حد اعتدال سے نکل کر سیکڑوں بیویاں کرنے کی نوبت پہنچاتے اور ایسا کرنے سے ان بیویوں پر اور خود اپنی جانوں پر ظلم اور بے عتدالیاں

[1] المصالح العقلیہ، ص:۱۹۸۔

کرتے اور ضرورت چار سے پوری ہوگئی تھی اس لیے زائد کو ناجائز قرار دیا۔

چار نکاح سے متجاوز نہ ہونے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عورت کا فی نفسہ حق قضاء وطر (خواہش پوری کرنا) ہے اور نکاح کی اصلی مصلحت (یعنی اولاد حاصل کرنا جو حمل قرار پانے پر موقوف ہے) وہ بھی اس بات کا مقتضی ہے کہ کم از کم ہر طہر میں ایک بار ہم بستری ہو جایا کرے، اور صحیح المزاج عورت کو ہر ماہ میں ایک بار حیض ہو کر طہر ہوتا ہے یہ تو عورت کی حالت ہے اور متوسط قوت کا مرد ایک ہفتہ میں ایک بار صحبت کرنے سے صحت کو محفوظ رکھ سکتا ہے یعنی ایک ماہ میں چار بار قربت کر سکتا ہے پس اس طرح اگر چار عورتیں ہوں گی تو ہر عورت سے ایک طہر میں ایک بار صحبت ہوگی اور اس سے زیادہ منکوحات میں یا تو مرد پر زیادہ تعب ہو کر اس میں قوت تولید (پیدائش کی قوت) نہ رہے گی اور یا عورت کا حق ادا نہ ہوگا اور چوں کہ قانون عام ہوتا ہے اس لیے کسی خاص مرد کا زیادہ قوی ہونا اس حکمت میں مخل نہیں ہو سکتا، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں چونکہ قوت بھی زیادہ تھی اور آپ کو عام قوانین سے ممتاز کر کے بہت سی خصوصیات بھی عطا کی گئیں ہیں، اس لیے اس حکم میں آپ کو ایک خاص امتیاز عطا فرمایا گیا۔[1]

تعدد ازواج (کئی بیویاں رکھنے) کی بلا قباحت شرعاً اجازت ہے

اس کی اباحت بلا کراہت کے منصوص قطعی (قرآن) سے ثابت ہے اور سلف میں بلا نکیر رائج تھا، اس میں کراہت یا حرمت کا اعتقاد یا دعویٰ اور اس کی بنا پر آیات قرآنیہ میں تحریف کرنا سراسر الحاد و بد دینی ہے۔ اصل عمل (تعدد ازواج) میں کراہت یا ناپسندیدگی کا شائبہ بھی نہیں اور نہ ہی اس کی صحت عدل کے ساتھ مقید ہے، بلکہ اگر عدم

[1] بوادر النوادر، ج:۱، ص:۸۔

عدل (انصاف نہ ہو سکنے) کا یقین بھی ہو تب بھی (نکاح کی) صحت اور نفاذ یقینی ہے بعض قوموں نے یورپ کی دیکھا دیکھی دعویٰ کیا ہے کہ ایک عورت سے زائد دوسری، تیسری، چوتھی عورت سے نکاح جائز نہیں، اور اس کا منشاء محض اہل یورپ کی آراء اور خواہش کا استحسان (اچھا سمجھنا) ہے.............اور اس دعوے کو زبردستی قرآن میں بھی ٹھونس دیا کہ دو جگہ سے دو آیتیں لیں اور ہر ایک کے معنیٰ میں تحریف کی اس طرح سے اپنا مطلب پورا کیا لیکن یہ (تحریف) سراسر الحاد و بددینی ہے[1]

[1] اصلاح انقلاب، ج:۲،ص:۲۷، ۶۹۔

فصل (۲)

تعدد ازواج کی ممانعت

بعض عوارض کی وجہ سے کئی بیویاں کرنے کی شرعی ممانعت

البتہ جب غالب احتمال عدم عدل (انصاف نہ کر سکنے) کا ہوتو اس وقت باوجود فی نفسہ اس کے (جائز) اور پسندیدہ ہونے کے خاص اس عارض کی وجہ سے اس تعدد سے منع کیا جائے گا (جس کی دلیل یہ ہے)

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً.	یعنی اگر تم کو اس کا احتمال ہو کہ عدل نہ رکھ سکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو
(سورۂ نساء)	(ایضاً:۲۷)

اگر اندیشہ ہے بیوی کے حق ادا نہ کر سکنے کا خواہ نفس کا حق ہو، یا مال کا حق تو ایسے شخص کے لیے (ایسی صورت میں) یقیناً دوسرا نکاح کرنا ممنوع ہے[1]

عورتوں کی بے اعتدالی کی وجہ سے دوسری بیوی کرنے کی ناپسندیدگی

(اگر مرد سے بے انصافی کا خدشہ نہ ہو لیکن) خود عورتوں کی بے اعتدالیوں کا اندیشہ ہو تو اس وقت تعدد (کئی بیویاں کرنے) سے شرعی ممانعت تو نہیں ہوگی لیکن قواعد شرعیہ کے مطابق ایک ہی (عورت) پر کفایت کرنے کا مشورہ دیا جائے گا اور یہ مشورہ

[1] ایضاً، ص:۴۰۔

بھی شرعی ہوگا، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا تھا۔

هَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ — کیا کوئی کنواری نہیں تھی کہ تم اس سے جی بہلاتے اور وہ تم سے جی بہلاتی [1]

محض ہوسنا کی اور عیش پرستی کی وجہ سے کئی بیویاں کرنے کی مذمت

بعض لوگ باوجود ضرورت نہ ہونے کے ہوسنا کی کی وجہ سے کئی کئی بیبیاں نکاح میں جمع کر لیتے ہیں، اور ان میں عدل ہو نہیں سکتا یا تو اس وجہ سے کہ مرد میں دین یا وسعت کم ہے یا اس وجہ سے کہ عورتوں میں دین یا عقل کم ہے، اور عدل نہ رکھنے کی صورت میں مرد پر شریعت کی مخالفت کا الزام (اور نقصان) ظاہر ہے، جس سے بچنا لازم ہے اور جہاں غالب گمان انصاف نہ ہو سکنے کا ہو وہاں تو تعدد ازواج (ایک سے زائد بیوی) سے اس بنا پر کہ ناجائز کا مقدمہ ناجائز ہوتا ہے، اس تعدد سے بھی احتراز واجب ہوگا [2]

عدل پر قدرت کے باوجود بغیر ضرورت کے دوسری بیوی کرنے کی مذمت

اور عدل رکھنے کی صورت میں مرد پر یہ الزام تو نہیں لیکن پریشانی میں تو پڑ گیا جس کے بڑھ جانے سے بعض اوقات دین میں خلل پڑنے لگتا ہے اور بعض اوقات

[1] اصلاح انقلاب، ص: ۲۸ [2] اصلاح انقلاب، ص: ۲۷۔

صحت و عافیت میں (خلل پڑنے لگتا ہے) اور اس کے واسطے سے کبھی دین میں بھی خرابی آجاتی ہے، جہاں اس کا ظن غالب ہو (یعنی کئی بیویاں کرنے اور ان میں انصاف کرنے کی وجہ سے خود اس کے پریشانی میں پڑ جانے اور دین میں خرابی آجانے کا ظن غالب ہو) ایسی پریشانی سے بچنا ضروری ہے اور پریشانی کے اسباب سے بھی بچنا لازم ہوگا اور وہ تعدد ازواج (کئی بیویاں کرنا) ہے۔

اگر یہ بچنے کا لزوم واجب شرعی نہ بھی ہوتا تاہم عقل کا مقتضیٰ تو ضرور ہے کیونکہ بلاوجہ پریشانی مول لینا عقل کے خلاف ہے[1]

[1] ایضاً ج:۲،ص:۲۷۔

فصل (۳)

تعدد ازواج کی دشواریاں

دو بیویوں میں نباہ حکومت کرنے سے زیادہ مشکل ہے

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی کسی پر حاکم ہی نہ ہو یا حکومت سے استعفیٰ دے دے اس کو اس صفت کے استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

دوسرے یہ کہ ایسے لوگوں پر حاکم ہو جن کے ساتھ عدل وانصاف کرنے میں سیاست وضابطہ کا برتاؤ کر سکے یہ بھی آسان ہے اس لیے کہ اس شخص کو صرف ایک حکومت کا حق ادا کرنا پڑتا ہے جس میں کوئی چیز روکنے والی نہیں بخلاف ایسے شخص کے جس کی کئی بیویاں ہوں کہ اس کے ماتحت ایسے دو محکوم ہیں جو اس کے محبوب ہیں اور محبوب بھی کیسے جن کے درمیان عدل وانصاف کرنا اسی حالت کے ساتھ خاص نہیں جب کہ ان میں جھگڑا ہو، بلکہ اگر وہ خود جھگڑیں بھی نہ، تب بھی اس حاکم پر ہر وقت کے برتاؤ میں ان میں برابری رکھنا واجب ہے، پھر اگر جھگڑا ہو تو اس وقت یہ کشاکشی ہوگی کہ اگر ان کی محکومیت کے حق ادا کرتا ہے تو محبوبیت کے حق فوت ہوتے ہیں اور ان دونوں کا جمع کرنا دو متضاد شئ (آگ پانی) کے جمع کرنے سے کم نہیں اور نہایت ہی عقل و دین کی اس میں ضرورت ہے اگر کوئی کر کے دیکھے تو معلوم ہو، اور اگر حکومت سے سبکدوش ہونا چاہے تو وہ اس لیے مشکل ہے کہ اس کی حقیقت زوجیت کو ختم کرنا ہے (یعنی طلاق دینا ہے) اس کو شریعت مبغوض ٹھیرا رہی ہے۔

پھر اس (حکومت) کے اجلاس کا کوئی وقت متعین نہیں ہر وقت اس کے لیے

آمادہ رہنا چاہئے پھر استغاثہ کا انتظار ورنہ خود دست اندازی لازم ہے ....جس طرح قضاء کا (عہدہ) یعنی حکومت کے قبول کرنے میں حدیث میں نہایت درجہ کی تہدید (دھمکی) ہے یہ بھی اس سے کم نہیں، بلکہ میں نے اوپر جو کچھ بیان کیا اس سے تو یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ بعض اعتبار سے یہ قضاء بھی زیادہ سخت ہے جب اس سے تحذیر (ڈر نے اور بچنے) کا حکم ہے تو اس کی جرأت کرنا کب زیبا ہے[1]

کئی بیویاں کرنے کی نزاکت اور حضرت تھانویؒ کا تجربہ

متعدد بیویوں کے حقوق اس قدر نازک ہیں کہ ہر ایک کا نہ وہاں ذہن پہنچ سکتا ہے اور نہ ان کی رعایت کا حوصلہ ہو سکتا ہے، چنانچہ باوجودیکہ رات کو رہنے اور لباس اور کھانے پینے میں برابری کا ہونا سب جانتے ہیں مگر اس کا بھی اہتمام نہیں ہوتا، باقی ان مسائل کا تو کون خیال کرتا ہے جس کو فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایک بی بی کے پاس مغرب بعد آجاتا ہے اور دوسری کے پاس عشاء کے بعد تو اس نے عدل کے خلاف کیا۔

اور لکھا ہے کہ ہر ایک کی باری میں دوسری سے صحبت جائز نہیں اگرچہ دن ہی ہو، اور لکھا ہے کہ ہر ایک کی باری میں دوسری کے پاس جانا بھی نہ چاہئے۔

اور لکھا ہے کہ اگر مرد بیمار ہو گیا اور اس وجہ سے دوسری کے پاس نہیں جا سکتا اس لیے ایک ہی کے پاس رہا تو صحت کے بعد اتنی مدت تک دوسری کے پاس رہنا چاہئے اور لینے دینے میں برابری کرنے کی جزئیات بھی اس قدر دقیق ہیں کہ ان کی رعایت کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔

مجھ کو اس قدر دشواریاں اس میں پیش آئی ہیں کہ اگر علم دین اور حسن تدبیر حق تعالیٰ نہ عطا فرماتے تو ظلم سے بچنا مشکل تھا، سو ظاہر ہے کہ اس مقدار میں علم اور اس قدر اہتمام کا عام ہونا بہت مشکل ہے، نیز ہر شخص کو نفس کا مقابلہ کرنا بھی مشکل کام ہے

[1] اصلاح انقلاب، ص: ۹۰، ۷۷۔

(ایسے حالات میں) اب تعدد ازواج (کئی بیویاں رکھنا) بجز اس کے کہ حق ضائع کر کے گنہ گار ہوں کیا نتیجہ ہوسکتا ہے۔

یہ (مذکورہ بالا) حقوق تو واجب تھے بعض حقوق مروت کے ہوتے ہیں گو واجب نہیں ہوتے مگر ان کی رعایت سے دل شکنی ہوتی ہے جو رفاقت کے حقوق کے خلاف ہیں ان کی رعایت اور بھی دقیق ہے، غرض کوئی شخص واقعات و معاملات کے احکام علماء سے پوچھے اور پھر عمل کرے تو نانی یاد آ جائیگی اور تعدد ازواج سے توبہ کرلے گا[1]

بغیر سخت مجبوری کے دوسری شادی کرنے کا انجام

موجودہ حالات میں بغیر سخت مجبوری کے دوسرا نکاح ہرگز نہ کرنا چاہئے اور مجبوری کا فیصلہ نفس سے نہ کرانا چاہئے بلکہ عقل سے کرانا چاہئے بلکہ عقلاء کے مشورہ سے کرانا چاہئے۔

اور پختگی سن (یعنی عمر ڈھل جانے) کے بعد دوسرا نکاح کرنا پہلی منکوحہ کو بے فکر ہو جانے کے بعد اس کو فکر میں ڈالنا ہے اور جہالت تو اس کا لازمی حال ہے، وہ اپنا رنگ لائے گا اور اس رنگ کے چھینٹے سے نہ ناکح (نکاح کرنے والا مرد) بچے گا، نہ منکوحہ ثانیہ (دوسری بیوی) بچے گی، خواہ مخواہ غم کے دریا بلکہ خون کے دریا میں سب غوطے لگائیں گے، خصوصاً جب کہ مرد عالم دین اور متحمل بھی نہ ہو، علم نہ ہونے سے تو وہ عدل کے حدود کو نہ سمجھے گا اور تحمل (برداشت کا مادہ) نہ ہونے سے ان حدود کی حفاظت نہ کر سکے گا اس وجہ سے وہ ضرور ظلم میں مبتلا ہوگا، چنانچہ عموماً کئی بیویوں والے لوگ ظلم و ستم کے معاصی (گناہ) میں مبتلا ہوتے ہیں[2]

---

[1] اصلاح انقلاب، ص:۸۴۔ [2] ایضاً، ج:۲، ص:۸۳۔

دوشادی کرنا پلصراط پر قدم رکھنا اور اپنے کو خطرہ میں ڈالنا ہے

(مجھے) دوسری بیوی کرنے میں بہت ساری مصلحتیں ظاہر ہوئیں مگر یہ مصلحتیں ایسی ہیں جیسے جنت کے راستہ میں پل صراط کہ بال سے زیادہ باریک تلوار سے زیادہ تیز جس کو طے کرنا سہل کام نہیں، اور جو طے نہ کر سکا وہ سیدھا جہنم میں پہونچا اس لیے ایسے پل پر خود چڑھنے کا ارادہ ہی نہ کرے۔

ان خطرات اور ہلاکت کے موقعوں کو پار کرنے کے لیے جن اسباب کی ضرورت ہے وہ ارزاں (سستے) نہیں ہیں، دین کامل، عقل کامل، نور باطن، ریاضت سے نفس کی اصلاح کر چکنا یہ سب اس کے لیے (ضروری ہیں)۔

چونکہ ان سب کا جمع ہونا شاذ ہے اس لیے تعدد ازواج (کئی بیوی کے چکر میں پڑنا) اپنی دنیا کو تلخ اور برباد کرنا ہے یا آخرت اور دین کو تباہ کرنا ہے[1]

حضرت تھانویؒ کی وصیت اور ایک تجربہ کار کا مشورہ

کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ خود کیوں اس مشورہ کے خلاف کیا (حضرت تھانویؒ کی دو بیوی تھیں) بات یہ ہے کہ خلاف کرنے ہی سے یہ مشورہ سمجھ میں آیا ہے، اس فعل سے مجھے تجربہ ہو گیا ہے اور تجربہ کار کا قول زیادہ ماننے کے قابل ہے میں اپنے تجربہ کی مدد سے اپنے بھائیوں اور احباب کو اس تعدد سے (کئی بیویاں کرنے سے) مشورۃً منع کرتا ہوں، اگر میں اس تعدد کو اختیار نہ کرتا تو میرے اس منع کرنے کی زیادہ وقعت آپ لوگ نہ کرتے۔

لیکن اب اس ممانعت کی خاص وقعت ہوگی (لہٰذا) اس ممانعت پر عمل کرنا

---

[1] اصلاح انقلاب، ص:۹۰۔

چاہئے مگر ساتھ ہی احکام شرعیہ میں تحریف نہ کی جائے، شرعی حکم تو یہی ہے کہ تعدد ازواج میں نکاح تو منعقد ہر حال میں ہو جاتا ہے خواہ عدل ہو یا نہ ہو لیکن عدل نہ کرنے کے وقت گناہ ہوگا۔[۱]

نکاح ثانی کس کو کرنا چاہئے

فرمایا: ایک شخص نے مجھ سے عقد ثانی کے متعلق مشورہ کیا، تو میں نے کہا کہ تمہارے پاس کتنے مکان ہیں؟ اس نے کہا کہ ایک ہے، میں نے کہا تمہارے لیے مناسب نہیں ہے، انہوں نے کہا کتنے مکان ہونے چاہئے میں نے کہا تین ہونے چاہئے، انہوں نے کہا تین کس لیے؟ میں نے کہا تین اس لیے ہونا چاہئے کہ دو مکان تو دو بیویوں کے رہنے کے لئے ہوں اور تیسرا مکان اس لیے کہ جب ان دونوں سے اختلاف ہو جائے تو آپ اس تیسرے مکان میں ان دونوں سے الگ رہیں کیونکہ جب تم ان سے روٹھو گے تو کہاں رہو گے وہ یہ سن کر رک گئے۔[۲]

---

[۱] ملفوظات، ص:۱۴۱۔ [۲] ملفوظات، ص:۱۴۱۔

فصل (۴)

ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے اگرچہ وہ ناپسند ہو

بہتر طریقہ یہی ہے کہ تعدد (کئی بیوی) کو اختیار نہ کیا جائے ایک ہی پر قناعت کی جائے اگرچہ ناپسند ہو۔

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسَى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا. (نساء)

اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شئی کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دی ہو[1]

پہلی بیوی کی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کرنا

بعض لوگ محض اتنی بات پر کہ اولاد نہیں ہوتی دوسرا نکاح کر لیتے ہیں، حالانکہ دوسرا نکاح کرنا اس زمانہ میں اکثر حالات میں زیادتی ہے کیونکہ شرعی قانون یہ ہے: ''فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً '' کہ اگر متعدد بیویوں میں عدل نہ ہو سکنے کا اندیشہ ہو تو صرف ایک عورت سے نکاح کرو۔

اور ظاہر ہے کہ آج کل طبیعتوں کی خصوصیات سے عدل ہو نہیں سکتا ہم نے تو کسی مولوی کو بھی نہیں دیکھا جو دو بیویوں میں پورا پورا عدل کرتا ہو، دنیا دار تو کیا کریں گے، بس ہوتا یہ ہے کہ دوسرا نکاح کر کے پہلی کو معلق چھوڑ دیتے ہیں، جس کی وجہ

[1] اصلاح انقلاب، ص: ۸۵

یہ ہے کہ آج کل طبیعتوں میں انصاف و رحم کا مادہ بہت کم ہے تو آج کل کے حالات کے اعتبار سے تو عدل قریب قریب قدرت سے خارج ہے، پھر جس غرض کے لیے دوسرا نکاح کیا جاتا ہے اس کا کیا بھروسہ ہے کہ دوسرے نکاح سے وہ (اولاد) حاصل ہو ہی جائے گی، ممکن ہے کہ اس سے بھی اولاد نہ ہو تو پھر کیا کرلو گے، بلکہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بانجھ سمجھ کر دوسرا نکاح کیا اور نکاح کے بعد ہی پہلی بیوی کے اولاد ہوگئی تو خواہ مخواہ ایک محتمل امر کیلئے اپنے کو عدل کی مصیبت میں گرفتار کرنا اچھا نہیں اور جو عدل نہ ہوسکا تو پھر دنیا و آخرت کی مصیبت سر پر رہی۔

لوگ زیادہ تر اولاد کی تمنا کے لیے ایسا کرتے ہیں اور اولاد کی تمنا اس لیے ہوتی ہے کہ نام باقی رہے، تو نام کی حقیقت سن لیجئے کہ ایک مجمع میں جاکر ذرا لوگوں سے پوچھئے تو پردادا کا نام بہتوں کو نہ معلوم ہوگا، جب خود اولاد ہی کو پردادا کا نام نہیں معلوم تو دوسروں کو خاک معلوم ہوگا، تو بتلایئے نام کہاں رہا، اولاد سے نام نہیں چلا کرتا بلکہ اولاد نالائق ہوئی تو الٹی بدنامی ہوتی ہے، اور اگر نام چلا بھی تو نام چلنا کیا چیز ہے جس کی تمنا کی جائے ....دنیا کی حالت کو دیکھ کر تسلی کرلیا کریں کہ جن کے اولاد ہے وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہیں اور اگر اس سے بھی تسلی نہ ہو تو یہ سمجھ لے کہ جو خدا کو منظور ہے وہی میرے واسطے خیر ہے، نہ معلوم اولاد ہوتی تو کیسی ہوتی اور اگر یہ بھی نہ کرسکے تو کم از کم یہ تو سمجھے کہ اولاد نہ ہونے میں بیوی کی کیا خطاء ہے۔[1]

[1] حقوق الزوجین، ص: ۳۸۔ وعظ حقوق البیت۔

فصل (۵)

دو بیویوں کے حقوق اور عدل وانصاف سے متعلق ضروری مسائل

دوسرا نکاح کرنے کا حکم

بلاضرورت دوسری زوجہ سے نکاح نہ کرے اگرچہ عدل (انصاف) کی امید ہو، کیونکہ اس زمانہ میں دوسرا نکاح کرنے میں اکثر حالات میں زیادتی ہے اور اگر اس خیال سے (دوسرے نکاح کو) ترک کردے گا کہ پہلی بیوی کو غم نہ ہو تو ثواب ہوگا[1]

اور اگر عدل (انصاف) کی امید نہ ہو تب تو دوسرا نکاح کرنا بالکل گناہ ہے۔

''**فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً**''۔

ترجمہ: پس اگر تم کو اندیشہ ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرو[2]

عدل واجب ومستحب کے حدود اور تبرعات میں عدل کا حکم

مسئلہ (۱) نفقد دینے اور بغرض تالیف وانس (یعنی دل جوئی کے لیے) رات گزارنے میں عدل (دونوں بیویوں میں انصاف اور برابری کرنا) واجب ہے اور ہم بستری میں نہیں۔

مسئلہ (۲) لیکن اگر ہم بستری، بوس کنار وغیرہ میں برابری کرے تو مستحب ہے گو واجب نہیں۔

---

[1] عالمگیری [2] حقوق البیت، ص: ۳۸۔

مسئلہ (۳) اور واجب نہ ہونا اس وقت تو متفق علیہ ہے جب کہ رغبت اور نشاط نہ ہو اس صورت میں معذور ہوگا لیکن اگر رغبت و نشاط ہے گو دوسرے کی طرف زیادہ ہے اور اس کی طرف کم ہے تو اس صورت میں ایک قول یہ ہے کہ اس میں بھی برابری واجب ہے۔[1]

مسئلہ (۴) باقی تبرعات وتحائف (یعنی زائد لین دین اور ہدیئے تحفے جوڑے وغیرہ جو لازم نہیں ہیں ان) میں بھی عدل (برابری) کرنا واجب ہے، حنفیہ کا یہی قول ہے۔[2]

حنفیہ کے یہاں زوجین (میاں بیوی) میں تبرعات (کسی کے ساتھ احسان کرنے) میں عدل واجب ہے اور دوسرے علماء کے نزدیک صرف واجبات (نفقۂ واجبہ وغیرہ) میں عدل واجب ہے، حنفیہ کے یہاں اس میں تنگی ہے۔[3]

ابن بطال مالکیؒ نے بحثاً (پورے وثوق سے) غیر واجب کہا ہے (لیکن) ابن بطال کا استدلال مخدوش ہے اور ظاہر اطلاقِ دلائل سے وجوب ہی (معلوم ہوتا) ہے۔[4]

سفر میں لے جانے میں مساوات

مسئلہ (۵) شب باشی (رات گزارنے) میں برابر کرنے کا حکم حضر میں ہے، (یعنی وطن یا اقامت کی حالت میں) اور سفر میں اختیار ہے جس کو چاہے ساتھ لے جائے، لیکن شکایت ختم کرنے کے لیے قرعہ ڈال لینا افضل ہے، اور حالت قیام کا حکم مثل حضر کے حکم کے ہوگا۔

مسئلہ (۶) یہ شب باشی (رات گزارنے) کی برابری اس شخص کے لیے ہے جو رات میں خالی ہو، اور جس کی نوکری ہو جیسے چوکی دار وغیرہ تو اس کا دن رات کے حکم میں ہے۔[5]

---

[1] شامی [2] اصلاح انقلاب: ج ۲، ص ۱۴۷ [3] حسن العزیز، ج: ۳، ص: ۱۲۸۔
[4] اصلاح انقلاب، ج: ۲، ص: ۱۴۶ [5] درمختار۔

ہر بیوی کو علیحدہ مکان دینا واجب ہے

مسئلہ :(۷) مکان میں جو برابری واجب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو علیحدہ گھر دینا چاہئے جبراً دونوں کو ایک گھر میں رکھنا جائز نہیں، البتہ دونوں رضامند ہوں تو ان کی رضامندی تک جائز ہے۔

مسئلہ (۸) جس شخص پر رات میں عدل کرنا واجب ہے، ایک کی شب (یعنی رات کی باری) میں دوسری کو شریک کرنا درست نہیں، یعنی ایک کی شب میں دوسری کے پاس نہ جائے۔

مسئلہ (۹) یہ بھی درست نہیں کہ ایک کے پاس مغرب بعد جائے اور دوسری کے پاس عشاء کے بعد بلکہ اس میں بھی برابری ہونا چاہئے [۱]

مسئلہ (۱۰) اسی طرح ایک شب میں دونوں جگہ تھوڑا تھوڑا رہنا درست نہیں ۔(اشعۃ اللمعات)

مسئلہ (۱۱) لیکن ان تین ۹۔۱۰۔۱۱ مسئلوں میں اگر (ایک بیوی کی) اجازت ورضامندی ہو تو درست ہے۔

مسئلہ (۱۲) اور جس طرح رضامندی سے تھوڑی تھوڑی رات دونوں کے پاس رہنا درست ہے، اسی طرح اگر دونوں کی باری کا دور ختم کر کے ایسا کرے اور پھر جس طرح چاہے باری مقرر کرے یہ بھی درست ہے [۲]

مسئلہ (۱۳) دن کے آنے جانے میں برابری واجب نہیں بلکہ تھوڑی دیر کے لیے ہو آنا بھی کافی ہے۔

مسئلہ (۱۴) یا کسی ضرورت سے صرف ایک ہی جگہ (یعنی ایک ہی بیوی کے پاس) جائے تب بھی درست ہے۔

---

۱ شامی۔ ۲ شامی۔

مسئلہ (۱۵) اس روز جس کی باری نہ ہو اس سے دن کو صحبت درست نہیں۔

مسئلہ (۱۶) باری کی مقدار مقرر کرنا مردوں کی رائے پر ہے لیکن وہ مقدار اتنی طویل نہ ہو کہ دوسری بیوی کو انتظار سے تکلیف ہونے لگے، مثلاً ایک ایک سال۔[1]

مسئلہ (۱۷) اگر بیماری کی وجہ سے اک ہی گھر میں زیادہ رہا تو صحت کے بعد اتنے ہی روز دوسری کے گھر رہنا چاہئے۔[2]

مسئلہ (۱۸) اسی طرح اگر ایک بیوی سخت بیمار ہوگئی ہو تو اس کی ضرورت سے اس کے گھر رہنے میں مضائقہ نہیں، اور ان ایام کی بھی قضاء ضروری معلوم ہوتی ہے۔[3]

مسئلہ (۱۹) ایک منکوحہ کو اپنی باری دوسری کو ہبہ کر دینا درست ہے پھر جب چاہے واپس لے سکتی ہے۔[4]

---

[1] شامی [2] شامی [3] عالمگیری [4] اصلاح انقلاب، ج:۲ص:۱۴۷۔

(فصل ۶)

دو بیویوں میں نباہ کا طریقہ اور ضروری دستور العمل

شوہر کے لیے دستور العمل

(۱) ایک بیوی کا راز دوسری سے نہ کہے۔

(۲) دونوں کا کھانا اور دونوں کا رہنا الگ الگ رکھے، ان کا اجتماع آگ اور بارود کے اجتماع سے کم نہیں۔

(۳) ایک (بیوی) سے دوسری (بیوی) کی شکایت ہرگز نہ سنے۔

(۴) ایک کی تعریف دوسرے سے نہ کرے۔

(۵) غرض ایک کا تذکرہ نہ دوسری سے کرے نہ دوسری سے سنے، اگر ایک شروع بھی کرے فوراً روک دے کہ اور کچھ بات کرو۔

(۶) اگر ایک دوسرے کی کوئی بات پوچھے ہرگز نہ بتلائے، لیکن سختی نہ کرے نرمی سے منع کر دے۔

(۷) لینے دینے میں یہ شبہہ نہ ہونے دے کہ ایک کو زیادہ دے دیا ہو بلکہ اس کو صاف صاف ظاہر کر دے۔

(۸) باہر سے آنے والی عورتوں کو سختی سے روکے کہ وہ دوسری جگہ کی حکایت یا شکایت بیان نہ کریں۔

(۹) اور نہ خوشامد میں ایک کے ساتھ کم محبتی کا دعویٰ دوسری کے سامنے کرے۔

(۱۰) اگر موقع ہو تو ایک سے ایسی روایت کر دے کہ دوسری تمہاری تعریف کرتی تھی۔

(۱۱) لطف (نرمی) سے اس کی تدبیر ہو سکے تو مفید ہے کہ ایک دوسرے کے پاس ہدیہ وغیرہ بھی بھیجا کریں۔

پہلی بیوی کے لیے ضروری دستور العمل

(۱) جدیدہ (نئی بیوی) پر حسد نہ کرے۔

(۲) اس پر طعن و تشنیع نہ کرے۔

(۳) بہ تکلف نئی بیوی کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے تاکہ اگر اس کے دل میں محبت نہ ہو تو عداوت بھی نہ ہو۔

(۴) شوہر سے کوئی ایسی بے تکلف گفتگو نہ کرے کہ شوہر کو اس جدیدہ (نئی بیوی) کے سامنے اس کا ہونا اس لیے ناگوار ہو کہ اس کو یہ احتمال ہو کہ یہ جدیدہ بھی ایسی بے تمیزی (بے ادبی) نہ سیکھے۔

(۵) شوہر سے نئی کا کوئی عیب بیان نہ کرے کہ کوئی شخص اپنے محبوب کی عیب گوئی خصوصاً رقیب کی زبان سے پسند نہیں کرتا (اس میں خود پہلی بیوی کا نقصان ہے)

(۶) جدیدہ (نئی بیوی) سے ایسا برتاؤ رکھے کہ اس کی زبان اس قدیمہ (پہلی) کے سامنے ہمیشہ بند رہے۔

(۷) شوہر کی اطاعت و خدمت و ادب میں پہلے سے اور زیادتی کر دے تاکہ اس کے دل سے نہ اتر جائے۔

(۸) اگر شوہر سے ادائے حقوق میں کچھ کمی ہو جائے تو جو کمی حد تکلیف تک نہ پہونچے اس کو زبان پر نہ لائے، اور اگر حد تکلیف تک ہو تو جس وقت مزاج خوش دیکھے ادب سے عرض کر دے۔

(۹) جدیدہ کے رشتہ داروں سے خوش اخلاقی و مدارات اور حسن سلوک کا برتاؤ رکھے کہ جدیدہ کے دل میں جگہ ہو۔

(۱۰) کبھی کبھار اپنا دن (شوہر کے پاس رہنے کی باری) جدیدہ کو دیدیا کرے تاکہ شوہر کے دل میں قدر بڑھے۔

نئی بیوی کے لیے ضروری دستورالعمل

(۱) قدیمہ (پہلی بیوی) کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے جیسے اپنے بڑوں کے ساتھ کیا کرتی ہے۔

(۲) شوہر پر زیادہ ناز نہ کرے اس گمان سے کہ میں زیادہ محبوب ہوں (بلکہ) خوب سمجھ لے کہ قدیمہ (پہلی) سے جو تعلقات رفاقت ہیں جو کہ دل میں جاگزیں ہو چکے ہیں یہ نفسانی جوش اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

(۳) شوہر سے خود علیحدہ رہنے سہنے کی درخواست نہ کرے۔

(۴) اگر شوہر علیحدہ رکھنے لگے تب بھی کبھی کبھی قدیمہ (پہلی) سے ملنے جایا کرے اور قدیمہ کو دعوت وغیرہ کے لئے کبھی کبھی بلایا کرے۔

(۵) شوہر کو سمجھاتی رہے کہ قدیمہ سے بے پروائی نہ کرے۔

(۶) اگر قدیمہ کچھ سختی یا طعن وغیرہ کرے تو اس کو ایک درجہ میں معذور سمجھ کر معاف کردے اور شوہر سے ہرگز شکایت نہ کرے۔

(۷) قدیمہ کے رشتہ داروں کی خوب خدمت کرے۔

(۸) قدیمہ کی اولاد سے بالخصوص ایسا معاملہ رکھے کہ قدیمہ کے دل میں اس کی محبت وقدر ہو جائے۔

(۹) ضروری امور میں قدیمہ سے مشورہ کرتی رہے کہ اس کے دل میں قدر بھی ہو، اور اس کو تجربہ بھی زیادہ ہے۔

(۱۰) اگر اپنے میکہ جائے تو قدیمہ سے خط وکتابت بھی رکھے۔ (آج کل موبائل سے رابطہ رکھے)۔ (اصلاح انقلاب، ج:۲، ص:۹۸، ۹۹)

عقد ثانی کی وجہ سے سخت الجھنیں اور پریشانیاں

مولانا عبدالماجد صاحبؒ کی تحریر

مولانا عبدالماجد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

............معاملہ یہ تھا کہ میں نے اپنے ایک مرحوم دوست کی صاحبِ اولاد بیوہ سے اکتوبر ۳۰ء میں اپنی عمر کے ۳۸ ویں سال میں عقد کرلیا تھا، پہلی بیوی سے پوری طرح گفتگو و مشورہ کے بعد، لیکن عقد کے بعد نباہ آسان نہ معلوم ہوا، اور اندازہ و توقع کے خلاف طرح طرح کی سخت پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں، آخر میں حضرت (حکیم الامت حضرت تھانویؒ) سے رجوع کیا، جو خود بھی صاحب تجربہ تھے، آگے حضرت کا جواب ملاحظہ ہو:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا جواب

از اشرف علی غفرلہ

مکرمی محترمی دام لطفہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

داستانِ غم سنی، طبعاً دل دُکھا، دو وجہ سے ایک آپ کی کلفت سے مگر وہ چونکہ اختیاری تھی، اس لیے کم دل دُکھا، دوسرے اہل خانہ کی کلفت سے اور وہ چونکہ غیر اختیاری تھی اس سے زیادہ دل دُکھا، یہ تو اظہار تھا اس اثر کا جو میرے قلب پر ہوا، جو کہ آپ کا اس خط سے مقصود بھی نہیں، اب میں اس جزو کی طرف رجوع کرتا ہوں جو خط سے آپ کا مقصود ہے، یعنی اس معاملہ کے متعلق اجزاء مشورہ طلب میں رائے ظاہر کرنا۔

میری رائے میں اس خط میں جتنے اجزاء لکھے ہیں، سب مناسب ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو نافع فرمادے، اگر اس پر مزید مطلوب ہو، مولانا (مراد: مولانا حسین احمد صاحب ہیں جن کا خط تمام تر مبارکباد ہی کا آیا تھا) کا خط کافی اور جامع ہے اور جو اس سے بھی

زیادہ توضیح مقصود ہو، گو حاجت نہیں لیکن اس بناء پر کہ شاید مجھ کو اس معاملہ کا زیادہ تجربہ ہے، مجھ سے اس کی درخواست کرنا زیادہ بے محل بھی نہیں اور اس کا درجہ مولانا کی تحریر کے سامنے ایسا ہوگا جیسے دواؤں کی خاصیت تو طبیب زیادہ جانتا ہے جس سے پنساری کے علم کو کوئی نسبت نہیں لیکن خود دواؤں کو پنساری زیادہ پہنچانتا ہے جو کہ پنساری کے لیے نہ کمال ہے نہ طبیب کے لیے کچھ نقص ہے، اس کے متعلق جو میں عرض کروں گا اس کا یہی درجہ ہوگا اس معروض کے چند اجزاء ہیں۔

جس کی دو بیویاں ہوں اس کے لیے ضروری دستور العمل

چند اہم اور مفید مشورے

(۱) قدیمہ (پہلی بیوی) سے کہئے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے تمہارے مشورہ سے کیا ہے اگر تم روک دیتیں، ممکن ہے میں ایسا نہ کرتا۔

(۲) اب ہو چکنے کے بعد آخر کیا چاہتی ہو؟ کیا اس کو چھوڑ دوں؟ مگر اس کے ساتھ ہی دو باتوں پر نظر کر لی جائے، ایک یہ کہ کیا بلا وجہ ایسا کرنا عند اللہ مبغوض نہ ہوگا، اور کیا عرفاً ایسا کرنا بدنامی کا سبب نہ ہوگا؟ کیونکہ خاندانی لوگوں کے لیے ایسا کرنا سخت معیوب سمجھا جاتا ہے، پھر ہمیشہ کے لیے خاندان کے سب لوگوں کے لیے دقت کا سامنا نہ ہوگا، سب کا اعتبار جاتا رہے گا، جہاں بھی پیام بھیجا جائے گا یہ جواب ملے گا کہ جس خاندان کے بڑوں نے ایسا کیا چھوٹوں کا کیا اعتبار، تو ان کے رشتے ناطے مشکل ہو جاویں گے۔

دوسری بات یہ ہے اس کے چھوڑ دینے کے بعد اگر خواہش نفس کا تقاضا ہوا جو کہ بس سے باہر ہے اور تمہارے معاملہ میں احتیاط کو ضروری کہا گیا ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ تو پھر یہی صورت ہوگی جس سے فرار ہوا، یا خدا نہ کرے کسی معصیت میں ابتلا ہوگا، جس کو کوئی گوارا نہیں کر سکتا، اس سوال کا ان سے نرمی کے ساتھ جواب لینا چاہئے

امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ چھوڑنے کو گوارہ نہ کریں گی، اور آپ کی آمادگی دیکھ کر ان کا غم ہلکا ہوجائے گا۔

(۳) قدیمہ (پہلی بیوی) کی دلجوئی پہلے سے زیادہ رکھئے، اور مناسب موقع پر بطور خوش طبعی کے یہ جتلا دیجئے کہ دیکھو دوسرے عقد سے تمہارا یہ فائدہ ہوا کہ تمہاری خاطر زیادہ ہونے لگی اور پہلے جو کبھی کبھار غصہ کر لیتا تھا اب وہ بھی نہ رہا تو تمہارا نفع ہوا یا نقصان؟

(۴) جدیدہ (دوسری بیوی) سے خفیہ اجازت لے کر ضرورت اور مصلحت سمجھا کر انتظام خانہ داری قدیمہ کے ہاتھ میں رکھئے، لیکن جدیدہ سے یہ کہنا بھی ضروری ہوگا کہ جدا خرچ لینا تمہارا حق ہے جب اس حق کو حاصل کرنا چاہو بے تکلف کہہ دو، اس کے بعد اگر کبھی انہوں نے اپنے حق کا مطالبہ کیا تو دینا پڑے گا، لیکن اگر ایسا ہوا، مدتوں بعد ہوگا اور اس انتظام کے اطالتِ عمر میں اس سے زیادہ اعانت ہوگی کہ جدیدہ کا کچھ نقد ماہوار مقرر کر دیجئے کہ پھر آپ اس کا ان سے حساب نہ لیں۔

(۵) کوئی وقت گو تھوڑا ہی سا ہو ایسا متعین کر لیجئے جس میں دونوں کو بیٹھ کر اولیاء کے تذکرے کسی کتاب سے سنایا کیجئے اس سے اخلاق پر خاص اثر پڑتا ہے، اور درمیان درمیان میں دونوں سے کچھ مزاح ولطف کی ایسی باتیں کرتے رہا کیجئے جس سے وہ دونوں بھی باہم بے تکلف ہوجاویں، اس کو قلق کی کمی میں خاص دخل ہے۔

دوسری غرض آپ نے یہ لکھی ہے کہ کوئی تعویذ وغیرہ دیا جائے، ملفوف ہے، گلے میں ایسے طور پر ڈالا جاوے کہ قلب پر پڑا رہے، اللہ تعالیٰ نافع فرماوے اور اگر پانچوں نمازوں کے بعد یَا بَاسِطُ سو بار پڑھ کر قلب پر دم کر لیا کریں مزید نفع کی توقع ہے۔

ملامتِ خلق کی حکایت جو تحریر فرمائی ہے، یہ اسی جہاد میں داخل ہے جس کا مولانا نے تذکرہ کیا ہے۔

دو بیویوں کے درمیان کن کن چیزوں میں عدل و برابری واجب ہے؟

جس مسئلہ کے متعلق رائے تحریر کی ہے اس کا فیصلہ اگر نہ ہو چکتا تو ضرورت تھی ہم لوگوں کی نظر و فکر کی، مگر جو حضرات کتاب و سنت کو ہم سے زیادہ سمجھتے تھے وہ اس کو طے کر چکے ہیں، وہ یہ ہے کہ صرف دو چیزوں میں عدل واجب ہے خواہ ان چیزوں کا کوئی درجہ مستحب ہو۔ لیکن اگر ایک کے ساتھ اس مستحب کا برتاؤ کیا جاوے تو دوسری جگہ بھی واجب ہے ایک شب باشی اس میں اختیار ہے کہ مضاجعت ہو یا نہ ہو، مباضعت (یعنی مباشرت صحبت وغیرہ) ہو، یا نہ ہو، دوسری چیز انفاق (یعنی خرچ کرنا اور خرچ دینا) ایک کو جو چیز دی جاوے خواہ نقد، خواہ کھانا، خواہ کپڑا خواہ واجب کے اندر ہو یا واجب سے گذر کر مستحب کے درجہ میں ہو، اس میں بھی عدل واجب ہے۔ باقی دوسرے امور میں جیسے وہ معاملات جن کا برتاؤ حضرت عائشہؓ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، اس میں مساوات واجب نہیں، ان پر شب باشی و انفاق کو قیاس نہیں کیا جا سکتا پھر عقلاً بھی مناسب حال کا کوئی ایسا معیار نہیں جو صاحب معاملہ پر حجت ہو، بس تو اس کی دل شکنی ضرور ہوگی۔[1]

---

[1] میں نے اپنے عریضہ میں لکھا تھا کہ حکم قرآنی، عدل کی جو تفسیر مساوات سے کی گئی ہے یہ نظر ثانی کی محتاج ہے، دل کو لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ عدل کی تفسیر ہر بیوی کے ساتھ اس کے مناسب حال برتاؤ سے کی جائے یعنی ایسا برتاؤ جو اس کے سن، سیرت و عادات وغیرہ کے لحاظ سے مناسب ہو، مکتوب گرامی کی آخری سطروں میں میرے اسی معروضہ کا جواب ہے۔

عقدِ ثانی کے بعد پریشانیوں کا سلسلہ اور دونوں بیویوں کے درمیان عدل ومساوات کا اہم مسئلہ

مولانا عبدالماجد صاحب حضرت تھانویؒ کی خدمت میں:

یہ تو قرآن مجید کی تصریح ہے کہ اگر عدل نہ کرسکنے کا اندیشہ ہو، تو ایک ہی بیوی کرو، دوسری نہ کرو، لیکن اگر کر چکنے کے بعد یہ تجربہ ہو کہ عدل پر قدرت نہیں، تو اب کیا حکم ہے، یہی کہ طلاق دے دی جائے، یا کچھ اور؟ (۱)

یہ تو عمومی اور اصولی استثناء تھا، اب اپنی آپ بیتی مختصراً عرض ہے کہ یہ جدیدہ جب سے آئی ہیں، میرے لیے مطبوع کبھی نہیں رہی ہیں، اور جب سے تنہا ان ہی کا ساتھ ہے (قدیمہ اپنے مائکہ گئی ہوئی ہیں) اس وقت سے بے رغبتی ان کی جانب بجائے گھٹنے کے اور بڑھ ہی گئی ہے، رات کا پوار اور دن کا بھی خاصہ وقت انہیں دیتا ہوں، پھر بھی گفتگو کی نوبت بھی بہت ہی کم آتی ہے، پھر اگر دل پر جبر کر کے ان کی طرف توجہ والتفات بڑھاؤں بھی تو ان بیچاری قدیمہ کے مرضِ اختلاج وغیرہ کے بڑھ جانے ہی کا نہیں بلکہ خطرناک صورت اختیار کر لینے کا اندیشہ ہے، اس صورت حال پر مستزاد یہ کہ میری والدہ ماجدہ اور دوسرے اہل خاندان کوئی بھی ان جدیدہ کے آنے سے خوش نہیں، تو علاوہ مسئلہ کے شرعی پہلو کے جناب والا جیسے صاحبِ تجربہ وفطرت شناس بزرگ کے مشورہ وہدایت سے بھی مستفید ہونا چاہتا ہوں۔ (۲)

ایک اور شبہہ بھی اسی سلسلہ میں عرض کر دوں، آپ کی زبان سے سنا تھا اور فقہ کی کتابوں میں بھی دیکھا تھا کہ نفقہ کی حد تک دونوں بیویوں کو بالکل برابر رکھنا چاہئے، لیکن بحر الرائق شرح کنز اور رد المحتار شرح در المختار دونوں میں یہ عبارت بھی نظر سے گذری کہ **والحق انہ علی قول من اعتبر حال الرجل وحدہ فی النفقة**

واما علی القول المفتی به من اعتبار حالهما وإلا فان أحدهما قد تكون غنية والاخرى فقيرة فلا يلزم التسوية ببيهما مطلقاً فی النفقة ۔اس کا مفہوم میں تو یہ سمجھا کہ قول مفتی بہ یہ ہے کہ دونوں بیویوں کی حالت پر،نفقہ کے بارہ میں نظر کی جائے گی اور مطلق مساوات ضروری نہ رہے گی،اگر میں مطلب غلط سمجھا ہوں تو اس کی اصلاح فرمادی جائے۔(۳)

جواب فقیہانہ حکیمانہ دونوں پہلوؤں کو لیے ہوئے آیا،فقیہانہ بہت مفصل

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا جواب

(۱) اس مین تفصیل ہے کہ جس کا حق ادا نہ کر سکے اس سے بہ رفق ولطف پوچھ لے کہ میں تمہارا حق ادا نہیں کرسکتا،اب آگے دوراہ ہیں،غور کر کے ایک راہ کو ترجیح دے لو،ایک راہ یہ ہے کہ اپنے سب حقوق سے دست بردار ہو جاؤ،اور معاف کردو،اور نکاح میں رہو(اس میں بھی دوطریق ہیں،ایک یہ کہ نفقہ جاری رہے،دوسرے حقوق معاف کرالے)اور اگر اس حالت میں نکاح میں نہیں رہنا چاہتی ہو،تو مہر کے ادا یا اِبراء (معافی) کے بعد تم کو طلاق دے دوں اور اس کے ساتھ ہی اس مسئلہ کی بھی اطلاع کردی جائے کہ اگر تم معافی حقوق کی شق اختیار کرو تو آئندہ اس سے رجوع کر لینے کا بھی تم کو حق ہے مگر جب رجوع کرو،مجھ کو اطلاع کردو،پھر اس وقت بھی میں تم کو ان ہی دونوں شقوں کا اختیار دوں گا۔

(۲) ان سب حالات وجزئیات کو پڑھ کر بھی تفصیل مذکور سے زائد کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی انشاءاللہ تعالیٰ کافی ووافی ہے آگے مسئلہ کی تحقیق مذکور ہے۔

(۳) الجواب:میں نے یہ روایت آج ہی دیکھی مگر دیکھنے کے بعد رائے سابق نہیں بدلی،وجہ خدشہ یہ ہے کہ اوّل تو یہ مسئلہ اپنی اصل سے باب القسم یعنی العدل کا نہیں باب النفقہ کا ہے،جس میں زوجہ کے یسار واعسار کی بحث بہ مقابلہ زوج کے ہے،جس پر

نفقہ کی مؤنت (بار) ہے زوجہ کا حق اور زوج کی مؤنت دونوں پر نظر کر کے یہ بحث پیدا ہوگئی، آگے اس پر باب القسم کے جزئیہ کو قیاس کرلیا گیا اور قیاس کرنے والے بھی نہ مجتہدین ہیں نہ مــرجـحیـن ۔تو خود اصل مسئلہ قیاسی کہ ظنی ہے پھر اس قیاس پر قیاس کرنے سے جو حاصل ہوگا وہ اصل سے بھی ضعیف ہوکر اضعف ہوجاوے گا، خصوص جب قائس بھی ضعیف ہو، پھر خود صحت قیاس کی ایک فارق کی وجہ سے متکلم فیہ بھی ہے، اور فارق یہ ہے کہ اصل میں مقابلہ ہے، **من علیه الحق** اور **من له الحق** کا اور ان دونوں کی بناؤں میں تساوی نہیں، اس لیے وجہ تعدیل میں اختلاف ہوسکتا ہے اگر قائل نے دونوں بناؤں کی رعایت کے طریق تجویز کرنے میں مختلف رائے قائم کی جس میں کسی کی ترجیح کسی پر لازم نہیں آتی اور یہاں مقابلہ ہے کہ ایک **مـن له الحق** کا دوسرے **من له الـحـق** سے جو بناءِ استحقاق میں مساوی ہیں، پھر باوجود تساوی فی بناءِ استحقاق محض ایک وصف خارج یعنی یسار کی وجہ سے جس کا بناءِ استحقاق پر کوئی اثر نہیں، ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا ابطال ہے، بناءِ استحقاق کا ایک وصف خارج کے سبب جو ترجیح بلا مرجح ہے، غرض قیاس کی صحت بھی ضعیف پھر قائس بھی ضعیف اور قیاس در قیاس کی وجہ سے بھی ضعف، مسئلہ میں اتنے ضعف، پھر نصوص وجوب عدل سے تعارض کیونکہ وہ نصوص اپنے اطلاق سے اس صورت کو بھی شامل کہ ایک موسرہ ہو ایک فقیرہ اور تخصیص وتقیید کی کوئی دلیل نہیں، اس لیے یہ حکم سخت مخدوش ہے، پھر دوسرے قواعد اس کو مقتضی ہیں کہ اگر اس حکم پر عمل بھی کیا جائے تو زوج کی رائے پر اس کا مدار نہ رکھا جائے گا، بلکہ قضاءِ قاضی کی حاجت ہوگی کیونکہ اس صورت میں جو فقیرہ کی طرف سے نزاع ہوگا کہ وہ دوسرے قول کو لینا چاہے گی، اس کا قاطع صرف قضاءِ قاضی ہوسکتا ہے اور عجب نہیں کہ اسی احتمال نزاع کی بنا پر اصل مسئلہ میں بھی قضاءِ قاضی شرط ہو، گو میں نے منقول نہیں دیکھا، شاید تلاش سے مل جاوے لیکن اگر کسی مفتی کو اس قول میں شرح صدر ہوجائے اور عامی کو بھی اس کے فتوی میں شرح صدر ہوجاوے تو افتاء اور اخذ جائز ہے۔ اشرف علی

مولانا عبدالماجدؒ کی رائے

اس عامی کا اپنا خیال یہ تھا اور اب بھی ہے کہ شرط عدل کے سمجھنے میں بعض فقہاء کو تسامح ہوا ہے، عدل کے معنی اس سیاق میں یکسانیت یا مساوات مطلق کے نہیں بلکہ ہر ایک کے ساتھ اس مناسب حال برتاؤ کرنے کے ہیں، ایک بیوی سن رسیدہ ہے دوسری بالکل نوعمر، ایک بیوی کشمیر کی ہے جو ہندوستان کی گرمی نہیں برداشت کرسکتی، دوسری بیوی افریقہ کی ہے جس سے ہندوستان کی سردی نہیں برداشت ہوتی، ایک ٹھیٹھ دیہاتن ہے دوسری خالص شہری اس قسم کی تمام صورتوں میں ظاہر اور بالکل ظاہر ہے کہ ایک بیوی کی ضرورتیں اور دلچسپیاں دوسری سے بالکل الگ ہوں گی، اور دونوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جانا، مثال عدل کی نہیں ظلم کی پیش کرے گا، ایسی حالت میں عدل یہی ہے کہ ہر ایک کے ساتھ اسی کے حال و مذاق کی رعایت سے برتاؤ کیا جائے اور نفقہ بھی ایک حد تک اسی کلیہ کے تحت میں آ جاتا ہے، بڑی خوشی اس کی ہوئی کہ اس خیال کی تائید بحر الرائق اور ردالمحتار سے مل گئی، مولانا اس کے بعد بھی اپنی رائے پر قائم رہے، اور مسئلہ پر جو فقیہانہ موشگافیاں کیں وہ ابھی اوپر گذر چکیں۔ مولانا فقہیات میں نرے مقلد جامد اور محض جزئیات کے حافظ و ناقل نہ تھے، خود بھی فقیہ تھے حق رکھتے تھے کہ اگلے فقیہوں سے الگ ہوکر اپنی راہ نکالیں اور بڑی بات یہ کہ کبھی کبھی اس حق کو فرض سمجھ کر ادا بھی کرڈالتے تھے۔

دوسری بیوی کو طلاق دینے کے سلسلہ میں مشورہ اور حضرت تھانویؒ کا جواب

مولانا عبدالماجد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ذاتی تجربے نے چند ہی مہینوں میں بتادیا کہ دو بیویاں رکھنا اور پھر ان کے درمیان بلند اور معیاری نہیں بلکہ اوسط درجہ کا بھی توازن (انصاف) قائم رکھنا عیش پرستی نہیں، بلکہ ایک سخت مجاہدہ ہے، جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں، خیال آخری علاج، طلاق کی طرف گیا، اور ۱۴/اپریل کے عریضہ میں حضرت کو ساری روئداد غم لکھ کر مشورہ و ہدایت کا طالب ہوا، خط خاصہ مفصل تھا، یہاں اس کی بہت مختصر تلخیص درج ہورہی ہے۔

عقد ثانی کو اب چھ ماہ سے زائد ہوچکے، اس مدت میں خوب تجربے ہو لیے ان کے ساتھ مجھے موانست ہی پیدا ہوسکی نہ مناسبت، اور یہی حال ادھر سے بھی ہوگا، جزئیات لکھ لکھ کر کہاں تک آپ کا وقت خراب کروں، خلاصہ یہ کہ جب یہاں ہوتی ہیں، تو دن دن بھر گذر جاتا ہے اور معمولی بات چیت کی بھی نوبت نہیں آتی، اور اب جب کہ اپنے مائکہ میں ہیں خط و کتابت سے بھی بجائے مسرت و انشراح کے انقباض ہی بڑھتا رہتا ہے، والدہ ماجدہ اور دوسرے عزیزوں کو ان کی ذات سے جو ناگواری ہے وہ اس کے علاوہ، صورت، سیرت، فہم، سلیقہ، نسب، ہر شئے میری توقع سے فروتر ہی نکلی، بہت غور کے بعد یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ان سے علیحدگی اختیار کر کے حتی الامکان انہیں کوئی دوسرا شوہر تلاش کردوں، انہیں کوئی سزا دینا یا ان کا دل دکھانا ہرگز نہیں چاہتا، صرف اپنے لیے سبکدوشی حاصل کرنا مقصود ہے، جانتا ہوں کہ بلاضرورت طلاق کوئی پسندیدہ امر نہیں، مباحات میں ابغض (بہت ہی برا) ہے، لیکن آخر متعدد اجل صحابہ اور خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے طلاق کی مثالیں ملتی ہی ہیں، اپنی تجویز پر عمل کرنے سے قبل جناب کے ارشاد و مشورہ سے استفادہ ضروری سمجھتا ہوں۔

حکیم الامت تھانوی کا جواب

ہاں ایک پہلو تو یہ ہے، مگر اس میں ایک گہری خطرناک خرابی بھی ہے کہ اگر دوسری جگہ باہم توافق نہ ہو، خواہ کسی جانب سے کوتاہی ہو تو آپ پر الزام آوے گا، اور رحم دلی کے سبب عمر بھر اسی ضیق میں ابتلاء رہے گا کہ میں ایک یا دو مسلمان کی کلفت کا سبب بنا اور یہ ایسا ضیق ہوگا کہ اس سے نکلنا آپ کے قابو سے باہر ہوگا کیونکہ آپ منکوحہ غیر کو طلاق بھی نہیں دے سکتے، اس میں نظر ثانی کر لیجئے اور ساتھ ہی دوسرے پہلو کو پیش نظر رکھئے، اور پھر ایک کو ترجیح دیجئے، وہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ طلاق کے ساتھ یہ وعدہ کر لیجئے کہ اگر تم نکاح کرنا نہ چاہو تو تم کو مثلاً ہمیشہ دیا کروں گا، اور اگر نکاح کرنا چاہو تو نکاح کرنے تک ماہوار ایک سال تک دوں گا۔ اشرف علی

طلاق دینے کے بعد

جن صاحبہ کو میں نے آخری علاج کے طور پر (نہ کہ بطور سزا یا انتقام کے) طلاق دے دی تھی اور طلاق نامہ بڑے ٹھنڈے اور نرم الفاظ میں لکھ بھیجا تھا اور بحمد اللہ ادائے مہر ونفقہ واجبہ وغیرہ سے زائد ہی کا انتظام ہنسی خوشی کر لیا تھا، ان بچاری کی طرف سے ان کے بعض نافہم عزیزوں کی لکھی ہوئی ایک بڑی لمبی تحریر حضرت کے پاس پہنچی جس میں اس سیہ کار پر اتہام ہی اتہام (الزام ہی الزام) تھے، اب سنئے کہ حضرت نے اس تحریر سے کیا اثر لیا اور اس کے اور میرے ساتھ کیا معاملہ کیا.......................اور یہی بات تو دنیا کے بتانے کی ہے۔

لفافہ کے اندر سے اب کی ایک چھوٹا سا الگ پرچہ مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا علاوہ اس اتہام نامہ کے جو مولانا کے پاس بھیجا گیا تھا برآمد ہوا، پرزہ کا عنوان تھا ''جسارت'' پوی نقل ملاحظہ ہو:

جسارت

اگر خلافِ مذاق ہو معاف فرمائیں میں جو دوسرا پرچہ رکھتا ہوں نیت اس میں حاجت مند کی حاجت پہنچانے کی ہے اس کو کسی مناسب شکل میں پورا کرنا یہ اپنی مصلحت پر ہے، اس کو جسارت اس لیے کہا کہ شاید واقعۂ تفریق کا مجھ پر ظاہر ہونا گراں ہو، لیکن اگر مجھ پر ظاہر نہ ہوتا تب تو کبھی آپ سے بھی نہ پوچھتا، اس گرانی کے احتمال کی رعایت کرتا، لیکن ظاہر ہونے کے بعد اب یہ مجھ پر گران ہے کہ مجھ پر ظاہر ہو جانا آپ پر ظاہر نہ ہو، یہ حقوق تعلقات کے خلاف ہے، مگر اس اول احتمال پر میں اس کو جسارت سمجھتا ہوں اور عذر مذکور کے سبب قابل معافی سمجھتا ہوں، اس پرچہ کا میں نے کچھ جواب نہیں دیا کیونکہ ممکن ہے آپ کی مصلحت کے خلاف ہوتا، میں اس سے زیادہ دخل دینا نہیں چاہتا کہ افتراق کی صورت میں اگر ان کے گذارہ کے لیے کچھ مقرر کرنا سہل ہو دریغ نہ کیا جائے اور ان کو تسلی کے ساتھ اطلاع بھی دے دی جائے، آئندہ جو مصلحت ہو۔

اشرف علی

(حکیم الامت نقوش وتأثرات ص: ۱۶۷و۲۰۶)

احکام مباشرۃ

میاں بیوی کے خصوصی احکام ومسائل

افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

اس رسالہ کے مرتب کرنے کی وجہ

اسلام ایک ہمہ گیر مذہب ہے جس میں مہد سے لے کر لحد تک کی زندگی میں پیش آنے والے تمام واقعات اور اس کی ہر نقل وحرکت کے متعلق مکمل ہدایات موجود ہیں، اور ہر مسلمان اس کے مطابق زندگی گذارنے کا پابند ہے۔

شادی ہوجانے کے بعد شوہر بیوی کے خصوصی تعلقات کی اہمیت محتاج بیان نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق بیوی کے پاس جانے میں بھی ثواب ملتا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ازدواجی زندگی میں خصوصی حقوق کی ادائیگی نفل نماز سے افضل ہے لیکن یہ سب اسی وقت جب کہ اس کی ادائیگی حدود شرع میں رہ کر اسلامی آداب واحکام اور اس کے بیان کردہ اصول کے مطابق ہو، اس لیے اس نوع کے احکام سے بھی واقفیت ضروری ہے۔

بعض حضرات کو احقر نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس موضوع سے متعلق اسلامی تعلیمات موجود نہیں یا بہت ناقص ہیں، گویا اسلام نے اس سلسلہ میں کوئی رہنمائی نہیں کی، حالانکہ یہ خیال ناواقفیت پر مبنی اور سراسر غلط ہے۔

ہمارے اسلاف واکابر نے اس قسم کے احکام وآداب بھی خاص اہمیت دیتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں مستقل باب کے تحت ذکر فرمائے ہیں۔

چنانچہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے المغنی ۲۵/۷ میں، امام غزالی شافعیؒ نے احیاء العلوم ۵۱/۲ میں، ابن الحاج مالکی نے المدخل ۱۸۴/۲ میں، علامہ ابن قیم حنبلی نے زاد المعاد ۱۴۸/۳ میں، علامہ ابوسعید حنفی نے البریقہ شرح الطریقہ ص: ۱۲۱۷ میں، شاہ عبد الحق

محدث دہلویؒ حنفی نے آداب الصالحین ص:۳۸ میں، اس موضوع سے متعلق تفصیلی احکام وآداب ذکر فرمائے ہیں۔ عربی زبان میں خاص اس موضوع سے متعلق متعدد رسائل شائع ہو چکے ہیں، ''تحفۃ العروس'' کے نام سے دوضخیم رسالے اور ''آداب الخطبۃ والزفاف'' احقر کی نظر سے گذرے، انہیں رسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے احقر نے بھی اس موضوع سے متعلق ایک رسالہ مرتب کیا تھا بعد میں اکابر کے کلام میں اس موضوع سے متعلق کافی موادمل جانے کی وجہ سے اس رسالہ کی طباعت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

صوفی اقبال صاحب خلیفہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس موضوع پر جس طرح عربی زبان میں قرآن وسنت کی روشنی میں بزرگوں نے لکھا ہے اردو میں صاف صاف ایسی وضاحت کی کتب نہیں، غیر مسلموں کی کتابیں مثلاً ''کوک شاستر'' ''ہدایت نامہ خاوند''، ''ہدایت نامہ بیوی'' اور جنسیات ونفسیات کے متعلق اردو میں کئی کتابیں موجود ہیں، جن کو ضرورت مند لوگ پڑھتے ہیں لیکن ہمارے حضرات علماء کرام کی اردو میں کوئی ایسی کتاب بندہ کے علم میں نہیں............اگر چہ عربی میں بزرگوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں لیکن اردو میں ان کا ترجمہ کرنے میں خدا معلوم کیا عذر ہے''۔(سہاگ رات ص:۱۰-۱۹)

شیخ الحدیث حضرت مولانا ابراہیم صاحب پالن پوری اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''بیوی کے ساتھ ہونے والے اندرونی تعلقات و معاملات پر مشتمل کوئی اچھا رسالہ موجود نہیں، نتیجۃً جب شادی وغیرہ کا موقع آتا ہے تو غیروں کی کتابیں دیکھنا پڑتی ہیں جس میں انتہائی فحش مضامین اور اخلاق سوز باتیں ہوتی ہیں، دوستوں کا اصرار تھا کہ اس موضوع پر دینی مزاج کے مطابق کوئی رسالہ نوجوانوں کے سامنے آئے تو بہت اچھا ہے تا کہ غیروں

کی کتابیں دیکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے، اور زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے مطابق گذار سکیں، ایسے رسالہ کی ضرورت بہت ہے، اور کیا بعید کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کرنے کی جو بشارتیں دی گئی، ان میں شرکت ہو جائے''۔(تحفۃ النکاح، ص:۷)

بس اسی ضرورت اور جذبہ کے پیش نظر اس مجموعہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی اس موضوع سے متعلق متفرق چیزوں کو جمع کر دیا گیا ہے جو ماشاء اللہ دوسری تحریروں کے مقابلہ میں نہایت مہذب اور سنجیدہ نیز مقصد کے لیے کافی ہیں، اللہ پاک اس رسالہ کو امت کے لیے کافی ووافی بنائے، اور غیروں کی غیر مہذب کتابوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حررہ العبد محمد زید غفرلہ

۴؍شعبان ۱۴۱۵ھ جامعہ عربیہ ہتورا، باندہ

باب (۲۴)

احکام مباشرت

یعنی میاں بیوی کے خصوصی احکام ومسائل

فطری خواہش

آدمیوں میں قدرتی طور پر شہوت کا مادہ ہے قدرت نے اس کا محل (اور خواہش پورا کرنے کے لیے) بیوی کو بنایا ہے، اور جو خواہش مرد کے دل میں عورت کی یا عورت کے دل میں مرد کی طرف ہے وہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور اس خواہش کو نکاح کے ذریعہ پورا کرنا انسان کے دل میں سچی محبت اور پاکیزگی کے خیالات کو پیدا کرتا ہے۔

اور یہ فطری خواہش جو مرد اور عورت کے دل میں ایک دوسرے کے لیے موجود ہے اس کو گندی یا ناپاک خواہش کے نام سے منسوب کرنا سخت غلطی ہے، کیونکہ اس خواہش کو انسانی فطرت میں پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہے اور اسی نے اپنی مصلحت اور حکمت سے بعض اغراض کے لیے اس خواہش کو انسان کے نفس میں مرکوز فرمایا ہے، البتہ اس کا برا استعمال یعنی ناجائز طریقوں سے اس کا پورا کرنا بے شک انسان کو ناپاکی اور بدی کی طرف لے جانے والا ہے۔ (المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ، ص: ۲۲۵-۲۲۶)

عورت کے اندر حق تعالیٰ نے فطری طور پر ایک حیا وشرم کا ایسا وصف پیدا کیا ہے کہ عورت جب مرد سے کوئی بات کرنے لگتی ہے تو شرم کے مارے بار بار اپنی آنکھیں

جھکا لیتی ہے۔[1]

غلط فہمی کا ازالہ

فرمایا: یہ جو مشہور ہے کہ عورت کو دس حصہ زائد شہوت ہوتی ہے یہ غلط ہے، اول تو مشاہدہ، دوسرا ان کا مزاج بارد ہے، رطوبت ان میں زیادہ ہے پھر زیادتی کے کیا معنی۔[2]

بیوی کے پاس جانے میں بھی ثواب ملتا ہے

حدیث میں یہاں تک آیا ہے کہ انسان جو بیوی کے پاس (خواہش پوری کرنے) جاتا ہے اس میں بھی ثواب ملتا ہے کسی نے کہا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو اپنی خواہش کا پورا کرنا ہے، اس پر کیوں ثواب ملتا ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جواب دیا کہ اگر اپنی خواہش کو بے محل صرف کرتا تو گناہ ہوتا یا نہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا: تو جب حلال موقع میں صرف کرتا ہے تو اسے ثواب بھی ملنا چاہئے۔[3]

بیوی کے پاس کس نیت سے جانا چاہئے

''وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ'': یعنی بیوی کی قربت سے اولاد کا قصد کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مقدر فرمایا ہے۔

مسلمان کی دنیا بھی دین ہی ہے مگر یہ ضروری ہے کہ نیت کر کے اس کو دین بنانا چاہئے اس بنیاد پر مسلمان دنیادار ہو ہی نہیں سکتا......... مثلاً نکاح دنیا کا قصہ ہے اور کوئی اہل اسلام کے ساتھ خاص نہیں دین محض (خالص دین) تو وہ ہے جو اہل اسلام کے

---

[1] المصالح العقلیہ، ص:۲۹۴۔ [2] حسن العزیز ص:۱۵۸/۳۹۸۔

[3] الحیٰوۃ ملحقہ حقیقت مال وجاہ، ص:۵۰۱۔

ساتھ مخصوص ہو اور نکاح تو کافر و مسلم دونوں میں مشترک ہے۔

بظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف دنیا کا قصہ ہے مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی نیت یہ ہونا چاہئے کہ اس سے عفت محفوظ رہے اور طبیعت منتشر نہ ہو اور جمعیت خاطر کے ساتھ عبادت ہو سکے اگر اس طرح نیت کرے گا تو نکاح عبادت ہو جائے گا۔[1]

بلاضرورت ننگا ہونے و رہنے کی ممانعت

پیشاب پاخانہ مجامعت کی ضرورت شدیدۃ کے بغیر برہنہ (ننگے) مت ہو فرشتوں سے اور اللہ تعالیٰ سے شرم کرنا چاہئے۔[2]

حضرت معاویہ بن حیدۃ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کس موقع پر بدن چھپائیں اور کس موقعہ پر ویسے ہی چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: سب سے اپنے ستر کو محفوظ رکھو، سوائے بیوی یا باندی کے، انہوں نے سوال کیا کبھی آدمی تنہائی میں ہوتا ہے، آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا مناسب ہے۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ تنہائی میں بھی بلاضرورت برہنہ ہونا (یعنی بالکل ننگا ہونا) جائز نہیں، اللہ تعالیٰ سے اور فرشتوں سے شرم کرنا چاہئے۔[3]

جماع پر قدرت کے واسطے مفید عمل

حضرت حسن بصریؒ سے ذکر کیا گیا کہ فلاں شخص نے نکاح کیا مگر عورت پر قادر نہیں ہوا، آپ نے جوش دیئے ہوئے (یعنی اُبلے) انڈے منگائے اور چھیل کر ایک پر یہ آیت لکھی ''وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ'' اور مرد کو کھانے کے لیے دے دیا، اور دوسرے پر یہ آیت لکھی: وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ۔ اور

[1] الحیٰوۃ، ص: ۵۰۰، ملحقہ حقیقت وجاہ۔ [2] تعلیم الدین، ص: ۳۶۔ [3] فروع الایمان، ص: ۶۸۔

عورت کو کھانے کے لیے دے دیا، اور کہا کہ اب مطلب حاصل کرو، چنانچہ وہ کامیاب ہوا[1]

استنجاء اور جماع کے وقت قبلہ کی طرف منھ یا پیٹھ کرنا بے ادبی ہے

خانۂ کعبہ خدا تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے پس خانہ کعبہ کی تعظیم خدا تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اس میں کمی خدا تعالیٰ کی تعظیم میں کمی ہے، اس لیے خانہ کعبہ کا حج فرض ہوگیا اور اس کی تعظیم کا اس طرح حکم دیا گیا کہ صفائی اور طہارت کے بغیر اس کا طواف نہ کریں۔

نماز میں اس کے سامنے کھڑے ہوں بشری ضرورت یعنی بول و براز (پیشاب پاخانہ) اور جماع کے وقت اس کے سامنے نہ ہوں نہ اس کی طرف پشت کریں کیونکہ یہ امر بے ادبی میں داخل ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ جس سے قصداً بے ادبی سرزد ہوتی ہے اس کا دل سخت ہوجاتا ہے اور اس کی اس سخت دلی کا اثر اس کے متعلقین واقارب پر بھی سرایت کرتا ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ: خدا کے نشانوں کی تعظیم اور ادب کرنا ان لوگوں کا کام ہے، جن کے دلوں میں تقویٰ ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم جائے فراغت میں آؤ تو قبلہ کو نہ منھ کرو اور نہ اس کی طرف پشت کرو۔

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ دل کے اندر خدا کی عظمت کا ہونا چونکہ ایک باطنی امر ہے اس واسطے ظاہر میں بھی کوئی قرینہ جو دل کی تعظیم کا قائم مقام ہو پایا جانا ضروری ہے پس جب قبلہ کی طرف منھ کرنا تعظیم قلبی اور یاد الٰہی میں جمع خاطر ہونے کا قائم مقام

[1] اعمال قرآنی، ص: ۵۰۔

ٹھہرا اور قائم مقام ہونے کی شرط یہ ہے کہ یہ ہیئت تعظیم الٰہی کے لیے مخصوص رہے پس جو ہیئت نماز کی ہیئت کے بالکل منافی اور اس کی ضد ہے یعنی پیشاب پاخانہ اور جماع کی حالت تو ایسی حالتوں میں نہ قبلہ کی طرف منھ کیا جائے نہ پشت کیونکہ اس میں بےادبی ہے۔[1]

صحبت کا طریقہ

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ .

(ترجمہ وتشریح) صحبت آگے کے موقع میں ہو، (یعنی شرمگاہ میں) اور یہ حکم اس لیے ہے کہ تمہاری بیبیاں تمہارے لیے بمنزلہ کھیت کے ہیں جس میں نطفہ بجائے تخم کے اور بچہ بجائے پیداوار کے ہے (یعنی مادہ منویہ بمنزلہ بیج کے اور بچہ بمنزلہ پیداوار کے ہے) سو اپنے کھیت میں جس طرف سے ہو کر چاہو آؤ، اور جس طرح کھیتوں میں اجازت ہے اسی طرح بیبیوں کے پاس پاکی کی حالت میں ہر طرف سے آنے کی اجازت ہے (یعنی ہر طریقہ سے صحبت کرنے کی اجازت ہے) خواہ کروٹ سے ہو، یا پیچھے یا آگے بیٹھ کر ہو، یا اوپر یا نیچے لیٹ کر ہو یا جس ہیئت (طریقہ) سے ہو مگر آنا ہو ہر حال میں کھیت کے اندر کہ وہ خاص آگے کا موقع ہے، کیونکہ پیچھے کا موقع (پاخانہ کا مقام) کھیت کے مشابہ نہیں (اس لیے) اس میں صحبت نہ ہو، پیچھے کے موقع (یعنی پاخانہ کا مقام) میں اپنی بیوی سے صحبت کرنا حرام ہے۔

اور ان لذات میں ایسے مشغول مت ہو جاؤ کہ آخرت ہی کو بھول جاؤ بلکہ آئندہ کے واسطے بھی اپنے لئے کچھ اعمال صالحہ کرتے رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور یہ یقین رکھو کہ بیشک تم اللہ کے سامنے پیش ہونے والے ہو۔[2]

---

[1] المصالح العقلیہ، ص:۶۹۔ [2] بیان القرآن، سورہ بقرہ، ج:۱، ص:۱۲۹۔

شوہر بیوی کو ایک دوسرے کا ستر دیکھنے سے متعلق بعض احادیث

بیوی کا ستر دیکھنے کا نقصان

اپنے شوہر سے کسی جگہ کا پردہ نہیں ہے تم کو اس کے سامنے اور اس کو تمہارے سامنے سارے بدن کا کھولنا درست ہے مگر بے ضرورت ایسا کرنا اچھا نہیں[۱]

شوہر کے روبرو (سامنے) کسی جگہ کا بھی اخفاء (پردہ) واجب نہیں، گو حاصل بدن کو دیکھنا خلاف اولیٰ ہے۔

قالت سیدتنا ام المومنین عائشة رضی الله عنها ما محصله لم ارمنه و لم یرمنی ذلک الموضع اوده فی المشکوٰة

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ مخصوص مقام (یعنی شرمگاہ) نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا دیکھا اور نہ میں نے دیکھا[۲]

وروی.. عن ابن عباس مرفوعاً اذا جامع احدکم زوجته اوجاریته فلا ینظر الی فرجها ، فان ذلک یورث العمیٰ. قال ابن الصلاح جید الاسناد کذا فی الجامع الصغیر.

اور حضرت ابن عباس سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی یا باندی سے جماع کرے تو اس کی شرمگاہ نہ دیکھے کیونکہ یہ اندھے پن کو پیدا کرتا ہے، ابن صلاح فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد اچھی ہے، جامع صغیر میں اسی طرح ہے)[۳]

بیان القرآن سورہ نور، ج:۸، ص: ۱۶)

تنہائی میں بلاضرورت برہنہ نہ ہونا چاہئے اور بیوی کا ستر دیکھنا تو اس سے بھی

[۱] بہشتی زیور، ج:۳، ص:۴۹۔ [۲] مشکوٰۃ شریف۔ [۳] بیان القرآن: ج۸، ص۱۶۔

زیادہ شرمناک ہے بعض حکماء نے کہا ہے کہ اس حرکت سے اولاد اندھی پیدا ہوتی ہے، لیکن اگر اندھی نہ ہوتو بے حیا تو ضرور ہوتی ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس وقت خاص میں جس قسم کی اس سے حرکت ہوتی ہے اولاد کے اندر وہی خصلت پیدا ہوتی ہے، اسی واسطے حکماء نے لکھا ہے کہ انزال کے وقت اگر زوجین (میاں بیوی) کو کسی اچھے آدمی کا تصور آجائے تو بچہ نیک ہوگا اسی واسطے پہلے لوگ اپنے خلوت کے کمرے میں علماء اور حکماء کی تصویریں رکھا کرتے تھے، (لیکن اسلام نے آکر اس کو ناجائز قرار دیا)........ ہمارے پاس تو ایسی تصویر ہے کہ وہ ان تصویروں سے بے نیاز کرنے والی ہے۔

؎ دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

یعنی ہم کو چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا تصور کریں اور یہ دعاء پڑھیں ''اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا''۔

اللہ جل جلالہ سے زیادہ کون ہے کہ جس کا خیال کیا جائے، شیطان کا خیال اس وقت نہ ہونا چاہئے[1]

صحبت کے وقت دوسری عورت کا تصور کرنا حرام ہے

فرمایا: اگر اپنی بیوی کے پاس ہو اور صحبت کے وقت کسی اجنبیہ کا قصداً تصور کرے تو وہ حرام ہوگا[2]

جماع کے وقت ذکر اور دعائیں پڑھنا

بول براز و جماع یعنی پیشاب پاخانہ اور بیوی سے ہمبستری کے وقت میں زبان سے ذکر کرنے کی ممانعت ہے البتہ ذکر قلبی کی کسی حال میں بھی ممانعت نہیں، ہر وقت اجازت ہے۔

[1] التہذیب ملحقہ مفاسد گناہ ص: ۴۸۸۔ [2] ملفوظات اشرفیہ ص: ۹۷۔

اگر کوئی کہے کہ قلب سے ذکر کے کیا معنیٰ اور کیا شریعت میں اس کا کچھ ثبوت ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ حدیث نے اس اشکال کو بھی صاف کر دیا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ''کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَذْکُرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ اَحْیَانِہٖ '' کہ آپ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے، اور کل احیان (ہر وقت) میں اوقات بول و براز و قضاء حاجات (یعنی پیشاب پاخانہ اور خواہش پورا کرنے کے مواقع) بھی شامل ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر زبان سے ذکر و تلاوت مکروہ ہے پس کل احیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے احوال اور ایسے موقع میں قلب سے (دل سے) ذکر کیا کرتے تھے۔

ایسے وقت میں ذکر قلبی کا بقاء ممکن ہے، اب اس کو ذکر نہ کہنا حرمان عن البرکۃ (یعنی ذکر کی برکت سے محرومی) کا مشورہ دینا ہے، بہر حال جہاں ذکر لسانی (زبان سے ذکر) نہ ہو سکے وہاں ذکر قلبی جاری رکھے، یعنی تصور رکھے، توجہ رکھے، دھیان رکھے، (اگر اس خاص وقت کی کوئی دعاء ثابت ہو تو اس کو دل ہی دل میں پڑھے، زبان سے نہ پڑھے) پس ذکر ہر حالت میں مطلوب ہے، تو جس حالت میں جو بھی ممکن ہو کرتا رہے[1]

مخصوص دعائیں

بیوی سے پہلی مرتبہ ملاقات کی دعاء

جس وقت عورت کے ساتھ پہلی بار خلوت کرے تو چاہئے کہ اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعاء پڑھے (زبان سے)۔

[1] ضرورت تبلیغ ملحقہ دعوت وتبلیغ ص: ۲۶۶، ۱۷۱۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِھَا وَخَیْرِ مَا جَبَلْتَھَا عَلَیْہِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا وَ شَرِّ مَا جَبَلْتَھَا عَلَیْہِ

اے اللہ! میں آپ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس کی جبلی (پیدائشی عادتوں کی) بھلائی مانگتا ہوں، اور پناہ چاہتا ہوں آپ کی اس کی برائی سے اور اس کی جبلی عادتوں کی برائی سے۔

جب جماع کا ارادہ کرے

جس وقت ہمبستری کا ارادہ کرے تو یہ دعاء پڑھے (زبان سے)

اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا.

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں یا اللہ! دور رکھیئے ہم کو شیطان سے اور دور رکھیئے شیطان کو اس بچہ سے جو آپ ہم کو نصیب کریں

انزال کے وقت کی دعاء

جب وقت انزال ہونے لگے تو اپنے دل میں یہ دعاء پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ لا تَجْعَلْ لِلشَّیْطَانِ فِیْمَا رَزَقْتَنِیْ نَصِیْبًا.

(مناجات مقبول)

یا اللہ! جو بچہ آپ ہمیں نصیب کریں شیطان کے لیے اس میں کوئی حصہ نہ کرنا[1]

---

[1] مناجات مقبول۔

فصل

تقلیل جماع مجاہدہ میں داخل نہیں

صوفیہ نے تقلیل جماع (بیوی سے صحبت کم کرنے) کو مجاہدہ میں داخل نہیں کیا باوجودیکہ وہ تمام لذات میں الذ (سب سے زیادہ مزہ کی چیز) ہے مگر صوفیہ نے اس کی تقلیل کو مجاہدہ میں شمار کیا اور نہ کثرت جماع سے منع کیا ہے گو دوسری وجہ سے منع کیا ہے، مگر مجاہد کی حیثیت سے منع نہیں کیا[1]

کثرۃ جماع میں شرعا کوئی مضائقہ نہیں اور نہ ہی یہ زہد وتقویٰ کے خلاف اور باطن کو مضر ہے

دنیا میں الذ الاشیاء (یعنی سب سے زائد لذیذ شئ) جماع ہے لیکن شریعت نے نکاح کے ضمن اس کی ترغیب دی ہے، حدیث شریف میں ہے ''یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَاءَۃَ فَلْیَتَزَوَّجُ فَاِنَّھَا اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، (یعنی اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہوں اس کو چاہئے کہ نکاح کرے کیونکہ یہ نگاہوں کو پست اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے)۔

(اس حدیث میں) ترغیب نکاح سے محض شہوت کو توڑنا ہی مقصود نہیں ہے بلکہ لذت بھی مراد ہے، ورنہ شہوت کو توڑنے کی اور بھی صورتیں ہوسکتی ہیں، چنانچہ رہبانیت (یعنی عورتوں سے بالکل الگ تھلگ رہنا) ہے اختصاء (یعنی خصی بننا) اور کافور کھالینا

[1] المصالح العقلیہ، ص:۱۹۴۔

ہے۔(اس سے شہوت ٹوٹ جاتی ہے)۔

بعض صحابہؓ نے اپنے اجتہاد سے یاراہبوں کو دیکھ کر خصی بننے کی اجازت چاہی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی سے منع فرمایا۔

پھر شریعت میں عزل (یعنی بیوی سے صحبت کرنے میں عین انزال کے وقت علیحدہ ہو جانے سے تاکہ انزال باہر ہو اس) سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں پوری سیری اور مکمل لذت نہیں ہوتی، اگر نکاح سے محض کسر شہوت ہی مقصود ہوتی تو عزل پر انکار نہ کیا جاتا۔

اور گو بعض نصوص سے ترغیب نکاح سے مقصود اولاد پیدا کرنا ہے لیکن وہ خود موقوف ہے لذت پر تو مشروط کی ترغیب شرط کی ترغیب ہے، پھر نکاح کی ترغیب کے بعد کثرت جماع سے بھی شریعت نے منع نہیں کیا۔

چنانچہ کھانے کی قلت و کثرت کے لیے تو کچھ حدود حدیث میں بھی وارد ہیں کہ تہائی پیٹ کھانے میں بھرے اور تہائی پانی میں اور تہائی سانس کے لیے رکھے، مگر کثرت جماع کے لیے شریعت میں کوئی حد وارد نہیں۔

شریعت نے اس سے بحث ہی نہیں کی، یہ طبی مسئلہ ہے اس سے اطباء بحث کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کثرت جماع سے باطن کو ضرر نہیں ہوتا ورنہ شریعت اس سے بحث کرتی[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کی حالت

پھر اہل شریعت کا طرز عمل دیکھو ان میں سب سے بڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضور کی حالت یہ تھی کہ تقلیل طعام (کھانے کی کمی) تو آپ نے کی ہے لیکن تقلیل

[1] تقلیل المنام بصورۃ القیام ملحقہ برکات رمضان، ص:۴۴، ۴۵۔

جماع کا اہتمام آپ کے یہاں نہ تھا، آپ کے پاس نو بیویاں تھیں اور دو باندیاں ملا کر گیارہ کا عدد پورا ہو گیا تھا تو بعض دفعہ آپ نے ایک رات میں سب سے فراغت کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ قوۃ بھی اور لوگوں سے بہت زیادہ تھی، صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم باہم کہا کرتے تھے کہ حضور میں تیس مردوں کی قوت ہے اور بعض روایات میں چالیس بھی آیا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دی، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نو پر اکتفاء کیا یہ بھی آپ کا صبر تھا ورنہ آپ کو اپنی قوت کے موافق تیس چالیس نکاح کرنے چاہئے تھے غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت جماع سے احتراز نہیں فرمایا اگر یہ باطن کو مضر ہوتا آپ ضرور اس سے احتراز کرتے۔

پھر حضور کے بعد صحابہ کے طرز عمل کو دیکھا جائے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رمضان میں افطار کر کے عشاء کے وقت تک گیارہ عورتوں سے فارغ ہوا کرتے تھے ان میں باندیاں بھی تھیں، صحابہ کے زمانہ میں عشاء کی نماز دیر میں ہوتی تھی اس لیے ان کو کافی وقت ملتا تھا، غرض صحابہ کا کثرت جماع میں یہ عمل تھا اور عبداللہ بن عمرؓ وہ بزرگ ہیں جو اتباع سنت و زہد و عبادت میں صحابہ کے اندر ممتاز تھے ان کے طرز سے بھی معلوم ہوا کہ کثرت جماع زہد و عبادت کے خلاف نہیں اور نہ باطن کو مضر ہے، پس کثرت جماع سے ضرر کا اعتقاد رکھنا دین میں بدعت ایجاد کرنا ہے[1]

صحبت کے وقت توجہ الی اللہ ضعیف ہو جاتی ہے

جب مرد عورت سے مشغول ہوتا ہے تو طبعی نشاط کی وجہ سے اس کی طرف اس قدر توجہ ہوتی ہے کہ پھر دوسری طرف توجہ نہیں رہتی (ایسی حالت میں عادۃً) خالق سے غفلت اور مخلوق کی طرف توجہ قوی ہوتی ہے۔

الغرض مباشرت سے قوت توجہ الی اللہ ضعیف ہو جاتی ہے مگر اس میں توجہ الی اللہ

[1] برکات رمضان، ص: ۴۷۔

کا ضعیف ہونا لوازم عادیہ سے ہے (یعنی عادۃً ایسا ہوتا ہے) لوازم عقلیہ سے نہیں کہ انبیاء تک اس کو متجاوز سمجھا جائے۔

اور گو اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ کبھی اس کی اجازت نہ ہوتی مگر توالد و تناسل کی مصلحت سے اس کی اجازت ہے[1]

کھانے پینے اور مباشرت کا باہمی فرق

۱- کھانے اور مباشرت میں فرق یہ ہے کہ کھانے کے ساتھ توجہ الی اللہ باقی رہتی ہے، مگر مباشرت کے وقت توجہ الی اللہ ضعیف ہو جاتی ہے، کھانے پینے میں اتنی مستی سوار نہیں ہوتی کہ کچھ یاد نہ رہے، بلکہ دوسری طرف بھی توجہ رہنا ممکن ہے، مگر اس میں واقعی توجہ الی اللہ ضرور ضعیف ہو جاتی ہے۔

۲- اور ایک فرق اور بھی ہے وہ یہ کہ کھانا اگر کھاتے چلے جاؤ تو اسی وقت سے بےلطفی شروع ہو جائے گی۔ اور مباشرت میں گو بعد میں خشکی کی بدولت جنون تک نوبت پہنچے مگر جب تک مشغول رہے گا اس وقت لذت منقطع نہیں ہوتی، کھانے کے اندر حاجت سے تجاوز کرنے میں مانع ہے اور اس میں کوئی مانع نہیں۔

۳- کھانے پینے میں عادۃً حاجت غالب ہے اور لذت مغلوب اور مباشرت میں لذت غالب ہے اور حاجت مغلوب، مگر چونکہ کھانے پینے میں لذت بھی ایک درجہ مقصود ہے۔ اس لیے تکلفات بھی سوجھتے ہیں، اور بیوی کے پاس جانے میں عادۃً حاجت مغلوب اور لذت غالب ہے[2]

---

[1] تقلیل الاختلاط، ص:۲۷۲، برکات رمضان۔

[2] روح الجوار ملحقہ برکات رمضان، ص:۲۶۹۔

کثرت جماع میں اپنی صحت کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ قوت والا مؤمن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مومن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے[۲]

جب قوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی پیاری چیز ہے تو اس کو باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کم کرنے والی ہیں ان سے احتیاط رکھنا یہ سب مطلوب ہوگا اس میں غذا کا بہت کم کردینا، نیند کا بہت کم کردینا ہم بستری (یعنی اپنی بیوی سے صحبت کرنے) میں حد قوت سے آگے زیادتی کرنا یا ایسی چیز کھانا جس سے بیماری ہو جائے، یا بد پرہیزی کرنا جس سے بیماری بڑھ جائے (یا کمزوری اور ضعف لاحق ہو جائے) سب داخل ہو گیا ان سے بچنا چاہئے۔

ام منذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ کھجور مت کھاؤ تم کو کمزوری ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے بد پرہیز کی ممانعت معلوم ہوئی کیونکہ صحت کے واسطے مضر ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ہماری جان بھی اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو بطور امانت کے ہم کو دے رکھی ہے اس لیے اس کے حکم کے موافق اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے، اور اس کی حفاظت ایک یہ ہے کہ اس کی صحت کی حفاظت کرے، دوسرے اس کی قوت کی حفاظت کرے تیسرے اس کی جمعیت (یکسوئی) کی حفاظت کرے، یعنی اپنے اختیار سے ایسا کوئی کام نہ کرے جس میں جان میں پریشانی ہو جائے کیونکہ ان چیزوں میں خلل آ جانے سے دین کے کاموں کی ہمت نہیں رہتی، نیز دوسرے حاجت مندوں کی خدمت اور امداد نہیں کرسکتا نیز کبھی کبھی ناشکری اور بے صبری سے ایمان کھو بیٹھتا ہے[۱]

[۱] ترمذی، احمد، ابن ماجہ۔ [۲] حیٰوۃ المسلمین روح دہم، ص: ۱۱۹۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

میں اپنے دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ شہوت وغضب کے مقتضاء پر (بے موقع) عمل نہ کریں۔

پوری رغبت کے بغیر کھانا ہرگز نہ کھائیں۔

اور سخت تقاضے کے بغیر (بیوی سے) ہم بستر نہ ہوں۔

اور بلاضرورت بالکل کوئی دوا ہرگز نہ استعمال کریں۔

اور ضرورت کے وقت ماہر شفیق طبیب (ڈاکٹر) کی تجویز واجازت کے بغیر کسی قسم کی دوا ہرگز نہ استعمال کریں[1]

کثرت جماع کا نقصان

مشروع شہوت کے افراط (یعنی جائز طور سے خواہش پورا کرنے اور بیوی سے بہت زیادہ صحبت کرنے) میں بھی نقصان ہے، اس واسطے کہ افراط (زیادتی) میں طبیعت کا نشاط جاتا رہتا ہے، بزرگوں نے بھی اس سے منع کیا ہے، بہت غلو نہیں کرنا چاہئے طبیعت کے نشاط کی بہت قدر کرنا چاہئے، جب شہوت کو روکا جاتا ہے تو طبیعت میں ایک شیفتگی (بشاشت) ضرور پیدا ہو جاتی ہے، اس شیفتگی کو محفوظ رکھ کر اس سے طاعات میں کام لینا چاہئے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جس کو مرض نہ ہو اور اعتدال کے ساتھ قوت (شہویہ) بھی ہو اس کو مقویات اور دوائیں کھا کھا کر شہوانی قوتوں کو از راہ ہوس (نفس پرستی کی وجہ

[1] اشرف السوانح ۱۱۵/۳۔

سے) برانگیختہ کرنا (اور بھڑکانا) ایسا ہے جیسے سانپ بچھو خاموش پڑے تھے ان کو چھیڑنا شروع کر دیا کہ آؤ مجھے کاٹو۔ امراء (مال داروں) کو اس کا بہت شوق ہوتا ہے، میں نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ مشروع (جائز) شہوت کے (پورا کرنے میں) افراط (یعنی زیادتی کرنے) سے بھی باطن کا نقصان ہوتا ہے (اور جسمانی نقصان بھی ہوتا ہے) [1]

بیوی سے جماع کرنے کے حدود

کثرت جماع کے لیے شریعت میں تو کوئی حد وارد نہیں شریعت نے اس سے بحث ہی نہیں کی، یہ طبی مسئلہ ہے اس سے اطباء بحث کرتے ہیں۔

لیکن یہ ضرور ہے کہ کثرت جماع کے لیے ہر شخص کو اپنی قوت کا اندازہ کر لینا ضروری ہے، اسراف (زیادتی) تو ہر شئی میں مذموم ہے [2]

کتنے دنوں میں بیوی سے قریب ہونا چاہئے

بغیر سخت تقاضے کے بیوی کے پاس نہ جانا چاہئے۔

متوسط قوت (درمیانی درجہ کی طاقت رکھنے والا) مرد ایک ہفتہ میں ایک بار صحبت کرنے سے صحت محفوظ رکھ سکتا ہے، یعنی ایک ماہ میں چار بار قربت کر سکتا ہے، ....اور اس سے زیادہ میں مرد پر زیادہ تعب ہوگا اور اس میں تولید (پیدائش) کی قوت نہ رہے گی، اور یا پھر عورت کا حق ادا نہ ہوگا۔[3]

---

[1] حسن العزیز، ج:۱، ص:۴۰۶۔　[2] تقلیل المنام، ص:۴۶۔
[3] بوادر النوادر، ج:۱، ص ۸، چھٹواں غریبہ، التبلیغ، ج:۲۲، ص:۵۹۔

دواؤں کے ذریعہ قوت باہ کو بڑھانے اور ابھارنے کا نقصان

جو لوگ مشہیات (شہوت بڑھانے والی دواؤں) سے جماع کی قوت کو بڑھاتے ہیں وہ اپنی صحت برباد کرتے ہیں، اس کے لیے بھی یہی قاعدہ ہونا چاہیے کہ بغیر سخت تقاضے کے بیوی کے پاس نہ جائیں، مشہیات (شہوت ابھارنے والی دواؤں) کے استعمال کرنے سے قوت زیادہ نہیں ہوتی، ہاں استسقاء ہوجاتا ہے۔ جیسے استسقاء والا کتنا ہی پانی پی لے، مگر پیاس نہیں بجھتی، تو یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے کثرت مقاربت (صحبت کی زیادتی) سے ان کی بھی پیاس نہیں بجھتی اور یہ صحت کی دلیل نہیں بلکہ سخت مرض ہے جس کا انجام خطرناک ہے۔[1]

ضروری ہدایت، اعتدال کی ترغیب

ہر چیز کو اپنے درجہ پر رکھنا یہی بڑا کمال ہے۔ میرے نزدیک صحت کی حفاظت نہایت ضروری ہے اپنے اوپر سختی اور تعب نہ ڈالے، اس سے بعض لوگ مرض میں مبتلا ہوگئے، بعضے مجنوں ہوگئے، بعضے مرگئے، صحت وحیات کی بڑی حفاظت رکھنی چاہیے، یہ وہ چیز ہے پھر کہاں میسر۔

صحت کے سامنے لذت کیا چیز ہے تھوڑی دیر کے لیے مزا پھر سزا، نشاط طبیعت کی بہت قدر کرنا چاہیے، مشروع جائز شہوت کے افراط (یعنی پورا کرنے میں مبالغہ اور زیادتی) میں بھی نقصان ہے اس واسطے کہ نشاط جاتا رہتا ہے، بزرگوں نے اس سے بھی منع کیا ہے۔[2]

---

[1] التبلیغ تقلیل الطعام، ج:۲۲، ص:۵۹۔ [2] حسن العزیز، ج:۱، ص:۴۰۵ و ۱۲۲۔

اعتدال کا فائدہ

(اعتدال کے ساتھ) یہ امر مفید صحت، اطمینان بخش، راحت رساں، سرور افزا، کفایت آمیز دارین میں زندگی کی ترقی کا سبب ہے۔[۱]

عورت سے قضاء شہوت (اپنی خواہش پوری) کرنے کے بعد آپس میں محبت بڑھتی ہے اور مرد کی عزت عورت کی نظر میں بڑھ جاتی ہے وہ سمجھتی ہے کہ یہ مرد ہے نامرد نہیں ہے۔[۲]

کثرت جماع سے پیدا ہونے والے امراض

جماع طبی فعل ہے اور بقاء نسل کے لیے ضروری ہے مگر اس کی کثرت (زیادتی مندرجہ ذیل) اتنے امراض پیدا کرتی ہے۔

(۱) ضعف بصر (یعنی نگاہ کی کمزوری)۔ (۲) ثقل سماعت (یعنی کم سننا بہرا پن)۔ (۳) چکر، رعشہ۔ (۴) درد کمر۔ (۵) درد گردہ۔ (۶) پیشاب کی کثرت۔ (۷) ضعفِ معدہ۔ (۸) ضعفِ قلب (یعنیمعدہ اور دل کی کمزوری) خصوصاً جس کو ضعف بصر یا ضعف معدہ یا سینہ کا کوئی مرض ہو اس کو جماع (کی کثرت) نہایت مضر ہے۔[۳]

ضروری ہدایات، احتیاطی تدابیر، مناسب غذائیں

فائدہ (۱) غذا (یعنی کھانا کھانے) سے کم از کم تین گھنٹہ بعد جماع (صحبت کرنے) کا عمدہ وقت ہے۔

(۲) اور زیادہ پیٹ بھرا ہونے اور بالکل خالی ہونے اور تکان کی حالت میں مضرت رساں (نقصان دہ) ہے۔

---

۱ المصالح العقلیہ ص:۱۹۴۔ ۲ الکمال فی الدین، ص:۱۷۱۔ ۳ بہشتی گوہر، ج:۱۱، ص:۷۸۷۔

(۳) فارغ ہونے کے بعد فوراً پانی پی لینا سخت مضر ہے، خصوصاً اگر ٹھنڈا پانی ہو۔

فائدہ (۳) اگر ہمیشہ جماع کے بعد کوئی مقوی چیز جیسے دودھ یا گاجر کا حلوا یا انڈا کھالیا کریں، یا (حکیم کے مشورہ سے) ماء اللحم پی لیا کریں، اور اس بارے میں (یعنی جماع سے فارغ ہونے کے بعد غذا کے استعمال کرنے میں) سب سے عمدہ (شئے وہ) دودھ ہے جس میں سونٹھ کی ایک گانٹھ یا چھوارے اوٹائے گئے ہوں۔

(اگر ہمیشہ اس کا اہتمام کریں) اور ان تدابیر کے پابند رہیں جو ابھی ذکر ہوئیں تو ضعف کی نوبت بھی نہ آئے اور رعشہ وغیرہ کوئی مرض (جماع کی وجہ سے) پیدا نہ ہوگا۔[1]

فائدہ (۴) جس کو کثرت جماع سے نقصان پہنچا ہو وہ سردی اور گرمی سے بچے اور سونے میں مشغول ہو اور خون بڑھانے اور خشکی دور کرنے کی تدبیر کرے، مثلاً دودھ پیئے، یا گاجر کا حلوا کھائے، یا نیم برشت (آدھا کچا آدھا ابلا) انڈا استعمال کرے۔

اگر ہاتھ پیروں میں رعشہ (لرزہ، کمزوری) محسوس ہو، تو دماغ اور کمر پر بلکہ تمام بدن پر چمیلی کا تیل یا بابونہ کا تیل ملے۔

اور جس کو جماع کی وجہ سے ضعف بصارت (نگاہ کی کمزوری) ہو گیا ہو وہ دماغ پر بکثرت روغن بادام یا روغن بنفشہ یا روغن چمیلی ملے اور آنکھ پر بالائی باندھے اور گلاب ٹپکائے۔

اور رعشہ کے لیے یہ دوا ہے کہ شہد دو تولہ لے کر چاندی کے ورق تین عدد لیکر اس میں خوب حل کر کے چاٹ لیا کریں۔[2]

---

[1] بہشتی گوہر، ج:۱۱، ص:۷۸۷۔ [2] بہشتی گوہر، ج:۱۱، ص:۶۸۶۔

بعض حالات میں بیوی سے صحبت کرنے کی ضرورت

اگر کسی عورت پر اچانک نگاہ پڑ جائے تو فوراً ادہر سے نگاہ پھیر لو اور اگر اس کا کچھ خیال دل میں رہے تو اپنی بیوی سے فراغت کر لینا چاہئے اس سے وہ وسوسہ دفع ہو جاتا ہے۔[1]

حدیث پاک میں اجنبیہ عورت کی طرف میلان ہونے کا جو علاج مشغولی بالزوجہ آیا ہے (یعنی اگر اجنبی عورت کی طرف دل مائل ہو اپنی بیوی سے خواہش پوری کر لینا چاہئے) اس حدیث میں یہ ٹکڑا بطور علت کے ارشاد ہوا ہے۔

''اِنَّ الَّذِیْ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِیْ مَعَهَا'' (یعنی جو شیٔ اس عورت کے پاس ہے وہ اس کے پاس بھی ہے) مولانا یعقوب صاحب نے اس کی عجیب شرح فرمائی تھی وہ یہ کہ اشیاء متناولہ (یعنی جو چیزیں استعمال میں آتی ہیں ان) کی تین قسمیں ہیں ایک یہ کہ ان سے صرف دفع حاجت مقصود ہو، لذت مقصود نہ ہو، مثلاً پاخانہ کرنا، دوسرے وہ جن میں صرف لذت مقصود ہے مثلاً پیاس نہ ہونے کی صورت میں نہایت خوشبودار شربت پینا جیسے جنت میں ہوگا۔ تیسرے وہ جس میں دونوں سے ترکیب ہو۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ گو جماع میں زیادہ تر نفس کو لذت مقصود ہوتی ہے مگر تم دوسرا مراقبہ کر لیا کرو یعنی یہ کہ دفع حاجت مقصود ہو، اور اسی میں راحت ہے اور جب مقصود دفع حاجت ہے تو اس میں اپنی اور دوسری عورتیں سب برابر ہیں۔

اور زانی کو چونکہ محض لذت مقصود ہوتی ہے اس واسطے ساری دنیا کی عورتیں بھی اگر اس کو میسر ہو جائیں اور ایک باقی رہ جائے تو اس کو یہ خیال رہے گا کہ شاید اس میں اور طرح کا مزہ ہو، اسی واسطے وہ ہمیشہ پریشانی میں رہتا ہے بخلاف اس شخص کے جو دفع حاجت کو زیادہ مقصود سمجھے گا وہ بہت مطمئن ہوگا اور اپنے حق پر رہے گا۔[2]

---

[1] تعلیم الدین۔ [2] الکلام الحسن، ص: ۱۲۰۔

عورت کے لیے ضروری ہدایت اور تنبیہ

(۱) عورت کو چاہئے کہ خاوند کی اطاعت کرے، اس کو خوش رکھے، اس کے حکم کو ٹالے نہیں خصوصاً جب وہ ہمبستری (یعنی صحبت کرنے) کے لیے بلائے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے کام کے لیے بلائے تو ضرور اس کے پاس آئے، اگر چولہے پر بیٹھی ہو تب بھی چلی آئے۔

مطلب یہ ہے کہ چاہے جتنے ضروری کام پر بیٹھی ہو سب چھوڑ چھاڑ کر چلی آئے۔

(۳) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی مرد نے اپنی عورت کو اپنے پاس لیٹنے کے لیے بلایا اور وہ نہ آئی پھر وہ اسی طرح غصہ میں لیٹ رہا تو صبح تک اس عورت پر سارے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

(۴) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں جب کوئی عورت اپنے میاں کو ستاتی ہے تو جو حور قیامت میں اس کی بیوی بنے گی (بددعاء دے کر) یوں کہتی ہے تیرا خدا ناس کرے تو اس کو مت ستا یہ تو تیرے پاس مہمان ہے، تھوڑے ہی دنوں میں تجھ کو چھوڑ کر ہمارے پاس چلا آئے گا[۱]

[۱] بہشتی زیور، ص: ۳۰۱۔

فصل

عورت کو شوہر کے واسطے زینت اور بناؤ سنگار کی ضرورت

عورت کو اپنے خاوند کی زندگی میں اپنی زینت وتجمل وتعطر (یعنی خوبصورتی، بناؤ سنگار اور خوشبو استعمال کرنے کی) کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ اپنے خاوند کی محبوب و مرغوب رہے اور ان دونوں میں حسن معاشرت ہو۔ (المصالح العقلیہ، ص:۲۶۱)

اور قدرت نے عورت کو وہ سامان دیئے ہیں جو مرد کے لیے باعث کشش ہیں، اور مرد عورت کے تعلق میں ان فریفتگی اور کشش کے اسباب کا پایا جانا ایک نہایت ضروری امر ہے اور صرف اسی صورت میں نکاح بابرکت ہوسکتا ہے کہ ایسے سامان کشش عورت میں موجود ہوں۔ اور اگر عورت میں ایسے سامان موجود نہ ہوں تو مرد کا عورت سے وہ تعلق نہیں ہوسکتا۔ (ایسی صورت میں) یا تو وہ (دوسری عورت سے) ناجائز تعلق پیدا کرے گا اور بدکاری میں مبتلا ہوگا (بدکاری بھی عام ہے خواہ زنا کی یا بدنگاہی کی) کیونکہ عورت کی رفاقت سے اسے وہ خوشی حاصل نہ ہوگی، جس کو انسانی فطرت چاہتی ہے تو مجبوراً اس خوشی کے حاصل کرنے کے وہ دوسرے ذریعے تلاش کرے گا۔[1]

اسباب زینت

خوشبو ملنا، سلے ہوئے (عمدہ) کپڑے پہننا، بال منڈوانا، ناخن کٹوانا زیب وزینت کے اسباب اور حظوظ نفسانی اور خودآرائی کی صورتیں ہیں۔[2]

---

[1] المصالح العقلیہ، ص:۲۳۳-۲۳۴۔ [2] المصالح العقلیہ، ص:۲۲۰۔

شوہر کے واسطے زینت اختیار کرنا شوہر کا حق ہے

شریعت کا حکم ہے کہ عورت کو شوہر کے لیے خوب زیب وزینت کرنا چاہئے اس صورت میں اس کو زینت کرنے سے ثواب ملتا ہے۔

آج کل عورتوں کی یہ حالت ہے کہ شوہر کے سامنے تو بھنگنوں کی طرح (گندی میلی کچیلی) رہتی ہیں اور جب کہیں برادری میں جاتی ہیں تو سر سے پیر تک آراستہ ہوتی ہیں، اور اگر کوئی بیچاری شوہر کی خاطر زینت کرے تو اسکو نکو بتاتی ہیں کہ ہائے اسے ذرا بھی حیاء وشرم نہیں یہ اپنے شوہر کے واسطے کیسے چوچلے کرتی ہے۔

افسوس جس جگہ زینت کا حکم تھا وہاں تو اس پر طعن ہوتا ہے اور جہاں ممانعت ہے وہاں اہتمام کیا جاتا ہے، جب شوہر زینت اختیار کرنے کو کہے تو دولہن کو خراب وخستہ رہنے کا کیا حق ہے[۱]

عورتوں کی زبردست غلطی

یہ عجیب بات ہے کہ عورتیں گھر میں تو بھنگنوں اور ماماؤں (نوکرانیوں) کی طرح رہیں، اور ڈولی (رکشا وغیرہ) آتے ہی بن سنور کر بیگم صاحبہ بن جائیں۔

ہر چیز کی کوئی غرض وغایت ہوتی ہے کوئی ان سے پوچھے کہ اچھے کپڑے پہننے کی غرض وغایت کیا ہے؟ صرف غیروں کو دکھانا ہی (اس کی غرض وغایت) ہے؟

تعجب ہے کہ جس کے واسطے یہ کپڑے بنے اور جس کے دام لگے اس کے سامنے تو کبھی نہ پہنے جائیں اور غیروں کے سامنے پہنے جائیں۔ یہ باتیں ذرا شرم کی ہیں، مگر ضرورت کی وجہ سے اصلاح کے لیے کہی جاتی ہیں۔

حیرت ہے کہ خاوند سے کبھی سیدھے منھ نہ بولیں کبھی اچھا کپڑا اس کے سامنے

۱؎ خیر الارشاد والتبلیغ، ص: ۵۹/۱۴۔

نہ پہنیں، اور دوسرے کے گھروں میں جائیں تو شیریں زبان بھی بن جائیں اور کپڑے بھی ایک سے ایک بڑے چڑھے پہن کر جائیں، کام آئیں غیروں کے اور دام لگیں خاوند کے یہ کون سا انصاف ہے؟[1]

عورت کو گھر میں اپنے شوہر کے سامنے کیسے رہنا چاہئے

ایک بزرگ عورت اللہ کی مقبول بندی کی حکایت

ایک بزرگ بی بی کا قصہ ہے کہ وہ ہر رات کو عشاء کی نماز کے بعد خوب زینت کرتیں، عمدہ لباس پہنتیں، زیور سے آراستہ ہوکر کنگھی سرمہ لگاتیں، اور اس حال میں شوہر کے پاس آکر ان سے دریافت کرتیں کہ آپ کو میری حاجت ہے؟ اگر وہ کہتے کہ ہاں تو ان کے پاس کچھ دیر لیٹ جاتیں، اور اگر وہ کہتے کہ مجھے حاجت نہیں تو پھر کہتیں کہ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے، تاکہ میں اپنے خدا کے ساتھ مشغول ہوں۔ چنانچہ شوہر کی اجازت کے بعد وہ اپنا لباس اور زیور وغیرہ اتار کر رکھ دیتیں اور سادہ لباس پہن کر تمام رات عبادت کرتیں۔

دیکھئے یہ بزرگ بی بی ایک وقت میں کیسی زینت کرتیں، اور دوسرے وقت کمبل اور ٹاٹ میں رہتیں، اب اگر کوئی زینت کے وقت ان کو دیکھتا تو یہی کہتا کہ یہ کیسی بزرگ ہیں، جو اس قدر زیب وزینت کا اہتمام کرتی ہیں، مگر کسی کو کیا خبر کہ وہ کس لیے زینت کرتی تھیں، وہ نفس کی خواہش کے لیے ایسا نہ کرتیں تھی، چونکہ شریعت کا حکم ہے کہ عورت کو شوہر کے لیے خوب زیب وزینت کرنا چاہئے، (اس لیے کرتی تھیں) اس صورت میں اس کو زینت کرنے سے ثواب ملتا ہے۔

وہ بزرگ بی بی حکم شرعی کے تابع تھیں، جہاں شریعت کا حکم تھا وہاں خوب زینت

---

[1] دواء العیوب التبلیغ ۴/۹۱۔

کرتیں کیونکہ جب شوہر زینت کو کہے تو دولہن کو خستہ وخراب رہنے کا کیا حق ہے۔مگر جب شوہر کو کچھ غرض نہ ہوتی تو وہ اپنے نفس کے لیے زینت کا اہتمام نہ کرتیں تھیں، کاملین (اللہ والے) زینت اور ترک زینت میں حکم (شرعی) کے تابع ہوتے ہیں وہ اپنے نفس کے لیے کچھ نہیں کرتے۔[1]

ضروری تنبیہ

بعض مرد ایسے آوارہ مزاج کے ہیں کہ باہر کی (نئے نئے فیشن والی) عورتوں کو دیکھ کر ان کے دل میں خود ہی شوق ہوتا ہے کہ اپنی گھر والیوں کو ایسا ہی بنائیں۔

افسوس! کہاں گئی ان کی غیرت اور کہاں گئی شرافت، کیا شریف عورتوں کو بازاری بنانا چاہتے ہیں؟ .... ہاں یہ ضروری ہے کہ میلی کچیلی نہ رہیں کیونکہ صفائی ستھرائی اور زینت اختیار کرنا یہ شوہر کا حق ہے۔[2]

بعض جگہ عورتیں (محتاط ہوتی ہیں نئے نئے ایسے فیشن جن میں آزاد، آوارہ فاسق فاجر عورتوں کے ساتھ تشبہ ہوتا ہے) خود تو نہیں کرتیں مگر بعض مرد ان عورتوں کو اس پر مجبور کرتے ہیں مگر یہ سمجھ لیجئے کہ ”لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ“ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں، پس عورتوں کو چاہئے کہ مردوں کے کہنے سے ایسا لباس ہرگز نہ پہنیں۔[3]

---

[1] التبلیغ،۵۹/۱۲۔ [2] التبلیغ وعظ کساء النساء،۱۶۹/۷۔ [3] العاقلات،ص:۳۴۴۔

فصل

شوہر بیوی کے لیے چند ضروری ہدایات

(۱) اگر سفر سے آنا ہو تو اچانک گھر میں مت چلے آؤ، اس قدر توقف کرو (یعنی اتنا ٹھہر کر جاؤ) کہ بیوی کنگھی چوٹی سے اپنے کو سنوار لے، کیونکہ شوہر کی غیر موجودگی میں اکثر میلی کچیلی رہتی ہیں کبھی اس حالت میں دیکھ کر اس سے نفرت نہ ہو جائے۔

(۲) اکثر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر عورتوں کی صورت شکل کے حالات اپنے خاوند سے بیان کرتی ہیں، یہ بہت بری بات ہے، اگر اس کا دل اس کی طرف مائل ہو گیا تو پھر روتی پھریں گی۔

اگر کسی عورت پر اچانک نگاہ پر جائے فوراً نگاہ ادھر سے پھیر لو، اور اگر اس کا کچھ خیال دل میں رہے تو اپنی بیوی سے فراغت کر لینا چاہئے، اس سے وہ وسوسہ دفع ہو جاتا ہے۔[۱]

شوہر بیوی کے لیے جائز نہیں کہ تنہائی میں ہونے والے خصوصی معاملات کو دوسروں سے بتلا دیا کریں

میاں بیوی کے خلوت (تنہائی) کے خصوصی باہمی معاملات دوست احباب سے یا ساتھیوں سہیلیوں سے ذکر کرنا خدا تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے۔ اکثر دولہا دلہن اس کی پرواہ نہیں کرتے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک تمام

[۱] تعلیم الدین۔

لوگوں میں بدتر اور برے ٹھکانے والے ایسے ہی لوگ ہیں جو اس طرح کے خصوصی معاملات (بلاضرورت شدیدہ) دوسروں سے بتلا دیا کریں[1]

اہم ہدایت

اگر معمولی طور پر کوئی شخص اپنی بیوی کو مارے اس کی وجہ غیر لوگوں کو دریافت کرنا تہذیب کے خلاف ہے۔ شاید وہ بات بتلانے کی نہ ہو، مثلاً اس نے ہمبستری سے انکار کیا اور اس پر مارا تو وہ کیا بتلائے گا[2]

عورتوں کے لیے خصوصی ہدایات

(۱) عورت کو چاہئے کہ خاوند کی اطاعت کرے۔

(۲) اس کو خوش رکھے۔

(۳) اس کے حکم کو ٹالے نہیں خصوصاً جب وہ ہمبستری کے لیے بلائے۔

(۴) اس کی وسعت سے زیادہ اس سے نان ونفقہ طلب نہ کرے۔

(۵) اس کے روبرو زبان درازی نہ کرے۔

(۶) اس کی اجازت کے بغیر نوافل نہ پڑھے، نہ نفل روزہ رکھے۔

(۷) اس کا مال اس کی رضا کے بغیر کسی کو نہ دے، نہ خود ضرورت سے زیادہ اٹھائے۔

(۸) بلا اجازت کسی کو گھر میں نہ آنے دے۔

(۹) بلا سخت مجبوری کے اپنے منھ سے طلاق نہ مانگے۔

(۱۰) اگر شوہر قدرت کے باوجود بخل کی وجہ سے بیوی کو بقدر کفایت خرچ نہ دیتا ہو تو بیوی چھپا کر لے سکتی ہے مگر حاجت سے زیادہ فضول کرنے کو لینا جائز نہیں۔

[1] تعلیم الدین، ص: ۳۷۔ [2] تعلیم الدین، ص: ۳۷۔

(۱۱) بیوی شوہر کے مال سے محتاج کو اتنا ہی دے سکتی ہے، کہ اگر شوہر کو اطلاع ہو تو اس کو ناگوار نہ ہو۔[۱]

مردوں کے لیے خصوصی ہدایات

(۱) بیوی کی کج خلقی (بداخلاقی) پر صبر کرو۔
(۲) اس سے عداوت مت کرو، اگر ایک بات ناپسند ہوگی دوسری پسند آ جائے گی۔
(۳) بے ضرورت اس کو مت مارو۔
(۴) اور ضرورت ہو تو تب بھی زیادہ مت مارو، اور منھ پر ہرگز مت مارو، آخر رات کو اسی سے پیار اخلاص کرتے شرم بھی آئے گی۔
(۵) اس کا دل بہلاتے رہو۔
(۶) گالی گلوج مت کرو۔
(۷) روٹھ کر گھر سے مت نکل جاؤ۔
(۸) زیادہ ناراضگی ہو دوسری چارپائی پر سو رہو۔
(۹) جب دیکھو کسی طرح نباہ نہیں ہوتا آزاد کر دو۔
(۱۰) بلاضرورت طلاق مت دو۔
(۱۱) اور حالت حیض میں طلاق مت دو شاید بلاضرورت طبعی نفرت کی وجہ سے حیض کے سبب سے دی ہو۔
(۱۲) اگر کئی بیویاں ہوں سب کو برابر رکھے۔
(۱۳) اگر کوئی عورت بدچلن ہو اور اس کا انتظام نہ کر سکے تو اس کو طلاق دے دینا چاہئے لیکن اگر اس سے محبت ہو اور ڈرتا ہو کہ طلاق کے بعد بھی میں اس سے مبتلا ہو جاؤں گا (صبر نہ کر سکوں گا) تو نہ چھوڑے مگر حتی الوسع انتظام وانسداد کرنا چاہئے۔

[۱] تعلیم الدین، ص: ۳۵-۳۶۔

(۱۴) محض قرائن سے اپنی بیوی کو بدکار یقین کر لینا یا جو اولاد اس سے ہو اس کی صورت شباہت دیکھ کر کہہ دینا کہ یہ میری نہیں ہے بہت گناہ ہے۔

(۱۵) خواہ مخواہ بلاقرینہ بیوی پر بدگمانی کرنا جہالت اور تکبر ہے اور قرائن ہوتے ہوئے چشم پوشی کرنا بے غیرتی اور دیوثی ہے۔

(۱۶) اگر اپنی آنکھ سے عورت کو زنا کرتے دیکھ لیا تو اس کو مار ڈالنے سے خدا کے نزدیک گہنگار نہ ہوگا گو دنیا کا حاکم شرعی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے اس سے قصاص لے لے[۱]

مرد کو چاہئے کہ تین یا چار ماہ میں اپنی عورت سے ضرور ملاقات کر لے

عموماً فطری طور پر تندرست جوان عورت کو چار ماہ سے زیادہ اپنے مرد کی جدائی گراں اور ناگوار گزرتی ہے۔ اور اس مدت میں پھر اپنے مرد کا وصال چاہتی ہے، چنانچہ حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں:

اَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْح قال اخبرنی الخ۔

ترجمہ: ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس کی بات کو میں سچ جانتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات مدینہ منورہ کی گلیوں میں اپنی خلافت کے زمانے میں گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت کو ذیل کے شعر پڑھتے سنا:

تَطَاوَلَ هٰذَا اللَّيْلُ اَسْوَدَ جَانِبُهٗ

وَاَرَّقَنِیْ اَنْ لَا خَلِيْلَ اُلَاعِبُهٗ

ترجمہ: رات دراز ہوگئی اور اس کے اطراف سخت تاریک سیاہ ہو گئے، اور مجھے

---

[۱] تعلیم الدین، ص: ۳۷-۳۸۔

اس خیال نے بیدار کر دیا ہے کہ میرا کوئی دوست نہیں ہے کہ جس کے ساتھ کھیلوں اگر مجھے خوف نہ ہوتا تو میری اس چارپائی کی طرفیں ہلائی جاتیں۔

پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کو آواز دے کر کہا کہ تو کیا چاہتی ہے؟ اس عورت نے کہا کہ آپ نے میرے خاوند کو کئی ماہ سے غزوہ (جہاد) میں بھیج دیا ہے اور اب مجھے اپنے خاوند سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا کہ تو اپنے آپ کو ضبط رکھ (یعنی صبر کر) ابھی تیرے خاوند کو بلانے کے لیے قاصد روانہ کیا جائے گا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حفصہ کے پاس گئے اور حفصہ سے کہا کہ میں تجھ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں جس کی مجھے بڑی فکر ہے، اس کو حل کر دو، اور وہ یہ ہے کہ کتنی مدت کے بعد عورت کو اپنے خاوند کے وصال کا شوق پیدا ہوتا ہے؟ حفصہ نے اپنا سر نیچا کر لیا اور شرما گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خدا سچی بات سے نہیں شرماتا، پس (حضرت) حفصہؓ نے ہاتھ سے تین مہینہ کا اور پھر زیادہ سے زیادہ چار مہینے کی مدت تک کا اشارہ کیا، یعنی مرد کو چاہئے کہ تین ماہ ورنہ چار ماہ تک ضرور اپنی عورت سے ملے، پس حضرت عمر نے لشکروں کے افسروں کے نام خط لکھ کر روانہ کئے اور تاکید کی کہ کسی سپاہی کو چار ماہ سے زیادہ لشکر میں نہ رکھا جائے۔

یعنی ہر سپاہی کو چار ماہ کے بعد گھر پر آنے کی رخصت کا عام حکم نافذ فرما دیا۔ (وجہ اس کی یہ ہے کہ) اتنی مدت میں خواہ مخواہ نفس کو جماع کا شوق پیدا ہوتا ہے، اور اگر انسان ماؤف نہ ہو (صحیح سالم ہو) تو اس کے چھوڑنے سے نقصان پہنچتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ قسم کھایا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں سے ایک لمبی مدت تک جدا رہیں گے۔

اس میں عورتوں پر نہایت ظلم اور نقصان ہوتا تھا، لہٰذا خدا تعالیٰ نے چار مہینہ سے زیادہ ایلاء کی مدت منسوخ فرمائی۔[1]

[1] المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ، ص: ۲۵۸-۲۸۶۔

مرد عورت سے کتنے دن باہر رہ سکتا ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عورت چار ماہ سے زیادہ شوہر کے بغیر صبر نہیں کرسکتی۔ مگر صحیح المزاج ہونا شرط ہے، ورنہ ضعف اعضاء (اور کمزوری) کی وجہ سے زیادہ بھی صبر کرسکتی ہے، یہ تجربہ کاروں کا قول نقل کرتا ہوں۔

پھر اس تائید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ آپ رات کو گشت فرمارہے تھے ایک مکان میں سے کچھ اشعار پڑھنے کی نہایت دل کش آواز آئی۔ وہ اپنے شوہر کو یاد کررہی تھی، آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (اپنی بیٹی) کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ اے بیٹی! ایک بات دینی ضرورت کی وجہ سے دریافت کرتا ہوں اس میں حجاب (اور شرم) نہ کرنا بتلا دینا۔ وہ یہ کہ عورت مرد کے بغیر کتنا صبر کرسکتی ہے؟ انہوں نے نہایت جبر کر کے جواب دیا کہ چار مہینہ۔ پھر اس کے بعد تکلیف ہوتی ہے۔

یہاں پر ایک بات قابل غور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی سے دریافت کیا، بیوی سے کیوں نہیں پوچھا؟ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ خیال ہوا کہ شاید اس میں اپنی غرض سمجھ کر (صحیح) نہ بتلائیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت تمام امراء اور سپاہیوں اور لشکروں کو حکم دیا کہ کوئی سپاہی یا افسر چار مہینہ سے زائد باہر نہ روکا جائے۔ گھر آنے کے لیے اس کو رخصت دے دی جائے[1]

[1] ملفوظات حکیم الامت، قسط:۴، ص:۴۸۱۔

فصل

روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا

ایک شخص حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور روزہ میں قُبْلَہٗ (بوسہ) کی اجازت مانگی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمادی، اس کے بعد ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے بھی روزہ کی حالت میں بوسہ کی اجازت طلب کی تو آنجناب نے اجازت دے دی، اب بظاہر دونوں حکم متعارض ومتناقض معلوم ہوتے ہیں لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بڑے دقیقہ شناس اور باریک بیں تھے، انہوں نے ظاہری تعارض کو دفع کرنے کے واسطے ان دونوں حکموں کے اصلی محل تلاش کر لیے، اور سمجھ گئے کہ دونوں حکم علیحدہ علیحدہ محل کے واسطے ہیں۔

ممانعت کا حکم اس واسطے تھا کہ سائل ایک نوجوان قوی (طاقت ور) شخص تھا جس سے جماع سے تحمل اور بچنے کی امید نہ تھی، اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تاکہ جماع میں مبتلا ہو کر روزہ کو ضائع نہ کردے۔ اور جس شخص کے سوال پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمادی وہ شخص ایک کمزور اور بوڑھا تھا، اس کے قویٰ (اعضاء) مضمحل (کمزور) تھے اس لیے جماع میں واقع ہونے کا خوف نہ تھا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجازت کی علت محض بڑھاپا نہ تھا بلکہ علت فتنہ کا نہ ہونا ہے اور خوف فتنہ ہی پر اجازت وممانعت کا مدار ہے، کہ جس مقام پر روزہ کے فساد کا اندیشہ ہو وہاں ممانعت ہے گو بوڑھا ہی ہو اور جہاں فتنہ کا خوف نہ ہو وہاں اجازت ہے گو جوان ہی ہو[1]

روزہ کی حالت میں اپنی عورت سے مباشرت کرنا حرام ہے[2]

---

[1] الاعتصام بحبل اللہ ملحقہ نظام شریعت، ص: ۳۶۰۔ [2] المصالح العقلیہ، ص: ۲۲۲۔

رمضان کی راتوں میں صحبت کرنا

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ۔ (الآیۃ)

ترجمہ وتشریح: تم لوگوں کے واسطے روزہ کی راتوں میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا اور پہلے جو ممانعت تھی وہ موقوف کی گئی، اللہ نے تم پر اعانت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا۔ سو جب اجازت ہوگئی تو اب ان سے ملو ملاؤ، اور جو قانون تمہارے لیے تجویز کر دیا ہے بے تکلف اس کا سامان کرو، اور جس طرح روزہ کی رات میں بیوی سے ہمبستری کی اجازت ہے اسی طرح یہ بھی اجازت ہے کہ صبح تک کھاؤ بھی اور پیو بھی۔

فائدہ: شروع اسلام میں یہ حکم تھا کہ رات کو ایک دفعہ نیند آ جانے سے آنکھ کھلنے کے بعد کھانا پینا بیوی کے پاس جانا حرام ہو جاتا تھا، بعض صحابہ سے غلبہ سے اس حکم میں کوتاہی ہوگئی، پھر نادم ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی ان کی ندامت اور توبہ پر حق تعالیٰ نے رحمت فرمائی اور اس حکم کو منسوخ کر دیا۔[1]

حالت اعتکاف میں عورتوں سے اختلاط

وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عَاکِفُوْنَ فِیْ الْمَسَاجِدِ.

اور بیویوں کے بدن سے اپنا بدن بھی شہوت کے ساتھ نہ ملنے دو، جس زمانہ میں کہ تم لوگ اعتکاف والے ہو جو کہ مسجد میں ہوا کرتا ہے۔

مسئلہ: حالت اعتکاف میں بیوی کے ساتھ صحبت اور اسی طرح بوس و کنار سب حرام ہے، پھر اگر بوس و کنار میں انزال بھی ہوگیا تو وہ اعتکاف جاتا رہے گا اور بجائے اس کے دوسرا قضا کرنا ہوگا۔

اور اگر بلا شہوت اس نے اس کو یا اس کو اس نے ہاتھ لگا دیا یا بدن دبا دیا تو درست ہے۔

---

[1] بیان القرآن سورۂ بقرہ، پ۲، التبلیغ: ۱۵۸/۹، آداب المصاب۔

مسئلہ: اگر عورت اعتکاف کرنا چاہے تو جو جگہ اس کی نماز پڑھنے کی مقرر ہے اسی جگہ اعتکاف بھی درست ہے[1]

اگر حیض نفاس آ جائے تو اعتکاف چھوڑ دے اور حالت اعتکاف میں مرد سے ہمبستر ہونا لپٹنا چمٹنا بھی درست نہیں[2]

حالت اعتکاف میں رات میں بھی اپنی عورت سے مباشرت (صحبت) کرنی جائز نہیں کیونکہ صادق عاشق کو ان باتوں کا کہاں خیال رہتا ہے[3]

حالت احرام اور حالت حج میں قربت کرنا

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ الآیۃ۔

ترجمہ: یعنی حج کے مہینے معلوم ومشہور ہیں پس جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج کرنا ٹھہرا لے اس کو چاہئے کہ حج میں جماع اور محرکات جماع کا مرتکب نہ ہو، اور کسی کو گالی نہ دے، اور جھگڑا نہ کرے[4]

دنیا کے تمام لذائذ ومرغوبات میں جماع سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے مگر حج میں ساری لذتوں کو چھوڑنا پڑتا ہے کیونکہ حج کی تمام صورتیں اس کے برخلاف ہوتی ہیں۔ حج میں عاشقانہ طرز اور وضع اختیار کی جاتی ہے، جس میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معشوق حقیقی اور محبوب ابدی کے سوا تمام لذتیں اور مرغوبات کو میں نے ترک کر دیا پس جو شخص اس دعویٰ کے باوجود جماع جیسے لذیذ ترین فعل کا ارتکاب حالت احرام وحج میں کرے وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے لہٰذا اس کا حج فاسد ہو جاتا ہے، اور وہ سچے عاشقوں کے زمرے میں شمار نہیں ہوتا، اور حج اس وجہ سے فاسد ہوتا ہے کہ ان امور کی اوضاع افعال حج کی ضد ہیں اگر حج میں ایسے امور جائز ہوتے تو افعال حج ایک کھیل سا ہو جاتا۔[5]

---

[1] بیان القرآن سورۃ بقرہ، پ۲، التبلیغ: ۱۶۰/۹۔ [2] بہشتی زیور، ۱۴۷/۳۔
[3] المصالح العقلیہ، ۱۸۰/۲۔ [4] ص: ۲۲۳۔ [5] المصالح العقلیہ، ص: ۲۲۱۔

فصل

حالت حیض میں بیوی سے قریب ہونے کے احکام

(۱) ہر مہینہ جو آگے کی راہ سے (شرمگاہ جو محل صحبت ہے) خون سے آتا ہے اس کو حیض کہتے ہیں، کم سے کم حیض کی مدت تین دن تین رات ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن دس رات ہے، کسی کو تین دن تین رات سے کم خون آیا تو وہ حیض نہیں ہے بلکہ استحاضہ (بیماری کا خون) ہے، کسی بیماری کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے اور اگر دس دن رات سے زیادہ خون آیا ہے تو جتنے دن دس سے زیادہ آیا ہے وہ بھی استحاضہ ہے۔[۱]

(۲) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوْا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ''۔ (الآیۃ)

(ترجمہ وتشریح) اور لوگ آپ سے حیض کی حالت میں صحبت وغیرہ کرنے کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ حیض گندی چیز ہے تو حالت حیض میں تم عورتوں کے ساتھ صحبت کرنے سے علیحدہ رہا کرو، اور اس حالت میں ان سے قربت (صحبت) مت کیا کرو، جب تک کہ وہ حیض سے پاک نہ ہو جائیں، پھر جب وہ عورتیں اچھی طرح پاک ہو جائیں کہ ناپاکی کا شک وشبہ (بھی) نہ رہے تو ان کے پاس آؤ جاؤ یعنی ان سے صحبت کرو جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے یعنی آگے سے۔[۲]

حالت حیض میں بیوی سے متمتع ہونے کے حدود

(۱) مسئلہ: حالت حیض میں ناف سے گھٹنے تک عورت کے بدن کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا بھی درست نہیں۔[۳]

---

[۱] اختری بہشتی زیور، ج:۲، ص:۵۶۔ [۲] بیان القرآن ج۲، ص۱۲۹۔ [۳] بیان القرآن، ج:۱، ص:۱۲۹۔

(۲) حیض کے زمانہ میں مرد کے پاس (بیوی کا) رہنا یعنی صحبت کرنا درست نہیں اور صحبت کے سوا اور سب باتیں درست ہے یعنی ساتھ کھانا پینا لیٹنا وغیرہ درست ہے۔[۱]

(۳) جب عورت حائضہ ہو اس وقت تمتع کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مرد متمتع ہو اور فعل اس کی جانب سے پایا جائے اور دوسری صورت یہ کہ عورت متمتع ہو اور فعل اس کی جانب سے پایا جائے سو اگر مرد متمتع ہو (تو اس کا حکم اوپر گزر چکا) اور اگر عورت متمتع ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو (یعنی بیوی کو) مرد کے مَابَیْنَ السُّرَّةِ اِلَی الرُّکْبَةِ (یعنی ناف سے لیکر گھٹنے تک کے حصہ) کو دیکھنا، اس کو ہاتھ لگانا، اس کا بوسہ لینا وغیرہ امور جائز ہیں، لیکن یہ عورت کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی مَابَیْنَ السُّرَّةِ اِلَی الرُّکْبَةِ (یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیانی کسی حصہ) سے مرد کے کسی عضو کو مس کرے (یعنی چھوئے یا ملے)۔[۲]

مسئلہ حیض و نفاس کی حالت میں عورت کی ناف اور رانوں کے درمیان کے جسم کو دیکھنا یا اس میں اپنے جسم کو ملانا جب کوئی کپڑا درمیان میں نہ ہو اور صحبت کرنا حرام ہے۔

مسئلہ : حیض و نفاس کی حالت میں عورت کا بوسہ لینا اور جھوٹا پانی وغیرہ پینا اور اس سے لپٹ کر سونا اور اس کی ناف اور ناف کے اوپر اور رانوں کے نیچے جسم سے اپنے جسم کو ملانا اگر چہ کپڑا درمیان میں نہ ہو اور ناف اور رانوں کے درمیان کپڑے کے ساتھ ملانا جائز ہے بلکہ حیض کی وجہ سے عورت سے علیحدہ ہو کر سونا یا اس کے اختلاط (ملنے جلنے) سے بچنا مکروہ ہے۔[۳]

---

[۱] بہشتی زیور، ج:۲، ص:۵۹۔ [۲] ضمیمہ بہشتی زیور، ج۲، ص۸۲۔
[۳] بہشتی زیور، ج:۱۱، ص:۶۹۱۔

متفرق ضروری مسائل

(۱) **مسئلہ**: اگر حیض پورے دس دن گزرنے پر موقوف (ختم ہوا) ہو تو فوراً ہی صحبت (کرنا) درست ہے، اور اگر دس دن سے پہلے حیض موقوف (ختم) ہو جائے مگر عادت کے موافق موقوف ہو تو صحبت اس وقت درست ہے جب کہ عورت یا تو غسل کر لے یا ایک نماز کا وقت ختم ہو جائے اور اگر دس دن سے پہلے موقوف ہوا اور ابھی عادت کے دن بھی نہیں گزرے مثلاً سات دن حیض آیا کرتا تھا اور چھ ہی دن میں موقوف ہو گیا تو عادت کے ایام گزرے بغیر صحبت درست نہیں۔[1]

(۲) **مسئلہ**: کسی کی عادت پانچ دن کی یا نو دن کی تھی سو جتنے دن کی عادت تھی اتنے ہی دن خون آیا پھر بند ہو گیا، تو جب تک نہا نہ لیوے تب تک صحبت کرنا درست نہیں، اگر غسل نہ کرے تو جب ایک نماز کا وقت گزر جائے تب صحبت درست ہے، اس سے پہلے درست نہیں۔[2]

(۳) **مسئلہ**: اگر عادت پانچ دن کی تھی اور خون چار ہی دن میں بند ہو گیا تو نہا کے نماز پڑھنا واجب ہے، لیکن جب تک پانچ دن پورے نہ ہو لیں تب تک صحبت کرنا درست نہیں ہے، (کیونکہ احتمال ہے) کہ شاید پھر خون آ جائے۔

(۴) **مسئلہ**: اور اگر پورے دس دن رات حیض آیا تو جب سے خون بند ہو جائے اسی وقت سے صحبت کرنا درست ہے چاہے نہا چکی ہو یا ابھی نہ نہائی ہو۔

(۵) **مسئلہ**: اگر ایک یا دو دن خون آ کر بند ہو گیا تو نہانا واجب نہیں ہے وضو کر کے نماز پڑھے لیکن ابھی صحبت کرنا درست نہیں ہے۔[3]

---

[1] بیان القرآن، ج:۱،ص:۱۲۹ [2] بہشتی زیور، ج:۲،ص:۶۰ [3] بہشتی زیور۔

حالت حیض میں صحبت کے ناجائز اور حالت استحاضہ میں جائز ہونے کی وجہ

حیض والی عورت سے جماع حرام ہونے اور استحاضہ والی (یعنی جس کو بیماری کا خون آ رہا ہے) سے جماع جائز ہونے کی وجہ باوجودیکہ ناپا کی ایک قسم کی معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ حیض کی ناپا کی ''استحاضہ'' کی ناپا کی مقابلہ میں زیادہ قوی ہے۔

استحاضہ کا خون شرمگاہ کی ایک رگ سے جاری ہوتا ہے، پس شرمگاہ سے استحاضہ کا خون کا جاری ہونا ایسا ہے جیسا کہ ناک سے نکسیر جاری ہوتی ہے۔ اس خون کا نکلنا نقصان دہ ہے اور اس کا بند ہونا صحت کی دلیل ہے۔

بخلاف حیض کے کہ اگر حیض کا خون بند ہو جائے تو وہ بیماری کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور اس کا جاری ہونا صحت کا باعث ہے پس حیض و استحاضہ کا خون دونوں حقیقت کی رو سے سبب اور حکم میں برابر نہیں۔

شریعت اسلامیہ کی خوبی ہے کہ (حکم میں بھی) دونوں میں فرق ظاہر کر دیا جیسا کہ حقیقت میں الگ الگ ہی ہیں، استحاضہ والی عورت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

هَلْ تَدَعُ الصَّلٰوةَ مِنَ اسْتِحَاضَةِ فَقَالَ لَا ذٰلِکَ عِرْقٌ لَيْسَ بِالْحَيْضَةِ فَاَمَرَهَا اِنْ تُصَلِّيَ مَعَ هٰذَا الدَّمِ، الخ ۔کہ کیا استحاضہ والی عورت نماز چھوڑ دے آپ نے فرمایا: نہیں، بے شک وہ تو ایک رگ (کا خون) ہے حیض نہیں، آپ نے اسی خون کی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا[1]

---

[1] المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ، ۲/۲۷۶۔

حالت حیض میں صحبت کرنا کیوں ممنوع ہے

جب اللہ تعالیٰ ''حیض'' کو ناپاکی اور ''اذیٰ'' فرماتا ہے تو ایسی حالت میں صحبت کرنے سے شدید (زبردست) نقصان پہنچنے کا ظن غالب ہے اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے حالت حیض میں جماع سے منع فرمایا۔

حالت حیض میں صحبت کرنے سے پیدا ہونے والے امراض

طب کی رو (یعنی ڈاکٹری اصول کے لحاظ) سے جو شخص حالت حیض میں عورت سے جماع کرے اس کو مندرجہ ذیل امراض لاحق ہونے کا احتمال ہے:

جرب یعنی خارش، نامردی، سوزش یعنی جلن، جریان، جذام یعنی جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو جذام ہوتا ہے۔

اور عورت کو مندرجہ ذیل بیماریاں لاحق ہوجاتی ہیں:

۱- اس کو اکثر ہمیشہ کے لیے خون جاری ہوجاتا ہے۔

۲- بچہ دانی یعنی رحم باہر کو لٹک آتا ہے۔

۳- بعض عورتوں کے لیے اکثر اوقات کچا حمل گر جانے کا یہ بھی بڑا سبب ہوتا ہے، چونکہ حالت حیض میں جماع کرنے سے مذکورہ بالا امراض سے اور بھی دوسری خرابیاں، بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں اس لیے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کرکے حالت حیض میں جماع کرنے سے منع فرمادیا۔[۱]

---

[۱] المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ ۲/۲۷۷، باب الطلاق۔

حالت حیض میں بیوی سے جماع کرنے کا کفارہ

کفارہ وہ ہے جو ایسے امور میں بطور بدلہ وتاوان (جرمانہ) کے مقرر ہو جو اصل میں تو مباح (جائز) ہوں مگر کسی عارضی سبب سے حرام ہو جائیں جیسے رمضان اور حالت احرام (اور حالت حیض میں) جماع کرنا۔

کفارہ کے بارے میں شریعت کا یہی طریقہ ہے کہ جو امور مباح ہیں اور کسی عارضی امر سے حرام ہو جائیں (جیسے بیوی سے جماع کرنا جائز ہے لیکن حالت حیض میں گندگی کی وجہ سے ناجائز ہے) ان میں کفارہ ہے اور جو امر ہمیشہ حرام ہیں (جیسے زنا وغیرہ) ان میں حدود وتعزیرات (سزائیں) ہیں۔

کفارہ

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ الَّذِیْ یَاتِی امْرَأَۃٍ وَھِیَ حَائِضٌ قَالَ یَتَصَدَّقُ بِدِیْنَارٍ اَوْ بِنِصْفِ دِیْنَارٍ[1]

ترجمہ: اس شخص کے حق میں جو اپنی عورت سے حالت حیض میں جماع کرے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک دینار یا آدھا دینار بطور کفارہ کے صدقہ دیدے[2]

فائدہ: آدھا دینار سوا دو گرام سونا ہوتا ہے، ایک دینار ساڑھے چار گرام کا ہوگا۔ حالت حیض میں صحبت کرنے والا شخص اتنے سونے کی قیمت معلوم کر کے صدقہ کرے۔

مسئلہ: اگر غلبہ شہوت سے حالت حیض میں صحبت ہوگئی تو خوب خوب توبہ کرنا واجب ہے، اور اگر کچھ خیر خیرات بھی دیدے تو زیادہ بہتر ہے[3]

[1] ابن ماجہ۔ [2] المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ ،ص:۲۳۶، ۲۴۰۔ [3] بیان القرآن، ج:۱،ص:۱۲۹۔

حالت استحاضہ میں صحبت کرنے کا حکم

(شریعت میں استحاضہ بیماری کے خون کو کہتے ہیں جو) تین دن تین رات سے کم یا دس دن دس رات سے زیادہ آتا ہے، دس دن سے جتنے دن زیادہ آیا ہے وہ استحاضہ ہے[۱]

استحاضہ کا حکم ایسا ہے کہ جیسے کسی کی نکسیر پھوٹے اور بند نہ ہو ایسی عورت نماز بھی پڑھے، روزہ بھی رکھے، اور اس سے صحبت کرنا بھی درست ہے[۲]

حالت نفاس میں قریب ہونے کے احکام

بچہ پیدا ہونے کے بعد آگے کی راہ سے جو خون آتا ہے اس کو نفاس کہتے ہیں، زیادہ سے زیادہ نفاس کے چالیس دن ہیں اور کم کی کوئی حد نہیں ہے[۳]

اگر خون چالیس دن سے بڑھ گیا تو اگر پہلے پہل ہی بچہ ہوا تو چالیس دن نفاس کے ہیں اور جتنا زیادہ آیا ہے وہ استحاضہ ہے اور اگر یہ پہلا بچہ نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے جن چکی ہے اور اس کی عادت معلوم ہے کہ اتنے دن نفاس آتا ہے تو جتنے دن نفاس کی عادت ہو اتنے دن نفاس کے ہیں اور جو اس سے زیادہ ہے وہ استحاضہ ہے، اور اگر پورے چالیس دن پر خون بند ہو گیا (حالانکہ عادت مثلاً تیس دن کی تھی) تو یہ سب نفاس ہے (اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت بدل گئی)۔

حالت نفاس میں روزہ، نماز، صحبت کرنے کے وہی مسئلے (احکام) ہیں جو اوپر (حیض کے بیان میں) بیان ہو چکے[۴]

---

[۱] بہشتی زیور مع تغییر، ص:۵۷۔ [۲] بہشتی زیور، ۲/۶۱۔ [۳] بہشتی زیور، ج:۲، ص:۶۲۔
[۴] بہشتی زیور، ج:۲، ص:۶۲۔

جس عورت کے پہلا بچہ ہوا اور چالیس دن سے کم میں پاک ہو جائے اس سے صحبت کرنا درست ہے

سوال: جس عورت کے اول مرتبہ بچہ پیدا ہوا ہے اور اس کو چار روز (مثلاً) نفاس کا خون آ کر بند ہو گیا اور ایک دن ایک رات بند رہا تو دوسرے روز شوہر کو اس سے وطی (صحبت کرنا) جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ پہلا پہل بچہ ہے عادت کا حال معلوم نہیں ہوسکتا، یا شوہر کو چالیس روز کا انتظار کرنا ضروری ہے؟

الجواب: چوں کہ حیض و نفاس کا حکم اس امر میں یکساں ہے۔

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں وطی (صحبت) جائز ہے[1]

شہوت کا غلبہ ہو اور عورت حالت حیض و نفاس میں ہو تو کیا کرنا چاہئے

(**سوال**: ۴۴۱) زید کو جماع کی سخت ضرورت ہے اور اس کی بیوی حائضہ (مہینہ سے) ہے اس صورت میں وہ کیا کرے؟

(الجواب) بیوی کی ساق (پنڈلی) وغیرہ سے رگڑ کر نکال دے یا اس کے ہاتھ سے خارج کر دے، لیکن اس کی ران وغیرہ کو مس نہ کرے[2]

---

[1] امداد الفتاویٰ، ج:۱،ص:۵۸۔ [2] درمختار، امداد الفتاویٰ، ج:۲،ص:۳۵۱۔

فصل

حالت حمل میں بیوی کے پاس جانے سے احتیاط

عورت ہر وقت اس قابل نہیں ہوتی کہ خاوند اس سے ہم بستر ہو سکے کیونکہ ایام حمل عورت کے لیے ایسے ہوتے ہیں، خصوصاً اس کے پچھلے مہینے (یعنی شروع کے ایام) جن میں عورت کو اپنے اور اپنے جنین (پیٹ کے بچہ) کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرد کی صحبت سے پرہیز کرے اور یہ صورت کئی ماہ تک رہتی ہے، پھر جب وضع حمل (ولادت) ہوتا ہے تو پھر بھی کچھ مدت تک عورت کو مرد کی صحبت سے پرہیز کرنا لازمی ہے[1]

حالت حمل میں بیوی سے قریب ہونے کی ممانعت محض طبی ہے

حالت حمل میں قریب ہونے کا نقصان

عورت کو جب حمل ٹھہر جائے تو جوش اور شہوت والا آدمی اگر اس عورت سے صحبت کرے گا تو جنین (بچہ) پر برا اثر پڑے گا اور حمل گر جانے کا اندیشہ ہے لہٰذا اس عورت کو آرام دے اور صحبت ترک کر دے۔

حاملہ کے ساتھ صحبت کی ممانعت کی وجہ ایک تو اسقاط حمل کا اندیشہ ہے دوسرے اس حمل سے جو اولاد پیدا ہوگی اس کے اخلاق و اطوار میں والدین کے شہوانی جوش مرکوز

[1] المصالح العقلیہ، ص:۲۰۳۔

ہو کر بد اخلاقی پیدا کریں گے، کیونکہ شہوت کے جوش کا اثر (جنین) بچہ پر ضرور پڑتا ہے، اور وہ طبیعت میں فطری ہو جاتا ہے[۱]

دودھ پلانے والی عورت سے صحبت کرنا

دودھ پلانے والی عورت سے صحبت کرنا (بعض اعتبار سے) بچہ کے لیے مضر ہے لیکن اطباء (ڈاکٹروں) نے اس امر کی اصلاح کے لیے بعض دواؤں کے ساتھ (تدبیر) بتلائی ہے لہٰذا یہ قادح (مضر) نہ رہا[۲]

منع حمل کی تدبیر اختیار کرنا

سوال:۔ بعض عورتیں جسم کے کمزور ہوتی ہیں اور بچے بہت جلد جلد ہوتے ہیں اس سے ان کی بھی تندرستی خراب ہو جاتی ہے، اور بچے بھی دودھ خراب ہونے سے دائم المرض ہو جاتے ہیں اس صورت میں مانع حمل دوائی کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب آئندہ کے لیے حمل قرار نہ پانے کی تدبیر اختیار کرنا بلا عذر مذموم ہے۔ مسئلہ ثانیہ (صورت مذکورہ) میں چونکہ عذر صحیح ہے اس لیے مانع حمل دوا کھانا جائز ہے[۳]

اسقاط حمل یعنی حمل گرانے کا حکم

بلا عذر اسقاط حمل ناجائز ہے (اگرچہ جان نہ پڑی ہو) اور عذر و ضرورت سے جب تک کہ حمل میں جان نہ پڑی ہو جائز ہے۔ اگر تحقیق فن سے حمل میں جان پڑنا محتمل ہو تب تو مطلقاً حمل گرانا حرام ہے اور موجب قتل نفس زکیہ ہے (یعنی قتل کا گناہ ہوگا) اگر جان پڑ جانے کے بعد اسقاط کیا تو اگر مردہ ہی گر گیا، تو پانچ سو درہم ضمان لازم ہے اور

[۱] ایضاً ص:۲۰۳۔ [۲] المصالح العقلیہ۔ [۳] امداد الفتاویٰ، ج:۴۔

وہ باپ کو ملے گا اور اگر زندہ ہو کر مر گیا تو پوری دیت یعنی خون بہا اور کفارہ قتل واجب ہے۔

(البتہ) اگر جان نہیں پڑی سو اگر کوئی عذر صحیح (شرعی) ہو تو اسقاط جائز ہے، (یعنی) اگر اس عورت کو یا بچہ کو اس حمل سے کچھ نقصان ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں (اور عذر صحیح کا یہی مطلب ہے)۔

خلاصۂ کلام یہ کہ سب میں اشد (گناہ کبیرہ) حمل حی (یعنی زندہ حمل) کا اسقاط ہے اور اس سے کم حمل غیرحی کا اور اس سے کم مانع حمل دواؤں کے استعمال کا البتہ عذر مقبول سے آخر کے دو امر (یعنی مانع حمل تدبیر یا جان پڑنے سے پہلے حمل کا اسقاط) جائز ہے اور امر اول (یعنی زندہ حمل کا اسقاط) ہر حال میں حرام ہے۔[1]

لڑکے کے حلالی وحرامی ہونے کا مسئلہ

۱- حمل کی مدت کم سے کم چھ مہینے ہے، اور زیادہ سے زیادہ دو برس یعنی کم سے کم چھ مہینے بچہ پیٹ میں رہتا ہے، پھر پیدا ہوتا ہے، چھ مہینے سے پہلے پیدا نہیں ہوتا اور زیادہ سے زیادہ دو برس پیٹ میں رہ سکتا ہے اس سے زیادہ پیٹ میں نہیں رہ سکتا۔

۲- شریعت کا قاعدہ ہے کہ جب تک ہو سکے بچہ کو حرامی نہ کہیں گے، جب بالکل مجبوری ہو جائے تب حرامی ہونے کا حکم لگائیں گے اور عورت کو گنہگار ٹھہرائیں گے۔

۳- جب کسی شوہر والی عورت کے اولاد ہوگی تو وہ اسی کے شوہر کی کہلائے گی، کسی شبہ پر یہ کہنا کہ یہ لڑکا اس کے میاں کا نہیں ہے بلکہ فلانے کا ہے درست نہیں اور اس لڑکے کو حرامی کہنا بھی درست نہیں، اگر اسلامی حکومت ہو تو ایسا کہنے والے کو کوڑے مارے جائیں۔

۴- نکاح کے بعد ڈھائی مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو وہ حرامی ہے اور اگر پورے چھ مہینے یا اس سے زیادہ مدت میں ہوا ہو تو وہ شوہر کا ہے اس پر بھی شبہ کرنا گناہ

[1] امداد الفتاویٰ، ج:۴۔

ہے۔ البتہ اگر شوہر انکار کرے اور کہے کہ میرا نہیں ہے تو لعان کا حکم ہوگا۔

۵- نکاح ہوگیا لیکن ابھی رواج کے مطابق رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ بچہ ہوگیا، اور شوہر انکار نہیں کرتا کہ میرا بچہ نہیں ہے تو وہ بچہ شوہر ہی سے کہا جائے گا، حرامی نہیں کہا جائے گا، اور اس کو حرامی کہنا درست نہیں اگر شوہر کا نہ ہو تو وہ انکار کر دے۔ انکار کرنے پر لعان کا حکم ہوگا۔

۶- کسی کا شوہر مر گیا تو مرنے کے وقت سے اگر دو برس کے اندر بچہ پیدا ہوا تو وہ حرامی نہیں بلکہ شوہر کا بچہ ہے، ہاں اگر عورت اپنی عدت ختم ہو جانے کا اقرار کر چکی ہے تو حرامی کہا جائے گا، اور اگر دو برس کے بعد پیدا ہوا تب بھی حرامی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جاہل لوگوں کی جو عادت ہے کہ کسی کے مرے پیچھے نو مہینے سے ایک دو مہینہ بھی زیادہ گزر کر بچہ پیدا ہوا تو اس عورت کو بدکار سمجھتے ہیں یہ بڑا گناہ ہے۔

۷- شوہر پردیس میں ہے اور مدت ہوگئی برسیں گزر گئیں کہ گھر نہیں آیا اور یہاں لڑکا پیدا ہوگیا اور شوہر اس کو اپنا ہی بتاتا ہے تب بھی وہ از روئے قانون شرع حرامی نہیں اسی شوہر کا ہے، البتہ اگر شوہر خبر پا کر انکار کرے گا تو لعان کا حکم ہوگا۔[1]

---

[1] بہشتی زیور، ج:۴، باب:۲۸۔

فصل

لواطت

یعنی پیچھے کی راہ میں خواہش پوری کرنا

اس فعل (لواطت) کی خباثت عقلاً ونقلاً ہر طرح ثابت ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے خود ہی انکار کرتی ہے، اس فعل پر سوائے بدطینت آدمی کے اور کوئی سبقت (پیش قدمی) نہیں کرسکتا۔[1]

یہ بہت پرانا مرض ہے اور سب سے پہلے لوط علیہ السلام کی قوم میں یہ مرض پیدا ہوا تھا اور شیطان نے ان لوگوں کی راہ ماری۔[2]

یہ ناپاک (خبیث) فعل سب سے پہلے قوم لوط میں رائج ہوا، ان سے پہلے آدمیوں میں اس کا وقوع نہ ہوا تھا، چنانچہ لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ''اَتَـأْتُـوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ''[3]

لوط علیہ السلام کو شہر سدوم میں رہنے اور اس شہر والوں کی ہدایت کا حکم ہوا تھا وہ لوگ لواطت کے عادی تھے، جس کا ارتکاب ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔

لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا والوں میں سے نہیں کیا، تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو؟ بلکہ تم حد ہی سے گزر گئے ہو پھر ہم نے لوط علیہ السلام اور ان کے متعلقین

[1] دین ودنیا، ص:۲۷۲۔ [2] دعوات عبدیت، ص:۳۴۔ [3] الکمال فی الدین ملحقہ دین ودنیا، ص:۲۶۸۔

کو بچالیا، سوائے ان کی بیوی کے پھر اور سب کو ہم نے ہلاک کر دیا، اور ہم نے ان پر خاص قسم کا یعنی پتھروں کا مینہ برسایا (یعنی پتھر کی بارش کی)

یہاں دو عذابوں کا ذکر ہے: تختہ الٹا جانا (یعنی زمین کو الٹا دینا) اور پتھر برسنا، ظاہر یہ ہے کہ پہلے زمین اٹھا کر الٹ دی گئی، جب وہ نیچے کو گرے تو اوپر سے ان پر پتھر اؤ کیا، اور بعض لوگوں نے کہا کہ جو بستی میں تھے وہ الٹ دیئے گئے اور جو باہر گئے ہوئے تھے ان پر پتھر برسے۔

سو دیکھو تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا، اگر غور سے دیکھے گا تو تعجب کرے گا اور سمجھے گا کہ نافرمانی کا کیا انجام ہوتا ہے، بے شک اس واقعہ میں بھی (بڑی) عبرت ہے[1]

اس وقت یہ مرض لوگوں میں شدت سے پھیل رہا ہے کوئی تو خاص اصل گناہ ہی میں مبتلا ہے اور کوئی اس کے مقدمات میں یعنی اجنبی لڑکے یا اجنبی عورت پر (شہوت کے ساتھ) نظر کرنا۔

حدیث میں ہے: اَللِّسَانُ یَزْنِیْ وَزِنَاهُ النُّطْقُ وَالْقَلْبُ یَتَمَنّٰی وَ یَشْتَهِیْ ''اس میں ہاتھ لگانا بری نگاہ سے دیکھنا سب داخل ہو گئے، یہاں تک کہ جی خوش کرنے کے لیے حسین لڑکے یا لڑکی سے باتیں کرنا یہ بھی زنا ولواطت میں داخل ہے اور دل کا زنا سوچنا ہے، جس سے لذت حاصل ہو، تو جیسے زنا میں تفصیل ہے ایسے ہی لواطت میں بھی ہے[2]

---

[1] بیان القرآن ترجمہ وتفسیر سورہ اعراف، وشعراء، وہود ملتقطا۔

[2] دعوات عبدیت وعظ الاتعاظ بالغیر، ج:۹،ص:۱۱۸۔

اپنی عورت سے پیچھے کی راہ میں خواہش پوری کرنا

پیچھے کے موقعہ میں اپنی بیوی سے بھی صحبت کرنا حرام ہے[1]

بدفعلی اور لواطت (یعنی پیچھے کی راہ میں خواہش پوری کرنا) ایسی عادت ہے جس سے نسل انسانی کی بیخ کنی ہوتی ہے، اس طریقہ سے گویا انسان نظام الٰہی کو بگاڑ کر اس کے مخالف (اور ناجائز وغلط) طریقہ سے قضائے حاجت کرتا ہے، اس وجہ سے ان افعال کا برا اور مذموم ہونا تو لوگوں کی طبیعتوں میں جم گیا ہے۔ فاسق فاجر جو (لوگ) ایسے کام کرتے ہیں وہ بھی ان کے جواز کا اقرار نہیں کرتے، اگر ان کی طرف ایسے افعال (بدعملی) کی نسبت کر دی جائے تو شرم وحیا سے مرجانا گوارا کرتے ہیں، ہاں جو لوگ فطرت کے سرچشمہ سے ہٹ گئے ہوں تو ان کو پھر کسی کی حیا باقی نہیں رہتی، اور بر ملا (بے دریغ) وہ ایسے افعال عمل میں لاتے ہیں۔

اور لواطت (یعنی پیچھے کی راہ میں خواہش پوری کرنے) پر شریعت نے کوئی کفارہ مقرر ومشروع نہیں فرمایا، اور کفارہ اس لیے مشروع نہیں ہوا کہ (یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ) اس جنس کے گناہوں میں کفارہ کا اثر نہیں ہوتا، کفارہ کا اثر تو وہاں ہوتا ہے جو امر اصل میں مباح (جائز) ہو اور کسی عارضی سبب سے حرام ہو جائے مگر اس قسم کے گناہ فی نفسہ بڑے سخت گناہ ہیں اس لیے ان میں سزا ہی ہے کفارہ نہیں ہے[2]

---

[1] بیان القرآن، ج:۱،ص:۱۲۹۔ [2] المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ ،ص:۳۷۔

باب (۲۵)

غسل وپاکی کا بیان

حالت حیض میں صحبت کے ممنوع اور ناپاکی کے بعد غسل واجب ہونے کی وجہ

حیض کے خون کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں اذیٰ یعنی گندگی فرمایا ہے، پس جس گندگی سے بار بار جسم آلود ہواس سے نفس انسانی ناپاک ہو جاتا ہے، دوسرے خون کے جاری ہونے سے لطیف پٹھوں کو ضعف پہنچتا ہے، (یعنی کمزوری آتی ہے) اور جب غسل کیا جائے تو ظاہری اور باطنی طہارت حاصل ہوتی ہے، اور پٹھے تروتازہ ہو جاتے ہیں اور ان میں وہی قوت عود کر آتی ہے (یعنی لوٹ آتی ہے)

اسی گندگی کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورت کی حالت حیض کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: ''**فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ** '' (یعنی حیض کے دنوں میں عورتوں سے علیحدہ رہو، اوران کے نزدیک مت جاؤ، یعنی ان سے صحبت نہ کرو جب تک کہ وہ حیض سے پاک نہ ہو جائیں [1]

[1] المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ، ص:۳۷۔

منی خارج ہونے کے بعد غسل واجب ہونے کی حکمت

منی کے خارج ہونے سے غسل کا واجب ہونا شریعت اسلامیہ کی بڑی خوبیوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وحکمت ومصلحت میں سے ہے کیونکہ منی سارے بدن سے نکلتی ہے، اس لیے خدا تعالیٰ نے منی کا نام ''سُلَالَۃٌ'' رکھا ہے، چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ''

یعنی ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ یعنی غذا سے بنایا، یعنی اول مٹی ہوتی ہے پھر اس سے بذریعہ نباتات کے غذا حاصل ہوتی ہے پھر ہم نے اس کو نطفہ (منی) سے بنایا[1]

پس منی انسان کے سارے بدن کا ست (مغز و جوہر) ہوتا ہے جو بدن سے رواں ہو کر بالآخر پشت کے راستہ سے نیچے آتی ہے، اور عضو تناسل سے خارج ہوتی ہے ، اس کے نکلنے سے بدن کو بہت ضعف (کمزوری) پہنچتا ہے، اور منی کے نکلنے سے جسم کو بہت کمزوری لاحق ہوتی ہے اور پانی کے استعمال سے وہ کمزوری نہیں رہتی۔

(نیز) منی کے نکلنے سے بدن کے تمام مسامات (لطیف سوراخ) کھل جاتے ہیں، اور کبھی ان سے پسینہ نکلتا ہے اور پسینہ کے ساتھ بدن کے اندرونی حصہ کے مواد (فضلات) بھی خارج ہوتے ہیں جو کہ مسامات پر آکر ٹھہر جاتے ہیں اگر ان کو نہیں دھویا جائے تو خطرناک امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے[2]

(اس لیے شریعت نے منی خارج ہونے کے بعد غسل کرنے کا حکم دیا)

صحبت سے فراغت کے بعد غسل جنابت کے واجب ہونے کا راز

جب انسان مجامعت (صحبت) سے فارغ ہوتا ہے تو اس کا دل انقباض اور تنگی

[1] بیان القرآن، ج:۷، ص:۸۷، سورہ مؤمنون [2] المصالح العقلیہ: ص:۳۸، ۳۹۔

کی حالت میں ہوتا ہے اور اس پر تنگی اور غم ساطاری ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو نہایت تنگی اور گھٹن میں پاتا ہے اور جب دونوں قسم کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کو ملتا ہے اور غسل کرتا ہے، اور اچھے کپڑے بدل کر خوشبو لگاتا ہے تب اس کی تنگی دور ہو جاتی ہے اور بجائے اس کے بہجت (رونق و تازگی) اور خوشی معلوم ہوتی ہے، پہلی حالت کو حدث اور دوسری کو طہارت کہتے ہیں (حدث ہی کا دوسرا نام جنابت ہے)

جنابت سے جسم میں گرانی و کاہلی اور کمزوری و غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور غسل سے دل میں قوت و نشاط و سرور اور بدن میں تازگی پیدا ہوتی ہے چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غسل جنابت کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ گویا اپنے اوپر سے ایک پہاڑ اتار دیا اور یہ ایسا امر (اور ایسی حقیقت) ہے جس کو ہر ایک سلیم طبع اور صحیح فطرت والا جانتا ہے۔

حاذق (ماہر) طبیبوں نے لکھا ہے کہ جماع کے بعد غسل کرنا بدن کی تحلیل شدہ قوتوں اور کمزوریوں کو لوٹا دیتا ہے اور غسل جنابت جسم و روح کے لیے نہایت نافع اور مفید ہے، اور جنابت میں رہنا اور غسل نہ کرنا جسم و روح کے لیے سخت مضر (نقصان دہ) ہے اس حکم کی خوبی پر عقل و فطرت سلیمہ کافی گواہ ہیں۔[1]

بعض دوسرے فوائد

جنابت سے انسان کو فرشتوں سے دوری پیدا ہوتی ہے اور جب غسل کرتا ہے تو وہ دوری ہٹ جاتی ہے اس لیے بہت سے صحابہ کرام سے مروی ہے کہ جب انسان سوتا ہے تو اس کی روح آسمان کی طرف چڑھتی ہے اگر پاک ہو تو اس کو سجدہ کرنے کا حکم ہوتا ہے اور اگر جنابت میں ہو تو اس کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی، یہی وجہ ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جنبی جب سونے لگے تو وضو کر لے۔

[1] المصالح العقلیہ، ص: ۳۸، ۳۹۔

جماع میں تلذذ (لطف حاصل کرنا) ہوتا ہے اور اس سے ذکر الٰہی میں غفلت ضرور ہو جاتی ہے اس لیے بھی اس کی تلافی کے لیے غسل کیا جاتا ہے[1]

جنبی آدمی جس مکان میں ہوگا وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آئیں گے

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا يَدْخُلُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْتاً فِيْهِ صُوْرَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ.

(ابو داؤد باب فی الجنب یؤخر الغسل ۱/۱۱۴ حدیث نمبر:۲۲۷)

یعنی جس مکان میں تصویر ہوتی ہے نہ اس میں فرشتے آتے ہیں اور نہ اس میں جس میں کتا ہو اور نہ اس میں جس میں جنبی آدمی ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں سے فرشتوں کو نفرت ہے کیونکہ فرشتوں کے اندر جو صفات پائی جاتی ہیں یعنی تقدس یہ سب چیزیں ان صفات کی اضداد ہیں اس لیے ضدین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے[2]

جنبی آدمی کو کچھ کھانے پینے یا سونے یا بیوی کے پاس دوبارہ جانے سے پہلے وضو کر لینا چاہئے

حالت جنابت میں اگر سونا یا کھانا چاہے یا بیوی کے پاس دوبارہ جانا چاہے بہتر ہے کہ استنجاء اور وضو کر لے لیکن اگر وضو نہ کیا تب بھی کوئی گناہ نہیں[3]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنبی جب سونے لگے تو وضو کر لے[4]

---

[1] المصالح العقلیہ، ص:۳۸۔ [2] المصالح العقلیہ، ص:۶۴۔ [3] تعلیم الدین، ص:۲۰۔
[4] المصالح العقلیہ، ص:۶۹۔

فصل

غسل کا محل ومقام اور اس کی ہیئت

غسل کھڑے ہو کر کرے یا بیٹھ کر

غسل ایسی جگہ کرے جہاں اس کو کوئی نہ دیکھے، اگر تنہائی کی جگہ ہو جہاں کوئی نہ دیکھ پائے تو ننگے نہانا بھی درست ہے، چاہے کھڑے ہو کر نہائے یا بیٹھ کر اور چاہے غسل خانہ کی چھت پٹی ہو یا نہ پٹی ہو لیکن بیٹھ کر نہانا بہتر ہے کیوں کہ اس میں پردہ زیادہ ہے، اور ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک دوسری عورت کے سامنے بھی بدن کھولنا گناہ ہے ،اکثر عورتیں دوسری (عورت) کے سامنے بالکل ننگی ہو کر نہاتی ہیں، یہ بڑی بری اور بے غیرتی کی بات ہے۔[1]

سوال: عورتوں اور مردوں کے لیے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر غسل کرنے کا حکم یکساں ہے یا مختلف ہے؟ حدیث سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیٹھ کر غسل فرمانا معلوم ہوتا ہے۔

الجواب: مرد وعورت دونوں کا حکم یکساں ہے یعنی جائز تو دونوں ہیں (خواہ کھڑے ہو کر غسل کرے یا بیٹھ کر) لیکن قعود باعتبار اس کے کہ اَسْتَرُ ہے افضل ہوگا، یعنی بیٹھ کر غسل کرنا افضل ہے کیوں کہ اس میں ستر زیادہ ہوتا ہے۔

مفسرین نے ''اَنّٰی شِئْتُمْ میں مِنْ قِیَامٍ وَّقُعُوْدٍ'' سے تعمیم کی ہے تو حالت غسل تو اس سے اہون ہے، جب بیوی سے صحبت بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر دونوں طرح جائز ہے تو غسل بھی دونوں طرح بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔[2]

---

[1] بہشتی زیور، ص:۵۶۔ [2] امداد الفتاویٰ مع حاشیہ، ج:۱، ص:۴۶۔

غسل فرض ہواور پردہ کی جگہ نہ ہوتو کیا کرے

مسئلہ : کسی پر غسل فرض ہوااور پردہ کی جگہ نہ ہوتو اس میں یہ تفصیل ہے کہ مردوں کو مردوں کے سامنے ننگے ہوکر نہانا واجب ہے اسی طرح عورت کو عورتوں کے سامنے بھی نہانا واجب ہے اور مرد کو عورتوں کے سامنے اور عورتوں کو مردوں کے سامنے نہانا حرام ہے بلکہ (ایسی حالت میں بجائے غسل کرنے کے) تیمّم کرے[1]

غسل کرنے کا مسنون طریقہ

غسل کرنے والی کو چاہئے کہ پہلے گٹے تک دونوں ہاتھ دھوئے پھر استنجے کی جگہ (شرمگاہ) دھوئے، ہاتھ اور استنجے کی جگہ نجاست ہوتب بھی اور نہ ہوتب بھی، ہرحال میں ان دونوں کو پہلے دھونا چاہئے، پھر جہاں بدن پر نجاست لگی ہواس کو پاک کرلے، پھر وضو کرے، اور اگر کسی چوکی یا پتھر پر غسل کرتی ہو (یعنی ایسی جگہ جہاں غسل کا پانی ٹھہرتا نہ ہو بلکہ سب بہہ جاتا ہو) تو وضو کرتے وقت پیر بھی دھولے اور اگر ایسی جگہ ہے کہ پیر بھی بھر جائیں گے اور غسل کے بعد پھر دھونے پڑیں گے تو پورا وضو کرلے مگر پیر نہ دھوئے، پھر وضو کے بعد تین مرتبہ اپنے سر پر پانی ڈالے، پھر تین مرتبہ داہنے کندھے پر پھر تین مرتبہ بائیں کندھے پر پانی ڈالے، اس طرح سے کہ سارے بدن پر پانی بہہ جائے، پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاک جگہ میں آئے اور پھر پیر دھوئے اور اگر وضو کرتے وقت پیر دھولیے ہوں تو اب دھونے کی ضرورت نہیں اور غسل کے وقت پہلے سارے بدن پر اچھی طرح ہاتھ پھیرلے تب پانی بہائے تاکہ سب جگہ پانی اچھی طرح پہونچ جائے، کہیں سوکھا نہ رہے۔

ہم نے جو ابھی غسل کا طریقہ بیان کیا ہے (یہی طریقہ) سنت کے موافق ہے

[1] بہشتی گوہر، ج:۱۱، ص:۶۹۱۔

اس میں بعض چیزیں فرض ہیں کہ ان کے بغیر غسل درست نہیں ہوتا، آدمی ناپاک ہی رہتا ہے اور بعض چیزیں سنت ہیں ان کے کرنے سے ثواب ملتا ہے اور اگر نہ کرے تو بھی غسل ہوجاتا ہے۔

غسل فرض میں صرف تین چیزیں ہیں:

(۱) اس طرح کلی کرنا کہ سارے منہ میں پانی پہنچ جائے۔

(۲) ناک میں پانی ڈالنا جہاں تک ناک نرم ہے۔

(۳) سارے بدن پر پانی پہنچانا[۱]

غسل کے وقت ذکر یا دعاء پڑھنا

جب سارے بدن پر پانی پڑ جائے اور کلی کرلے اور ناک میں پانی ڈال لے تو غسل ہوجائے گا چاہے غسل کرنے کا ارادہ ہو چاہے نہ ہو۔

اسی طرح غسل کرتے وقت کلمہ پڑھنا یا پڑھ کر پانی پر دم کرنا بھی ضروری نہیں چاہے کلمہ پڑھے یا نہ پڑھے ہر حال میں آدمی پاک ہوجاتا ہے بلکہ نہاتے وقت کلمہ یا اور کوئی دعاء نہ پڑھنا بہتر ہے (کیونکہ شریعت سے ایسے وقت میں کوئی چیز پڑھنا ثابت نہیں)۔ اس لیے اس وقت کچھ نہ پڑھے[۲]

بحالت غسل باتیں کرنا

غسل کرنے والے کو چاہئے کہ (بغیر ضرورت کے) غسل کرتے وقت باتیں نہ کرے[۳]

سوال: اغلاط العوام میں نمبر ۸۳ پر یہ مسئلہ ہے کہ غسل خانہ میں و پاخانہ میں

[۱] بہشتی زیور، ج:۱، ص:۵۶۔ [۲] بہشتی زیور، ج:۱، ص:۵۷۔ [۳] بہشتی زیور، ج:۱، ص:۵۶۔

بات کرنے کو عوام ناجائز سمجھتے ہیں، سو اس کی کچھ اصل نہیں، البتہ بلاضرورت باتیں نہ کرے[1]

اور مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث ہے: ''لَا یَخْرُجَنَّ الرَّجُلَانِ یَضْرِبَانِ الْغَائِطِ کَاشِفَیْنِ عَنْ عَوْرَتِهِمَا یَتَحَدِّثَانِ فَإِنَّ اللهَ یَمْقُتُ عَلٰی ذٰلِکَ''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کشف عورت (یعنی ستر کھلا ہونے کی حالت) میں بات چیت کرنے سے اللہ تعالیٰ غصہ ہوتے ہیں اور غسل خانہ بالخصوص پاخانہ میں کشف عورت (یعنی ستر کھولنا) لازمی ہے۔

الجواب: اس حدیث کا مصداق (ومطلب) یہ ہے کہ دونوں (بات کرنے والے) اس طرح برہنہ (ننگے) ہوں کہ ایک دوسرے کو برہنہ دیکھتے ہوں ورنہ رجلان کی کیا تخصیص تھی ''اَلرَّجُلُ یَضْرِبُ الْغَائِطَ'' الخ عبارت ہوتی وَإِذَ لَیْسَ فَلَیْسَ[2]

(**خلاصہ** یہ ہے کہ بلاضرورت بات نہ کرے اور ضرورت ہو تو بات کرسکتا ہے)۔

غسل کے وقت عورت کو شرمگاہ کے ظاہری حصہ کا دھونا کافی ہے

سوال غسل کرتے وقت عورت کو اپنی اندام نہانی (شرمگاہ کا اندرونی حصہ) کو انگلی کے ذریعہ سے تین مرتبہ پاک کرنا فرض ہے یا سنت؟ اور اس طرح پاک کئے بغیر غسل جائز ہوسکتا ہے یا نہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر غسل کرنے سے پہلے اندام نہانی (شرمگاہ) کو انگلی کے ذریعہ تین مرتبہ پاک نہ کیا جائے گا تو غسل نہ ہوگا ان کا

[1] اغلاط العوام [2] امداد الفتاویٰ، ج:۱،ص:۵۸۔

یہ فرمانا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب : (ایسا کرنا) نہ فرض ہے نہ سنت، اوراس کوضروری کہنا غلط ہے فِی الدُّرِّ الْمُخْتَارِ وَلَا تُدْخِلُ اِصْبَعَهَا بِهٖ يُفْتىٰ فِيُ قَبْلِهَا۔

ترجمہ: یعنی عورت اپنی شرمگاہ میں انگلی داخل نہ کرے گی، اسی پرفتویٰ ہے[1]

غسل میں عورت کو سر کے بال کھولنا ضروری نہیں

اگر سر کے بال گندھے ہوئے نہ ہوں (یعنی چوٹی نہ بندھی ہو) تو سب بال بھگونا اور ساری جڑوں میں پانی پہنچانا فرض ہے، ایک بال بھی سوکھا رہ گیا یا ایک بال کی جڑ میں پانی نہیں پہونچا تو غسل نہ ہوگا اوراگر بال گندھے ہوئے ہوں تو بالوں کا بھگونا معاف ہے، البتہ سب جڑوں میں پانی پہنچانا فرض ہے ایک جڑ بھی سوکھی نہ رہنے پائے ، اوراگر بغیر کھولے سب جڑوں میں پانی نہ پہنچ سکے تو کھول ڈالے اور بالوں کو بھی بھگودے[2]

(**سوال**) جس وقت نہانا فرض ہوا اس وقت عورت کے بال کھلے ہوئے تھے پھر گوندھ لیے (یعنی چوٹی کرلی) اس صورت میں تو نہاتے وقت صرف جڑوں کا تر کرنا کافی نہ ہوگا اور چوٹی کھول کر نہانا واجب ہوگا، نیز حیض سے نہاتے وقت بھی بال کی جڑوں کا تر کرلینا اور بالوں کا بھگونا بھی غالباً کافی ہے، غسل جنابت میں اوراس میں غالباً کوئی فرق نہیں، صحیح شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب :''فِي الْهِدَايَةِ وَلَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ اَنْ تَنْقُضَ ضَفَائِرَهَا فِي الْغُسْلِ اِذَا بَلَغَ الماءُ اُصُوْلَ الشعر ''اس سے دوامر معلوم ہوئے، ایک یہ کہ غسل کے وقت اگر بال مضفور ہوں (یعنی بال گندھے ہوں، چوٹی کی ہوئی ہو) تو کھولنا واجب نہیں خواہ حدث کے وقت (جب کہ غسل واجب ہوا ہے) مضفور (کھلے ہوئے)

[1] امداد الفتاویٰ: ج۱ص۴۴، سوال ۲۶۔ [2] بہشتی زیور، ص: ۵۷۔

ہوں یا نہ ہوں، دوسرے (یہ معلوم ہوا کہ) مطلق غسل کا یہ حکم ہے، خواہ وہ غسل جنابت ہو یا غسل حیض ہو۔[1]

چند ضروری ہدایات وآداب

(۱) غسل کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرے۔

(۲) پانی بہت زیادہ نہ پھینکے اور نہ بہت کم لیوے کہ اچھی طرح غسل نہ کرسکے۔

(۳) غسل کے بعد کسی کپڑے سے اپنا بدن پونچھ ڈالے اور بدن ڈھکنے میں بہت جلدی کرے، یہاں تک کہ اگر وضو کرتے وقت پیر نہ دھوئیں ہوں تو غسل کی جگہ سے ہٹ کر پہلے اپنا بدن ڈھکے پھر دونوں پیر دھوئے۔

(۴) نتھ اور بالیوں اور انگوٹھی چھلوں کو خوب ہلالے تاکہ پانی سوراخوں میں پہنچ جائے، اور اگر بالیاں نہ پہنے ہوتب بھی قصد کر کے سوراخوں میں پانی ڈال لے، ایسا نہ ہو کہ پانی نہ پہنچے اور غسل صحیح نہ ہو البتہ اگر انگوٹھی چھلے ڈھیلے ہوں کہ بے ہلائے بھی پانی پہنچ جائے تو ہلانا واجب نہیں لیکن ہلا لینا مستحب اب بھی ہے۔[2]

مجبوری میں بجائے غسل کے تیمّم بھی کافی ہے

خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ بندوں پر جو چیز دشوار ہوتی ہے ان پر آسان وسہل کر دیتا ہے، اور آسانی کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ جس کام کے کرنے میں دقت و پریشانی ہو اس کو ساقط کر کے اس کا بدل کر دیا جائے تاکہ اس بدل سے ان کے دل مطمئن رہیں، لہٰذا خدا تعالیٰ نے ضرورت کے موقع پر تیمّم کو وضو اور غسل کا خلیفہ ٹھہرایا۔[3]

---

[1] امداد الفتاویٰ، ۱/۴۴۔ [2] بہشتی زیور، ج:۱ص:۵۷۔ [3] المصالح العقلیہ، ص:۵۹۔

تنبیہ

جتنی پاکی وضو اور غسل کرنے سے ہوتی ہے اتنی ہی پاکی (ضرورت کے وقت) تیمّم سے بھی ہوجاتی ہے، یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ تیمّم سے اچھی طرح پاکی نہیں ہوتی کچھ خیال و وسوسہ نہیں لانا چاہئے، چاہے جتنے دن گذر جائیں[1]

وضو اور غسل کا تیمّم ایک ہی ہے

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ جنبی اور بے وضو کا تیمّم یکساں ہونے کی حکمت یہ ہے کہ جب وضو کے تیمّم میں ہاتھ اور منھ پر مسح کرنے کے بعد سر اور پاؤں سے مسح ساقط ہوگیا تو ان ہی اعضاء یعنی ہاتھ اور منھ پر مسح کرنے کے بعد جنبی کے لیے سارے بدن کا مسح بدرجہ اولیٰ ساقط ہوجانا چاہئے، کیونکہ سارے بدن کے مسح کرنے میں تکلیف اور حرج ہے، جو رخصتِ تیمّم کے لیے منافی و مناقض ہے اور سارے بدن پر جنبی کو مٹی ملنے میں خدا تعالیٰ کو افضل مخلوقات یعنی انسان کو خاک میں لوٹنے میں بہائم (جانوروں) کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے، بس جو کچھ شریعت حقہ نے مقرر کیا ہے حسن اور خوبی اور عدل میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہوسکتی[2]

تیمّم کا طریقہ

۱- تیمّم کرتے وقت اپنے دل میں بس اتنا ارادہ کرلے کہ میں پاک ہونے کے لیے تیمّم کرتی ہوں یا نماز پڑھنے کے لیے تیمّم کرتی ہوں تو تیمّم ہوجائے گا، اور یہ ارادہ کرنا کہ میں وضو کا تیمّم کرتی ہوں یا غسل کا (یہ تعیین) کچھ ضروری نہیں۔

۲- تیمّم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پاک زمین پر مارے اور

---

[1] بہشتی زیور، ص:۶۸۔ [2] المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ، ص:۳۴۔

سارے منھ کو مل لیوے، پھر دوسری مرتبہ زمین پر دونوں ہاتھ مارے اور دونوں ہاتھوں پر کہنی سمیت مل لے، چوڑیوں کنگن وغیرہ کے درمیان اچھی طرح ملے، اگر اس کے گمان میں ناخن برابر بھی کوئی جگہ چھوٹ جائے گی تو تیمّم نہ ہوگا۔ انگوٹھی چھلے اتار ڈالے، تاکہ کوئی جگہ چھوٹ نہ جائے۔ انگلیوں میں خلال کرلیوے، جب یہ دونوں چیزیں کرلیں تو تیمّم ہوگیا۔

۳- زمین کے سوا اور جو چیز مٹی کی قسم سے ہو اس پر بھی تیمّم درست ہے جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونا، گیرو، وغیرہ۔ اور جو چیز مٹی کی قسم سے نہ ہو اس سے تیمّم درست نہیں، جیسے سونا، چاندی، رانگا، لکڑی، گیہوں، کپڑا، اناج وغیرہ ہاں اگر ان چیزوں پر مٹی اور گرد لگی ہو اس وقت البتہ ان پر تیمّم درست ہے۔

۴- جو چیز نہ تو آگ میں جلے اور نہ گلے، وہ چیز مٹی کی قسم سے ہے اس پر تیمّم درست ہے اور جو چیز جل کر راکھ ہوجائے یا گل جائے اس پر تیمّم درست نہیں۔ اسی طرح راکھ پر بھی تیمّم درست نہیں[1]

تیمّم کرنا کب درست ہے

۱- اگر بیماری کی وجہ سے پانی نقصان کرتا ہو کہ اگر وضو یا غسل کرے گی تو بیماری بڑھ جائے گی، یا دیر میں اچھی ہوگی تب بھی تیمّم درست ہے، لیکن اگر ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہو اور گرم پانی نقصان نہ کرے تو گرم پانی سے غسل کرنا واجب ہے البتہ اگر ایسی جگہ ہے کہ گرم پانی نہیں مل سکتا (یا گرم پانی بھی نقصان کرے گا) تو تیمّم کرنا درست ہے۔

۲- اگر اتنی سردی پڑتی ہو کہ نہانے سے مرجانے یا بیمار ہوجانے کا خوف ہو اور رضائی لحاف وغیرہ کوئی چیز بھی نہیں کہ نہا کر کے اس میں گرم ہوجائے تو ایسی مجبوری کے وقت تیمّم کرلینا درست ہے[2]

---

[1] بہشتی زیور، ۶۹/۱۔ [2] بہشتی زیور۔

۳- جس طرح وضو کی جگہ تیمّم درست ہے اسی طرح غسل کی جگہ بھی مجبوری کے وقت تیمّم درست ہے ایسے ہی جو عورت حیض ونفاس سے پاک ہوئی (یا حالت جنابت میں ہوئی) مجبوری کے وقت اس کو بھی تیمّم درست ہے، وضو اور غسل کے تیمّم میں کوئی فرق نہیں۔

۴- اور اگر غسل کرنا نقصان کرتا ہو اور وضو نقصان نہ کرے تو غسل کی جگہ تیمّم کرے اور وضو کی جگہ وضو کرنا چاہئے (البتہ اگر بدن کے کسی بھی حصہ میں کسی بھی قسم کی جو ناپاکی لگی ہے اس کو دھونا پاک کرنا ضروری ہے، استنجاء کرنا بھی ضروری ہے)۔

۵- اگر بیماری کی وجہ سے تیمّم کیا ہے جب بیماری جاتی رہے اور اطمینان ہو کہ اب وضو اور غسل نقصان نہ کرے گا تو تیمّم ٹوٹ جائے گا اب وضو کرنا اور غسل کرنا واجب ہے، بدن کا مسح کرنے میں تکلیف اور حرج ہے جو رخصت تیمّم کے منافی ہے۔

اور سارے بدن پر جنبی کو مٹی ملنے میں خدا تعالیٰ کی افضل المخلوقات یعنی انسان کو مٹی میں لوٹنے میں جانوروں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے پس شریعت نے جو کچھ مقرر کیا ہے حسن وخوبی میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہوسکتی[۱]

حالت سفر میں صحبت کرنا جب کہ غسل کے لیے پانی بھی موجود نہ ہو

حالت سفر میں اگر کسی کو پانی نہ ملے اس کو بھی اجازت ہے کہ بیوی سے مقاربت (صحبت) کرلے اور غسل کی جگہ تیمّم کرلے اگر یہ شریعت خدا کی نہ ہوتی تو حکم یہ ہوتا کہ اس حالت میں صحبت حرام ہے کیونکہ جب سفر میں پانی نہیں ملتا تو ایسے سخت سفر میں اس مستی کی کیا ضرورت ہے کہ جماع کیا جائے، اور اپنے ہاتھوں ناپاکی میں مبتلا ہوا جائے،

[۱] المصالح العقلیہ، ص:۵۹۔

اوراگر جماع جائز بھی کیا جاتا تو حکم یہ ہوتا ہے کہ اس کو تیمّم کرنا جائز نہیں جس طرح ممکن ہومر کر (تکلیف برداشت کرکے) کہیں سے پانی ہی لائے تاکہ مستی کی سزا بھگتے اوراگر تیمّم بھی جائز ہوتا تو وضواور غسل کے تیمّم میں فرق ہوتا، وضو کے تیمّم میں ہاتھ منھ کا ملنا کافی ہے تو غسل کے تیمّم میں شاید مٹی میں لوٹنے کا حکم ہوتا مگر یہ شریعت خدا کی بنائی ہوئی ہے اس لیے ہر شخص کو سفر کی حالت میں بھی صحبت کی اجازت ہے، پھر غسل اور وضو دونوں کا تیمّم ایک ہی طرح سے ہے صرف نیت کا فرق ہے۔[1]

---

[1] التیسیر للتیسیر ملحقہ تدبیر وتوکل، ص:۳۲۴۔

فصل

جن صورتوں میں غسل واجب ہوتا ہے

چند ضروری اصطلاحات

جوانی کے جوش کے وقت اول اول (شروع شروع میں) جو پانی نکلتا ہے اور اس کے نکلنے سے جوش زیادہ ہو جاتا ہے کم نہیں ہوتا اس کو مذی کہتے ہیں اور خوب مزہ آ کر جب جی بھر جاتا ہے اس وقت جو نکلتا ہے اس کو منی کہتے ہیں، اور ان دونوں کی پہچان یہی ہے کہ منی نکلنے کے بعد جی بھر جاتا ہے اور جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور مذی نکلنے سے جوش کم نہیں ہوتا بلکہ زیادہ ہو جاتا ہے، اور مذی پتلی ہوتی ہے اور منی گاڑھی ہوتی ہے۔

ودی: (عموماً) پیشاب کے بعد نکلتی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بغیر پیشاب کے نہیں نکلتی اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ پیشاب کے بعد فوراً نکلتی ہو۔[1]

مذی نکلنے سے غسل واجب نہیں البتہ وضو ٹوٹ جاتا ہے (اور منی کے نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے)

(۱) سوتے یا جاگتے میں جب جوانی کے جوش کے ساتھ منی نکل آئے تو غسل واجب ہو جاتا ہے چاہے مرد (یا عورت) کے ہاتھ لگانے سے نکلے یا محض خیال اور دھیان کرنے سے نکلے، یا کسی اور طرح نکلے ہر حال میں غسل واجب ہو جاتا ہے۔

۲- جب مرد کے پیشاب کے مقام کی سپاری اندر چلی جائے اور چھپ جائے تو بھی غسل واجب ہو جاتا ہے، چاہے منی نکلے یہ نہ نکلے، مرد کی سپاری آگے کی راہ میں گئی ہو تو بھی غسل واجب ہو جاتا ہے چاہے کچھ بھی نہ نکلا ہو، اور اگر پیچھے کی راہ میں گئی

---

[1] امداد الفتاویٰ، ج:۱، ص:۵۵، بہشتی زیور۔

ہوتب بھی غسل واجب ہے، لیکن پیچھے کی راہ میں کرنا اور کرانا بڑا گناہ ہے۔

۳- جو خون آگے کی راہ سے (عورت کو) ہر مہینے آیا کرتا ہے اس کو حیض کہتے ہیں، جب یہ خون بند ہو جائے تو غسل کرنا واجب ہے، اور جو خون بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہے اس کو نفاس کہتے ہیں اس کے بند ہونے پر بھی غسل کرنا واجب ہے۔

خلاصہ یہ کہ چار چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے۔

(۱) جوش کے ساتھ منی نکلنا۔ (۲) مرد کی سپاری کا اندر چلا جانا۔ (۳) حیض۔ (۴) اور نفاس کے خون کا بند ہو جانا۔[۱]

حدث اکبر یعنی غسل فرض ہونے کے چار سبب ہیں

(۱) پہلا سبب منی کا اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جسم سے باہر نکلنا خواہ سوتے میں یا جاگتے میں بیہوشی میں یا ہوش میں، جماع سے یا بغیر جماع کے، کسی خیال وتصور سے یا خالص حصہ کو حرکت دینے سے یا اور کسی طرح سے۔

(۲) دوسرا سبب کسی باشہوت مرد کے خاص حصہ کے سر کا کسی زندہ عورت کے خاص حصہ میں یا کسی دوسرے زندہ آدمی کے مشترکہ حصہ میں داخل ہونا خواہ وہ مرد ہو یا عورت یا خنثیٰ، اور خواہ منی گرے یا نہ گرے اگر دونوں بالغ ہیں تو دونوں پر واجب ہے ورنہ جس میں شرط پائی جائے (یعنی جو بالغ ہو) اس پر غسل فرض ہو جائے گا۔

(۳) تیسرا سبب حیض سے پاک ہونا ہے۔

(۴) چوتھا سبب نفاس سے پاک ہونا ہے۔[۲]

مسئلہ: اگر کوئی عورت شہوت کے غلبہ سے اپنے خاص حصہ میں (یعنی شرمگاہ میں) کسی لکڑی وغیرہ کو یا اپنی انگلی کو داخل کرے تب بھی اس پر غسل فرض ہو جائے گا۔[۳]

---

[۱] بہشتی زیور، ج:۱،ص:۵۷۔ [۲] بہشتی گوہر، ج:۱۱،ص:۶۸۹۔ [۳] بہشتی گوہر۔

چند ضروری مسائل

(۱) چھوٹی (نابالغہ) لڑکی سے اگر کسی مرد نے صحبت کی جو ابھی جوان نہیں ہوئی ہے تو اس پر غسل واجب نہیں ہے، لیکن عادت ڈالنے کے لیے اس سے غسل کرانا چاہئے (لیکن مرد پر غسل واجب ہوگا)۔

(۲) اگر تھوڑی سی منی نکلی اور غسل کرلیا پھر نہانے کے بعد اور منی نکل آئی تو پھر نہانا واجب ہے۔

(۳) اور اگر نہانے کے بعد شوہر کی منی نکلی جو عورت کے اندر تھی تو غسل درست ہوگیا پھر سے نہانا واجب نہیں[۱]

سوال: کوئی شخص اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا یعنی صحبت کی اور وہ پیشاب وغیرہ بھی کرلے اور اس نے پھر خوب غسل کیا اور جب نماز شروع کرنے لگا تب مذی یا منی کا قطرہ آگیا، اب وہ پھر سے غسل کرے یا نہیں؟

الجواب: اگر اس وقت عضو (تناسل) منتشر نہ ہو تو دوبارہ غسل واجب نہیں اور اگر منتشر ہو (یعنی قائم ہو) اور شہوت بھی ہو تو غسل واجب ہوگا[۲]

مسئلہ: اگر کسی کے خاص حصہ سے کچھ منی نکلی اور اس نے غسل کرلیا، اور غسل کے بعد بغیر شہوت کے کچھ نکلی تو اس صورت میں پہلا غسل باطل ہوجائے گا، دوبارہ غسل فرض ہے بشرطیکہ یہ باقی منی سونے اور پیشاب کرنے اور چالیس قدم یا اس سے زائد چلنے کے پہلے نکلے، مگر اس باقی منی کے نکلنے سے پہلے اگر نماز پڑھ لی تو وہ نماز صحیح رہے گی۔ اس کا اعادہ لازم نہیں۔

مسئلہ: پیشاب کے بعد منی نکلے تو اس پر بھی غسل فرض ہے بشرطیکہ شہوت کے ساتھ ہو[۳]

---

[۱] بہشتی زیور، ج:۱، ص:۵۷۔ [۲] کذا فی الدر المختار، امداد الفتاویٰ۔ [۳] بہشتی گوہر ۱۱/۶۸۸۔

جن صورتوں میں غسل فرض نہیں

(۱) منی اگر اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا نہ ہوتو اگر چہ باہر نکل آئے غسل فرض نہ ہوگا، مثلاً کسی شخص نے کوئی بوجھ اٹھایا یا اونچے سے گر پڑا یا کسی نے اس کو مارا اور صدمہ سے اس کی منی بغیر شہوت کے نکل آئی تو غسل فرض نہ ہوگا۔

(۲) اگر کوئی مرد اپنے خاص حصہ میں کپڑا لپیٹ کر جماع کرے تو غسل فرض نہ ہوگا، بشرطیکہ کپڑا اس قدر موٹا ہو کہ جسم کی حرارت اور جماع کی لذت اس کی وجہ سے محسوس نہ ہو مگر احوط یہ ہے کہ غیبت حشفہ سے غسل واجب ہو جائے گا۔

(۳) اگر کوئی مرد اپنے خاص حصہ کا حشفہ کے سر کی مقدار سے کم داخل کرے تب بھی غسل فرض نہ ہوگا۔

(۴) مذی اور ودی کے نکلنے سے غسل فرض نہیں ہوتا۔

(۵) استحاضہ سے غسل فرض نہ ہوگا۔

(۶) جس شخص کو منی جاری رہنے کا مرض ہو تو اس کے اوپر اس منی کے نکلنے سے غسل فرض نہ ہوگا۔[۱]

احتلام کے مسائل

(۱) اگر آنکھ کھلی اور کپڑے یا بدن پر منی لگی ہوئی دیکھی تو بھی غسل کرنا واجب ہے چاہے سوتے میں کوئی خواب دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔

(۲) سوتے میں مرد کے پاس (یا عورت کے پاس) رہنے اور صحبت کرنے کا خواب دیکھا اور مزہ بھی آیا لیکن آنکھ کھلی تو دیکھا کہ منی نہیں نکلی تو اس پر غسل واجب نہیں ہے، البتہ اگر منی نکل آئی ہو تو غسل واجب ہے۔ اور اگر کپڑے یا بدن پر کچھ بھیگا بھیگا

[۱] بہشتی گوہر، ج:۱، ص:۶۸۹۔

معلوم ہوالیکن یہ خیال ہوا کہ یہ مذی ہے منی نہیں ہے تب بھی غسل کرنا واجب ہے۔

(۳) میاں بیوی دونوں ایک پلنگ پر سو رہے تھے جب اٹھے تو چادر پر منی کا دھبّہ دیکھا اور سوتے میں خواب کا دیکھنا نہ مرد کو یاد ہے نہ عورت کو تو دونوں نہالیں کیونکہ معلوم نہیں یہ کس کی منی ہے۔

(۴) بیماری کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے آپ ہی آپ منی نکل آئی مگر جوش اور خواہش بالکل نہیں تھی، تو غسل واجب نہیں البتہ وضو ٹوٹ جائے گا۔[1]

پانی کی طرح رقیق منی اور مذی کا حکم

سوال: ایک شخص کی منی بہت ہی رقیق (پتلی) ہے اور اپنی بیوی سے تفریح کے وقت اس کی منی بدون جست (جنبش اور سخت حرکت) کے خارج ہو جاتی ہے تو کیا یہ شخص بغیر غسل کے اپنی نمازیں پڑھ سکتا ہے یا غسل واجب ہے؟

الجواب: غسل واجب ہے۔[2]

سوال: اس زمانہ میں طبیعتوں کے ضعف کی وجہ سے منی بہت رقیق (پتلی) ہوتی ہے اگر کپڑے پر لگ کر سوکھ جائے تو رگڑنے کھرچنے سے پاک ہو جائے گی یا دھونے کی ضرورت ہے؟ اور مذی اگر کپڑے میں لگ جائے تو رگڑنا کافی ہے یا دھونا لازم ہے؟

الجواب: (درمختار کی) روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ رقیق منی رگڑنے سے پاک نہ ہوگی، اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ مذی کا دھونا مطلقاً (ہر حال میں) واجب ہے۔[3]

---

[1] بہشتی زیور، ۱/۶۷۔ [2] درمختار، امداد الفتاوی، ص:۵۷ سوال:۴۲۔

[3] امداد الفتاویٰ، ج:۱، ص:۱۲۴، سوال ۱۱۷۔

جن لوگوں پر غسل واجب ہے ان کے لیے چند ضروری احکام

(۱) جن کو نہانے کی ضرورت ہے ان کو کلام مجید کا چھونا اور اس کا پڑھنا اور مسجد میں جانا جائز نہیں۔

(۲) اور اللہ تعالیٰ کا نام لینا، کلمہ پڑھنا اور دُرود شریف پڑھنا جائز ہے۔

(۳) تفسیر کی کتابوں کو بے نہائے (یعنی ناپاکی کی حالت میں) اور بے وضو چھونا مکروہ ہے اور ترجمہ دار قرآن کو چھونا بالکل حرام ہے[۱]

(۴) جو عورت حیض سے ہو یا نفاس سے ہو اور جس پر نہانا واجب ہو، (یعنی جو جنبی ہو) اس کو مسجد میں جانا اور کعبہ شریف کا طواف کرنا اور کلام مجید کا پڑھنا اور کلام مجید کا چھونا درست نہیں۔

(۵) اگر کلام مجید جز دان میں یا رومال میں لپٹا ہو تو اس حال میں قرآن مجید کا چھونا اور اٹھانا درست ہے۔

(۶) کرتہ کے دامن اور (اوڑھے ہوئے) دوپٹہ سے بھی قرآن مجید کو پکڑنا اور اٹھانا درست نہیں البتہ اگر بدن سے الگ کوئی کپڑا ہو جیسے رومال وغیرہ اس سے پکڑ کے اٹھانا جائز ہے۔

(۷) اگر الحمد کی پوری سورۃ دعاء کی نیت سے پڑھے یا اور دعائیں جو قرآن میں آئی ہیں ان کو دعاء کی نیت سے پڑھے تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے تو درست ہے۔ اس میں کچھ گناہ نہیں، دعاء قنوت کا پڑھنا بھی درست ہے۔

(۸) کلمہ، درود شریف، استغفار پڑھنا، اللہ تعالیٰ کا نام لینا یا اور کوئی وظیفہ پڑھنا سب درست ہے۔

(۹) اگر کوئی عورت لڑکیوں کو قرآن شریف پڑھاتی ہو تو ایسی حالت میں ہجے

---

[۱] بہشتی زیور، ج:۱، ص:۶۷۔

لگوانا درست ہے، اور رواں پڑھاتے وقت پوری آیت نہ پڑھے بلکہ ایک ایک، دو دو لفظ کے بعد سانس توڑ دے، اور کاٹ کاٹ کر کے آیت کہلا دے۔

(۱۰) حیض کے زمانہ میں مستحب ہے کہ نماز کے وقت وضو کر کے کسی پاک جگہ تھوڑی دیر بیٹھ کر اللہ اللہ کر لیا کرے تا کہ نماز کی عادت چھوٹ نہ جائے[1]

خلاصہ احکام

(۱) جنبی اور حیض والی عورت کو قرآن پڑھنا جائز نہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایک آیت تامہ (پوری آیت کا) پڑھنا جائز نہیں۔

(۲) احادیث کا پڑھنا جائز ہے اس میں بھی اختلاف نہیں۔

(۳) ایک آیت سے کم پڑھنا بعض (علماء وفقہاء) کے نزدیک جائز نہیں۔

(۴) اگر قرآن شریف تلاوت کے قصد سے نہ پڑھا جائے بلکہ دعاء کے ارادہ سے پڑھا جائے، جب کہ (بشرطیکہ) اس میں دعاء کے معنیٰ ہوں تو اکثر (علماء) کے نزدیک جائز ہے، بعض نے اس پر فتویٰ نہیں دیا۔

(۵) قربات عند اللہ کی ادعیہ قرآنیہ وحدیثیہ (یعنی قرآن وحدیث کی دعاؤں) کا حیض والی عورت کو پڑھنا جائز ہے اور قرآن کی دعاؤں میں یہ قید ہے کہ دعاء کی نیت سے پڑھے قرآن کی نیت سے نہ پڑھے۔

اور جہاں اس احتیاط کی توقع نہ ہو وہاں منع کرنے ہی میں احتیاط وتقویٰ ہے، جنبی اور حائض کے احکام میں کچھ فرق نہیں اس لیے یہ احکام دونوں کے لیے مشترک ہیں[2]

---

[1] بہشتی زیور، ج:۲،ص:۶۳۔ [2] امداد الفتاویٰ، ج:۱،ص:۹۰، سوال نمبر:۸۴)۔

جنابت یعنی غسل واجب ہونے کی حالت میں ناخن اور بال کٹوانا مکروہ ہے

سوال :بحالت جنابت خط بنوانا، بال کتروانا، ناخن ترشوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ قول کہ ایسی حالت میں غسل سے پہلے بالوں یا ناخنوں کے جدا کرنے سے بال اور ناخن جنبی رہیں گے اور قیامت کے روز فریاد کریں گے کہ ہم کو جنبی چھوڑا گیا، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :فی رسالۃ ہدایۃ النور لمولانا سعد اللہ در مطالب المومنین می آرد ستردن وتراشیدن موئے وگرفتن ناخنہا در حالت جنابت کراہت است۔

اس سے امر مسئول عنہ کی کراہت معلوم ہوئی (یعنی بحالت جنابت بال کتروانا کٹوانا اور ناخن تراشنا مکروہ ہے) باقی اس کے متعلق جو نقل کیا گیا ہے کہیں نظر سے نہیں گزرا اور ظاہراً صحیح بھی نہیں[1]

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں اس کی کراہت کی تصریح موجود ہے اور اس کی بھی تصریح ہے کہ بحالت جنابت جن بالوں کو کاٹا جائے گا قیامت کے روز اللہ سے وہ بال شکوہ کریں گے۔

ویکرہ قص الاظفار فی حالۃ الجنابۃ وکذا ازالۃ الشعر لما روی خالد مرفوعاً من تنوّر قبل ان یغتسل جاء تہ کل شعرۃ فتقول یا رب سلہ لم ضیعنی ولم یغسلنی کذا فی شرح شرعۃ الإسلام عن مجمع الفتاوی وغیرہ[2]

---

[1] امداد الفتاویٰ، ج:۱،ص:۵۸۔سوال:۴۵۔

[2] طحطاوی علی مراقی الفلاح،ص:۲۸۶، باب الجمعۃ، تکمیل۔

غسل کرنے کی وجہ سے اگر بیماری کا خطرہ ہو

(۱) اگر بیمار کی وجہ سے پانی نقصان کرتا ہو کہ اگر وضو یا غسل کرے گی تو بیماری بڑھ جائے گی، یا دیر میں اچھی ہوگی تو (غسل کے بجائے) تیمّم کرنا درست ہے لیکن اگر ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہو اور گرم پانی نقصان نہ کرے تو گرم پانی سے غسل کرنا واجب ہے، البتہ اگر ایسی جگہ ہے کہ گرم پانی نہیں مل سکتا تو تیمّم کرنا درست ہے۔

(۲) جس طرح وضو کی جگہ تیمّم درست ہے اسی طرح غسل کی جگہ بھی مجبوری کے وقت تیمّم درست ہے، ایسے ہی جو عورت حیض اور نفاس سے پاک ہوئی ہو مجبوری کے وقت اس کو بھی تیمّم درست ہے وضو اور غسل کے تیمّم میں کوئی فرق نہیں دونوں کا ایک ہی طریقہ ہے۔

(۳) تیمّم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پاک زمین پر مارے اور سارے منہ کو مل لیوے، پھر دوسری مرتبہ زمین پر دونوں ہاتھ اور دونوں ہاتھوں پر کہنی سمیت ملے، چوڑیوں کنگن وغیرہ کے درمیان اچھی طرح ملے، اگر اس کے گمان میں ناخن برابر کوئی جگہ چھوٹ جائے گی تو تیمّم نہ ہوگا، انگوٹھی چھلے اتار ڈالے تا کہ کوئی جگہ چھوٹ نہ جائے، انگلیوں میں خلال کرلے جب یہ دونوں چیزیں کرلے تو تیمّم ہوگیا، مٹی پر ہاتھ مار کر ہاتھ جھاڑ ڈالے تا کہ منھ پر مٹی نہ لگ جائے۔

(۴) اگر غسل کرنا نقصان کرتا ہو اور وضو نقصان نہ کرے تو غسل کی جگہ تیمّم کر لے (اور وضو کرلے) اور اگر کسی کو نہانے کی بھی ضرورت ہے اور وضو بھی نہیں ہے (اور وضو کرنے سے بھی وہ معذور ہے) تو ایک ہی تیمّم کرلے دونوں کے لیے الگ الگ تیمّم کرنے کی ضرورت نہیں [1]

---

[1] بہشتی زیور: ۶۸/۱۔

بحالت سفر ریل میں تیمّم جنابت درست ہے یا نہیں؟

سوال: ریل وغیرہ کے سفر میں کہیں غسل کی ضرورت ہوجائے اور پانی نہ ملے تو تیمّم کر کے نماز ادا کرسکتا ہے یا نہیں، اسٹیشن پر اگر چہ پانی ہر جگہ بکثرت مل سکتا ہے، لیکن ریل میں غسل کرنا مشکل ہے تو تیمّم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اسٹیشن پر غسل کرنا مشکل نہیں لنگی باندھ کر پلیٹ فارم پر بیٹھ کر سقہ (پانی والے) کو پیسہ دے کر کہہ دے کہ مشک سے پانی چھوڑ دے اور اس کے قبل ٹانگیں وغیرہ ریل کے پاخانہ یا غسل خانہ میں جا کر پاک کرلے، یا برتن میں پانی لے کر، یا اگر نل میں پانی موجود ہو تو اس سے اس پاخانہ یا غسل خانہ میں غسل ممکن ہے، ہمت کی ضرورت ہے، ایسی حالت میں تیمّم درست نہیں[1]

فصل

سیلان الرحم (لیکوریا) کا شرعی حکم

سوال: اکثر عورتوں کی سفید رطوبت (پانی کی تری) ہمیشہ جاری رہتی ہے کیا وہ پاک ہے یا ناپاک؟ اور ایسی حالت میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور بحالت اخراج (یعنی اس کے نکلنے سے) وضو ٹوٹا ہے یا نہیں؟

الجواب: یہاں تین موقع ہیں (جہاں سے رطوبت بہتی ہے) اور ہر جگہ رطوبت کا حکم جدا ہے۔

(۱) ایک موقعہ فرج خارج کا ہے، (یعنی شرمگاہ کا ظاہری حصہ) اس کی رطوبت (تری) درحقیقت پسینہ ہے اور وہ پاک ہے۔

[1] امداد الفتاوی، ج:۱،ص:۵۷،سوال:۶۸۔

(۲) اور ایک موقع فرج داخل کے باطن یعنی اس سے آگے کا ہے یعنی رحم کا، اس کی رطوبت (تری) مذی یا مذی کے مثل ہے، اور وہ نجس ہے۔

(۳) اور ایک موقعہ خود فرج داخل (اندورنی شرمگاہ) کا ہے اس کی رطوبت (تری) میں تردد ہے کہ وہ پسینہ ہے یا مذی اس لیے اس کی نجاست میں اختلاف ہے اور احتیاط اس کے نجس کہنے میں ہے۔

(خلاصہ یہ کہ) (۱) فرج خارج جس کا دھونا غسل میں فرض ہے اس کی رطوبت پاک ہے۔

(۲) فرج داخل (یعنی شرمگاہ کا اندورنی حصہ) جس کا دھونا غسل میں فرض نہیں اس کی رطوبت میں اختلاف ہے اور احتیاط نجاست میں ہے۔

(۳) نہ فرج داخل نہ فرج خارج بلکہ فرج داخل (اندورنی حصہ) سے بھی متجاوز (آگے یعنی رحم) اس کی رطوبت نجاست ہے۔

حاصل یہ کہ یہاں تین موقعہ ہیں اور ہر موقعہ کی رطوبت کا جدا حکم ہے، فرج خارج (ظاہری شرمگاہ) کی رطوبت ظاہر (پاک) ہے اور فرج داخل کے باطن یعنی رحم کی رطوبت نجس ہے، اور خود فرج داخل کی رطوبت مختلف فیہ ہے، امام صاحب کے نزدیک طاہر اور صاحبین کے نزدیک نجس ہے۔

سوال میں جس رطوبت کا ذکر ہے (جو عموماً عورتوں کو شکایت ہوا کرتی ہے) وہ قسم دوم ہے اس لیے نجس ہے۔

البتہ اگر محقق اور یقینی (طور سے معلوم) ہو جائے کہ (یہ رطوبت پہلی قسم) قسم اول ہے تو طاہر ہے یا قسم سوم ہے تو احتیاطاً نجس ہے، اور جو نجس ہے وہ ناقض وضو ہے، البتہ اگر ہر وقت جاری رہے اس کا حکم معذور کا سا ہے[1]

---

[1] امداد الفتاویٰ، ج:۱،ص:۱۰۸،۱۱۲،۱۲۱) سوال:۱۰۶،۱۰۷،۱۰۸،۔

خلاصہ بحث

خلاصۂ بحث یہ کہ جو رطوبت بہتی ہے وہ خواہ کوئی ہو ناقض وضو ہے اور ناپاک ہے، لہٰذا بعض عورتوں کو اکثر اوقات جو سفیدی بہتی رہتی ہے وہ ناپاک ہے اور ناقض وضو ہے، جب وہ بہہ کر فرج خارج (شرمگاہ کے ظاہری حصہ) تک نکل آئے وضو ٹوٹ جائے گا، اور فرج داخل (شرمگاہ کے اندورنی حصہ) کی جس رطوبت میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہوا ہے وہ خود سے باہر آتی ہی نہیں، لیکن اگر یہ رطوبت (سفیدی) ہر وقت بہتی رہتی ہو تو وہ عورت معذور ہے[1]

معذور کی تعریف اور اس کا حکم

(۱) جس کو ایسا کوئی زخم ہے کہ برابر بہتا رہتا ہے کوئی ساعت بند نہیں ہوتا یا (یا لیکوریا سیلان رحم کی بیماری ہے کہ ہر وقت رطوبت جاری رہتی ہے) یا پیشاب کی بیماری ہے کہ ہر وقت قطرہ آتا رہتا ہے، اتنا وقت نہیں ملتا کہ طہارت سے نماز پڑھ سکے تو ایسے شخص کو معذور کہتے ہیں۔

(۲) آدمی معذور جب بنتا ہے کہ پورا ایک وقت (نماز کا) اسی طرح گزر جائے کہ خون (یا جو بھی شکایت ہو) برابر بہا کرے اور اتنا بھی وقت نہ ملے کہ اس وقت کی نماز طہارت سے پڑھ سکے، اگر اتنا وقت مل گیا کہ اس میں طہارت (پاکی) سے نماز پڑھ سکتی ہے، تو اس کو معذور نہ کہیں گے، البتہ جب پورا ایک وقت اسی طرح گزر گیا کہ اس کو طہارت سے نماز پڑھنے کا موقعہ نہیں ملا تو اب یہ معذور ہوگئی اب اس کا وہی حکم ہے کہ ہر وقت نیا وضو کر لیا کرے، پھر جب دوسرا وقت آئے تو اس میں خون بہنا شرط نہیں ہے بلکہ وقت بھر میں اگر ایک دفعہ بھی آجایا کرے اور سارے وقت بند رہے تو بھی

[1] حاشیہ امداد الفتاویٰ، ج:۱، ص:۱۱۲۔

معذوری باقی رہے گی، ہاں اگر اس کے بعد ایک پورا وقت ایسا گزر جائے کہ جس میں خون بالکل نہ آئے تو اب معذوری نہیں رہی۔

(۳) معذور کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرے جب تک وہ وقت رہے گا تب تک اس کا وضو باقی رہے گا، البتہ جس بیماری میں مبتلا ہے اس کے علاوہ اگر کوئی اور بات ایسی پائی جائے جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو وضو جاتا رہے گا اور پھر سے کرنا پڑے گا جب یہ وقت چلا گیا، دوسری نماز کا وقت آ گیا تو اب دوسرے وقت دوسرا وضو کرنا چاہئے اسی طرح ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرے اور اس وضو سے فرض نفل جو نماز چاہے پڑھے[۱]

[۱] بہشتی زیور، ج:۱،ص:۵۴۔

مآخذ ومراجع

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی جن تصانیف، فتاویٰ، مجموعۂ ملفوظات ومواعظ اور مکاتیب سے اس کتاب کے مضامین ماخوذ ہیں ان کی فہرست

(۱) الاتعاظ	(۲) الاتمام لنعمة الاسلام	(۳) احکام المال
(۴) آداب انسانیت	(۵) آداب زندگی	(۶) آداب المصائب
(۷) اسباب الغفلة	(۸) الاشرف	(۹) اشرف السوانح
(۱۰) اشرف المعمولات	(۱۱) اصلاح انقلاب	(۱۲) اصلاح الرسوم
(۱۳) اصلاح المسلمین	(۱۴) اصلاح النساء	(۱۵) اعمال قرآنی
(۱۶) اغلاط العوام	(۱۷) الافاضات الیومیہ قدیم	(۱۸) الاکرمیہ
(۱۹) امداد الفتاویٰ	(۲۰) انفاس عیسیٰ	(۲۱) برکات رمضان
(۲۲) بوادر النوادر	(۲۳) بہشتی زیور	(۲۴) بہشتی گوہر
(۲۵) بیان القرآن	(۲۶) التبشیر	(۲۷) التبلیغ قدیم
(۲۸) تجدید تعلیم وتبلیغ	(۲۹) تطہیر رمضان	(۳۰) تعظیم الشعائر
(۳۱) تعلیم الدین	(۳۲) تفصیل التوبہ	(۳۳) تقلیل الاختلاط
(۳۴) تقلیل الطعام	(۳۵) تقلیل المنام	(۳۶) التہذیب
(۳۷) التیسیر للتیسیر	(۳۸) حسن العزیز	(۳۹) حقوق البیت
(۴۰) حقوق الزوجین	(۴۱) حقوق السراء والضراء	(۴۲) حقوق العلم
(۴۳) حقوق المعاشرہ	(۴۴) حقوق وفرائض	(۴۵) حقیقت الصبر
(۴۶) حقیقت مال وجاہ	(۴۷) حیوٰة المسلمین	(۴۸) الحیلة الناجزة
(۴۹) الخضوع	(۵۰) خیر الارشاد	(۵۱) الدنیا

(۵۲)دعوات عبدیت	(۵۳)دواء العیوب	(۵۴)دین ودنیا
(۵۵)رفع الالتباس	(۵۶)روح الجوار	(۵۷)روح الصیام
(۵۸)سنت ابراہیم	(۵۹)العاقلات الغافلات	(۶۰)عضل الجاہلیۃ
(۶۱)فروع الایمان	(۶۲)الکلام الحسن	(۶۳)الکمال فی الدین
(۶۴)مجالس حکیم الامت	(۶۵)المصالح العقلیہ	(۶۶)مقالات حکمت
(۶۷)ملحوظات جدید ملفوظات	(۶۸)ملفوظات اشرفیہ	(۶۹)ملفوظات حکیم الامت
(۷۰)ملفوظات خبرت	(۷۱)مناجات مقبول	(۷۲)منازعۃ الھویٰ
(۷۳)مواعظ عید میلاد النبی	(۷۴)نصرۃ النساء	(۷۵)نقد اللبیب فی عقد الحبیب

ان کتابوں کی فہرست

جوافادات تھانوی کے ضمن میں آئے ہیں

(۱)ابن ماجہ	(۲)ابوداؤد
(۳)الترغیب والترہیب	(۴)ازالۃ الخفاء
(۵)بزار	(۶)بیہقی
(۷)ترمذی	(۸)حجۃ اللہ البالغہ
(۹)درمختار	(۱۰)ردالمختار
(۱۱)زادالمعاد	(۱۲)شامی
(۱۳)طحطاوی علی مراقی الفلاح	(۱۴)فتح القدیر
(۱۵) کنزالعمال	(۱۶) مجمع الزوائد
(۱۷)مسلم شریف	(۱۸)مشکوٰۃ شریف
(۱۹)نسائی شریف	(۱۹)نسائی شریف